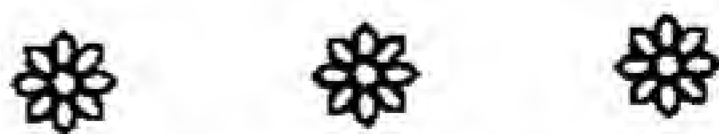
تذکرہ و سوانح

سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

خاندانی پسِ منظر، ولادت، تذکرہ والدین، تعلیم و تربیت، شخصیت و کردار، عادات و اطوار، فقر و درویشی، مصائب و مشکلات، عفو و درگزر، اوصاف و کمالات، تواضع و انکساری، تقویٰ و خشیتِ الٰہی، سیاسی زندگی، سیاسی بصیرت، قرآن سے محبت، انگریز سے نفرت، سراپا علم و عمل، اخلاص و للّٰہیت، زہد و استغناء، اصول پسندی، عشقِ رسول ﷺ، اتباعِ سنت، مسئلہ ختمِ نبوت سے والہانہ عقیدت، فرقِ باطلہ کا تعاقب، دعوت و خطابت، قید و بند کی صعوبتیں، ذوقِ شعر و ادب، ظرافت، حاضر جوابیاں، چٹکلے، سفرِ آخرت، آخری ایام اور ان جیسے لاجواب عناوین اور روح پرور مضامین اس پر مستزاد۔

مؤلف

مولانا عبدالقیوم حقانی



القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد نوشہرہ

انتساب

ایک مبتدی طالب علم، ایک معصومانہ مطالبہ، مطالبے پر اصرار، ادھر سے انکار، ادھر سے پھر اصرار اور شدید انتظار کا اظہار ......

اپنے معصومانہ لہجے میں بار بار اپنے والد گرامی سے دریافت [illegible] سے کہلوا دیجئے اگر [illegible] حضرت امیر شریعتؒ [illegible] ضرور لکھیں

سوانح کب آئے گی؟ کیوں نہیں آ رہی؟ کئی سوانحات [illegible] ...... ؟ مگر القاسم اکیڈمی اب تک ...... حضرت امیر شریعتؒ پہ کتاب کیوں نہ لا سکی ...... ؟

...... ابا جی ! اب کے بار جانا تو کتاب ساتھ لانا ...... اس انداز سے حافظ امداد اللہ ولد حضرت مولانا قاری محمد عبداللہ بنوی ...... نے احقر کو اپنی مجوزہ کتاب ''تذکرہ وسوانح حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ'' پر لکھنے کے لئے بے چین کر دیا ...... جواب ہدیۂ ناظرین ہے ......

...... کتاب کا انتساب ...... **حافظ امداد اللہ** ...... کے نام ......



فہرست عناوین

باب : ۱ ...... خاندانی پس منظر، ولادت، تذکرۂ والدین اور تعلیم و تربیت

باب دوم : شخصیت و کردار، عادات و اطوار، فقر و درویشی مصائب و مشکلات اور عفو و درگزر

باب سوم : اوصاف وکمالات‘ تواضع وانکساری‘ تقویٰ و خشیت الٰہی سیاسی زندگی اور سیاسی بصیرت

باب چہارم : قرآن سے محبت، انگریز سے نفرت

سراپا علم وعمل

باب پنجم: اخلاص وللّٰہیت، زہد واستغناء، اُصول پسندی

باب ہشتم: عشقِ رسول ﷺ، اتباعِ سنت

باب ہفتم ...... مسئلہ ختم نبوت سے والہانہ عقیدت اور فرقِ باطلہ کا تعاقب

باب ہشتم ...... دعوت وخطابت اور قید و بند کی صعوبتیں

باب نہم ...... ذوقِ شعروادب، ظرافت، حاضر جوابیاں اور چٹکلے

باب دہم ...... سفرآخرت، آخری ایام

باب یازدہم ...... خوانِ زعفران

عرض مؤلف

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة و السلام علیٰ خاتم الرسالة

ہر ملت کی قیمتی متاع وہ افراد ہوتے ہیں جو اپنے اخلاق، کردار، خدا پرستی اور مشن سے لگن کے باعث اعلیٰ انسانیت کا نمونہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ انسانیت کی شاہراہِ تاریخ پر روشن مینار ہوتے ہیں۔ لوگ ان کے کردار کی روشنی سے استفادہ کر کے اپنی زندگیوں کے راستوں کو روشن کرتے ہیں۔

مجھ گناہ گار نے اپنی زندگی میں اپنے اکابر میں جن کو اعلیٰ نمونے کے انسان پایا اور وہ دنیا سے گزر گئے اور اپنا نمونہ چھوڑ گئے تو احقر نے ان کی بشری کمزوریوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے (اس لیے کہ ان کے جاننے میں کسی کا بھلا نہیں ہے) ان کے کردار کے درخشاں پہلوؤں کو ان کی سوانحات میں ابواب میں تقسیم کر کے اختصاراً دلچسپ واقعات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ گل دستہ وہی ہوتا ہے جس میں پھول ہوں لوگوں کو کانٹوں کی نہیں پھولوں کی ضرورت ہوتی ہے ویسے بھی مسلمانوں کے فنِ سوانح نگاری میں انسانیت کے لیے سبق آموز اور کردار ساز مواد جمع

کرنے کی روایت زندہ ہے یورپ کی طرح حقیقت نگاری کے نام سے کردار کشی اور بد نما نمونے پیش کرنے کی روایت نہیں ہے۔اب تک جن علماء کے سوانحات لکھے ہیں ان کو انسانیت کا بہترین نمونہ پایا ہے جو دوسرے بنی نوع انسان کے لیے بہترین مثال بن سکتے ہیں۔

احقر نے اپنے اکابر علماء کی سوانح نگاری اس معنی میں نہیں کی ہے کہ ان کی پوری زندگی کے سارے گوشے بیان کرنا مقصود ہو بلکہ یہ وہ سوانحی خاکے ہیں جن میں ان کے کردار کی تابنا کی کو درخشاں اور نمایاں کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔

اپنے اکابر علماء میں امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک معنیٰ میں میرے استاد بھی ہیں، میں نے ان کی وفات کے بعد ان سے استفادہ کیا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا میں نویں جماعت میں گورنمنٹ ہائی سکول درابن کلاں ڈیرہ اسماعیل خان میں زیر تعلیم تھا۔تعلیم کے لیے میری مسافرت کا آغازِ کار یہیں سے ہوا،سکول کے ہاسٹل میں دو سال قیام رہا یہیں پر مجھے اپنے سکول کے استاد حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالحلیم صاحب فاضل دیوبند سکنہ چودہوان ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کی رفاقت، صحبت، خدمت، اور ان کے الطاف و عنایات سے حصۂ وافر حاصل ہوتا رہا۔مرحوم نے عوام الناس کے افادہ واصلاح کے لیے بازار میں ایک دینی کتب کی لائبریری قائم فرمائی جہاں ہر وقت لوگوں کا ہجوم رہتا اور لوگ کتب دیکھنے سے استفادہ کرتے مرحوم نے چاروں طرف سے کتابیں سجا رکھی تھی۔ان میں مرزا جانباز کی ''حیات امیر شریعت'' سب سے نمایاں تھی جس میں امیر شریعتؒ کی خوبصورت تصویر بھی لگی ہوئی تھی میں شاہ جیؒ کی تصویر دیکھ کر ان کو دل

دے بیٹھا اور فیصلہ کرلیا کہ جس طرح بھی بن پڑے شاہ جیؒ کی تصویر پھاڑ کر چرالی ہے۔ ایک روز جب لائبریری میں حاضرین کی تعداد کم تھی لائبریرین بھی غائب تھا تو میں نے موقع غنیمت سمجھا اور تصویر کو پھاڑنے اور جیب میں چھپانے کی غرض سے آگے بڑھا اب اگر تصویر پھاڑتا ہوں تو کاغذ کے چرچرانے کی آواز حاضرین کے کانوں میں جاسکتی ہے اور وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی چیز پھاڑی جارہی ہے لہٰذا بجائے کاغذ پھاڑنے کے پوری کتاب چُرالی اور سکول میں اس کا مطالعہ شروع کردیا طلبہ دسویں جماعت کے امتحانات کی تیاری کررہے تھے اور میں ''حیات امیر شریعتؒ'' کے مطالعہ میں مگن رہ کر اپنے مستقبل کو نورِ علم کی روشنی مہیا کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔ بالآخر کتاب ''حیات امیر شریعتؒ'' نے حضرت امیر شریعتؒ کے راستے پر لگادیا کتاب پوری پڑھ لی بار بار پڑھی جملے، الفاظ، تراکیب اور اشعار، مجھے ازبر ہوگئے اس وقت فیصلہ کرلیا کہ اب امیر شریعتؒ بننا ہے اور اسی راستے پر چلنا ہے جس پر حضرت امیر شریعتؒ چلتے رہے میٹرک پاس کیا تو مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی میں داخلہ لے لیا۔

مادرِ علمی نجم المدارس، بزرگ اساتذہ قاضی برادران شیخ التفسیر حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب فاضل دیوبند، بزرگ عالم دین حضرت مولانا قاضی عبداللطیف صاحب مدظلہٗ اور اسی کتاب ''حیاتِ امیر شریعتؒ'' کی برکت تھی کہ احقر نے اپنے گھر چودھوان کے ایک چھوٹے سے کمرہ میں اپنی طالب علمانہ سطح کے مطابق چھوٹا سا کتب خانہ سجا رکھا تھا۔ میری طالب علمی کے تیسرے سال استاذی المکرم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہٗ (فاضل دیوبند) جب ہمارے علاقہ کے تبلیغی دورے پر تشریف لائے، تو صبح کا ناشتہ اسی کتب خانہ والے کمرے میں میرے ساتھ کیا۔ کتب

خانے میں کتاب ''حیاتِ امیر شریعتؒ'' کو پسند فرمایا اور سفر میں مطالعاتی زادِراہ کے طور پر ساتھ لے لیا۔ پانچ چھ ماہ تک میری یہی کتاب ان کے مطالعہ میں رہی۔ اس کے بعد کتاب مجھے واپس مل گئی، جو آج تک میرے پاس محفوظ ہے، حضرت قاضی صاحب نے سفر سے واپسی پر میرے استاذ حضرت مولانا محمد زمان صاحب مدظلہٗ (صاحب المصنفات فی الحدیث) سے فرمایا:

''عبدالقیوم کا خیال رکھنا' علمی، مطالعاتی اور کتابی ذوق عمدہ ہے، ضائع نہ ہو جائے''۔

مورخہ ۱۹؍اپریل ۲۰۰۰ء جب حضرت امیر شریعتؒ کے جانشین اور ان کے علوم و معارف اور مشن کے امین مولانا سید عطاء المہیمن مدظلہٗ جامعہ ابوہریرہ تشریف لائے۔ جامع مسجد عمار میں اجتماعِ عظیم سے خطاب فرمایا۔ تو ان سے قبل میں نے اپنے بیان میں ''حیاتِ امیر شریعتؒ'' کا وہی نسخہ ہاتھ میں لے کر سامعین کو تمام پسِ منظر سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ:

''بعض اوقات شر میں خیر ہوتا ہے۔ یہ کتاب میں نے چوری کر لی تھی، علمی، کتابی اور مطالعاتی حد تک حضرت امیر شریعتؒ کو اپنا استاذ بنا لیا۔ وہی میری آئیڈیل شخصیت قرار پائے۔ حضرت امیر شریعتؒ سے میری محبت' عشق اور والہانہ قلبی تعلق کا اللہ نے مجھے یہ ثمرہ دیا ہے کہ آج ان کے صاحبزادے اور میرے مخدوم زادے حضرت مولانا سید عطاء المہیمن شاہ بخاری مدظلہم میرے مہمان ہیں''۔

چار سال بعد جب کتاب چرانے کی غلطی اور گناہ کا احساس ہوا تو حضرات

اساتذہ کے مشورہ کے مطابق اس کا ازالہ کر دیا۔ حضرت امیر شریعتؒ گویا میرے استاد ہیں اور میں نے ان کی رحلت کے بعد اُن سے استفادہ کیا ہے وہی استفادہ آج ان کی سوانح کی ترتیب میں ڈھل رہا ہے۔

ماہنامہ نقیب ختم نبوت کی خصوصی اشاعت ''امیر شریعت نمبر'' (دو جلد) اس موضوع پر جامع، مکمل اور ایک عظیم تاریخی دستاویز ہے' مگر ضخامت کے پیشِ نظر کم فرصت لوگوں کے لئے اس سے استفادہ آسان نہیں۔ احقر نے اپنی اس کتاب کی تالیف میں اس سے بھر پور استفادہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ ماہنامہ نقیب ختم نبوت' شورش کاشمیریؒ' مرزا جانباز' امین گیلانی' ابوذر ابومعاویہ اور غازی خان کابلی کی کتابیں میرا ماخذ رہی ہیں۔

کسی شخصیت کی کامیابی کا یہ پیمانہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے تمام مخالفین پر غالب آ گئی ہو، وہ اپنے نظریے کے نفاذ وعموم اور ترویج میں کامیاب ہوگئی ہو اور اس نے یکسر ایک انقلاب پیدا کر دیا ہو ...... کسی شخص کی بڑائی ہمیں اس کے فکر ورائے کی صحت میں، عمل و سعی کی راہ میں' اخلاص وایثار میں' اس کی سیرت کی عزیمت واستقامت میں اور حق کی راہ میں کچھ پالینے کے بجائے سب کچھ لٹا دینے کے ذوق میں تلاش کرنی چاہئے۔ حضرت امیر شریعتؒ کی سیرت اس کا علمی مرقع ہے جسے ہم اپنے قارئین کی خدمت میں لائحۂ عمل' روشنی کا چراغ اور نورِ ہدایت کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

عبدالقیوم حقانی

صدر القاسم اکیڈمی' جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ / ۲۷ فروری ۲۰۱۰ء

جانباز مرزا

تیرے قدموں میں رہا تاجِ فرنگی کا وقار

تیری آواز سے ہے زلزلہ کہساروں میں
تیری آواز سے ہے حشر جہانداروں میں

تو نے آباد کیے سینکڑوں ایماں کے دیار
تیرے قدموں میں رہا تاجِ فرنگی کا وقار

تو نے دیکھا تو زمانے کی نگاہیں بدلیں
اک قدم تیرا اُٹھا، کفر نے راہیں بدلیں

تیرا اندازِ خطابت ہے پیمبر کا سنگھار
تجھ سے وابستہ رہا ختم نبوت کا وقار

تیری اک ضرب سے زنجیرِ کہن ٹوٹ گئی
عہد افرنگ کی ہر شاخ چمن ٹوٹ گئی

شاہِ گفتار ہے تو صاحبِ کردار ہے تو
وقت اک قافلہ ہے، قافلہ سالار ہے تو

جب بھی ٹکرایا کبھی کفر کے ایوانوں سے
ہاتھ اُلجھے ترے شاہوں کے گریبانوں سے

تیری تقریر سے تقدیر بدل جاتی تھی
آئینہ لاکھ ہو تصویر بدل جاتی تھی

پھر سے منصور کا اندازِ سخن پائیں گے
تیرے نغمات کبھی دار و رسن گائیں گے

گرچہ فرعون رہے تیرے خریداروں میں
تو خریدا نہ گیا مصر کے بازاروں میں

تجھ سے تاریخ کے عنوان بدل جائیں گے
تو نہ ہوگا تو مسلمان بدل جائیں گے

وقت دُہرائے گا اس دور کے افسانے کو
عقل خود چاہے گی جانبازؔ سے دیوانے کو



باب اول

خاندانی پس منظر، ولادت، تذکرۂ والدین، اور تعلیم و تربیت

شورش کاشمیری مرحوم نے مولانا ابوالکلام آزادؒ سے ان کی سوانح حیات، خاندانی پس منظر اور اس موضوع سے متعلق بعض سوالات کئے تو مولانا آزادؒ نے فرمایا :

''ایک زمانے میں سوانح نگاری بعض خاص چیزوں کا نام تھا۔ تب شخصی حالات اور ان کے متعلقات کو اہمیت حاصل تھی۔ اب وہ نقطہ نگاہ نہیں رہا۔ آخر اس میں رکھا ہی کیا ہے کہ شرف و مجد کی وہ چیزیں تلاش کی جائیں کہ جس شخصیت کا تذکرہ مقصود ہو وہ ان بیساکھیوں پر چلے یا بعض بڑے ستونوں سے نسبت دیکر اس کی فضیلت قائم کی جائے۔ اصل چیز علم و عمل کے آثار و مظاہر ہیں۔ ابوجہل قریش کے رؤساء میں سے تھا اور مکی تھا لیکن بلالؓ حبش کا ایک کالا کلوٹا غلام تھا۔ پھر تاریخ کا فیصلہ موجود ہے کہ شرف کس کو حاصل ہوا؟۔ اور

خاسر کون رہا؟ اگر معیارِ عزت زمین، جائیداد، بینک بیلنس یا خاندان وقبیلہ ہوتا تو ابوجہل کے بدن پر قبائے فضیلت ہوتی لیکن تاریخ کی تراز ومختلف ہے نتیجۃً حضرت بلالؓ کے سر پر کلاہِ افتخار ہے اور ابوجہل کے سر پر دھول اڑ رہی ہے"۔ (ابوالکلام آزاد ص ۳۳)

امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیرنے والی 'لعنت' برادری ازم اور اپنے آباؤاجداد پر بے جافخر ومباہات کرنا ہے خود حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا عمل شاہد ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو قبیلہ پسندی سے بلند رکھا۔ آج ہم ہیں کہ کئی ٹکڑوں میں بٹ چکے ہیں ......ع

حیرت نہ کر بدن کو میرے چور چور دیکھ کر
ان رفعتوں کو دیکھ جہاں سے گرا تھا میں

آج دولت، بینک بیلنس، جائیداد، کار، کوٹھی اور کارخانے شرافت وعزت کا معیار بن چکے ہیں۔ دولت آتے ہی حسب ونسب بدل جاتے ہیں۔ غربت کے وقت حقیقی باپ دادا کا نام لیا جاتا ہے اور مال ودولت کے آتے ہی شیخ سے مغل، مغل سے پٹھان، پٹھان سے سید بن جانا عام روٹین ہے اکبرالہ آبادی مرحوم نے آج سے ساٹھ ستر سال قبل فرمایا ....ع

طے کرو صاحب! نسب نامہ وہ وقت آیا ہے اب
بے اثر ہوگی شرافت، مال دیکھا جائے گا

خاندانی پس منظر :

امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے۔ سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہ جیؒ کا سلسلہ نسب اُنتالیس ویں (۳۹) پشت میں

حضرت امام حسنؓ سے ملتا ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ سید عبدالغفار بخاریؒ بخارا سے کشمیر آئے۔ سید عبدالغفار امام حسنؓ کی چوبیسویں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تیرہویں پشت سے تھے۔ شاہ جیؒ ننھیال کی طرف سے بھی سید تھے۔ شاہ جیؒ کی والدہ سیدہ فاطمہؒ بی بی حکیم سید احمدؒ کی صاحبزادی تھیں۔

امیر شریعتؒ عین اسلامی اصولوں کے مطابق کبھی بھی نسلی برتری، بے جا فخر ومباہات اور قوم ونسب پر فخر کرنے کے خبط میں مبتلا نہیں ہوئے۔ البتہ اپنے سید ہونے کا جائز فخر تھا۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخرَ۔

میں اولاد آدم کا سردار بنایا گیا ہوں لیکن اس پر فخر نہیں کرتا۔

احساسِ شرف :

امیر شریعتؒ ایک دن دہلی دروازہ کے باغ میں مدحِ صحابہؓ پر تقریر کر رہے تھے، کسی نے اعتراض کیا شاہ جی! غضب کرتے ہو سید ہو کے ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ کی مدح؟

شاہ جیؒ جذب میں آگئے اور اپنے گھنگریالے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ تم کون ہو مجھے ٹوکنے والے، جاؤ؟ میں علی کا بیٹا، ابوبکر وعمر وعثمان رضوان اللہ علیھم اجمعین کی مدح کرتا ہوں۔ یہ علیؓ کا بیٹا ہی جانتا ہے کہ ان کا رتبہ کیا ہے۔ ایرے غیرے کیا جانیں کہ شیخینؓ کا مقام کیا ہے۔

جگر شق ہو جائے گا :

شورش کاشمیری بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ میں نے عرض کیا شاہ جی! سانحہ کربلا پر تقریر فرمایئے۔ کہنے لگے اس موضوع پر تقریر نہیں کر سکتا میرے خاندان پر جو بیتی ہے بیان کروں تو خود میرا جگر شق ہو جائے گا۔ عام تقریروں میں جب بھی اس

حادثہ کا ذکر کرتے تو ایک آدھ روایت ہی سے لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں۔

(سوانح وافکار ص ۵۴)

رشد وہدایت کا محور :

جانباز مرزا رقم طراز ہیں۔ تاریخ جن لوگوں کو اپنی تکمیل کے لیے منتخب کرتی ہے لازم نہیں کہ ان کی نسبت کسی اونچے اور اعلیٰ خاندان سے ہو۔ بلکہ ماضی بعید میں جن لوگوں نے تاریخ کے صفحات پر اپنے اَن مٹ نقش چھوڑے ان کے آباؤ اجداد کو وقت کے حاکمانہ وقار نے کبھی نظرِ التفات سے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔ لیکن جھونپڑیوں میں پرورش پانے والوں نے جب محلات پر کمندیں ڈالیں تو شاہی تاج ان کے قدم چومنے لگا۔ اور فرمان روائی ان کی عبائیں اٹھائے پھری۔ سید عطاء اللہ بخاریؒ نے ایک ایسے گھرانے میں جنم لیا جو روحانی دنیا میں رشد وہدایت کا صدیوں سے محور رہا۔ (حیات امیر شریعت ۲۳)

سید ضیاء الدینؒ :

امیر شریعتؒ کے والد کا نام سید ضیاء الدین شاہؒ تھا۔ تجارت پیشہ تھے۔ اور اپنے چچا حافظ حیدر شاہ بخاریؒ کے ساتھ پشمینے کی سوداگری کرنے اپنے گاؤں ناگڑیاں ضلع گجرات سے بہار کے مشہور شہر پٹنہ میں اکثر جایا کرتے تھے۔

ایک ہی رکعت میں سارا قرآن کریم سنا دیا :

جانباز مرزا لکھتے ہیں : امیر شریعتؒ کے والد محترم حافظ ضیاء الدینؒ حافظِ قرآن تھے۔ انہیں قرآن کریم پڑھنے اور سنانے کا اس قدر شوق تھا کہ ایک دفعہ محلّہ

چوک بازار پٹنہ میں ملک عنبر کی مسجد میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں شبینہ کے روز نماز عشاء کے وقت پتہ چلا کہ آج تین حافظ باہم مل کر قرآن کریم ختم کریں گے تو غصہ میں کہا۔ یہ کیا حرکت ہے؟ ایک ہی آدمی کو قرآن کریم ختم کرنا چاہیے۔ اس پر دوسرے حافظ نے طنزاً کہا تو پھر یہ کام آپ ہی کریں۔ بہت اچھا۔ یہ کہہ کر مسجد سے چلے آئے۔ گھر آئے تو چہرے پر تغیر کے آثار دیکھ کر سید حیدر شاہؒ نے فرمایا کیا بات ہے حافظ جی؟ کچھ کھوئے کھوئے سے دکھائی دیتے ہو۔ اس پر مسجد کا سارا واقعہ کہہ دیا۔ حیدر شاہؒ نے فرمایا اس میں پریشانی کی کیا بات ہے اللہ کا نام لیکر شروع کر دینا۔ چنانچہ رات کو جب قرآن کریم پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو پہلی رکعت میں چھبیس پارے ختم کر دیئے۔ اس طرح ایک دفعہ ایک رات میں ایک ہی رکعت میں سارا قرآن کریم سنا دیا تھا۔ (حیات امیر شریعت ص ۲۷)

حضرت شاہ صاحبؒ کے والد حافظ ضیاء الدین ۱۹۴۹ء میں فوت ہوئے، جب شاہ جیؒ کو اپنے والد محترم کے انتقال کی خبر پہنچی تو ایک سرد آہ بھری، انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا:

"واہ رے عطاء اللہ! اب تمہیں عطاء اللہ کہہ کر بلانے والا کوئی نہیں، سب امیر شریعت اور شاہ جی کہنے والے رہ گئے۔ وہ میرے باپ بھی تھے، استاذ بھی تھے اور یار بھی تھے"۔ (سیدی وابی ص ۵۲)

والدہ محترمہ:

امیر شریعت کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بی بیؒ تھا جو پٹنہ کے دین دار صاحب فکر حکیم سید احمدؒ کی صاحبزادی تھیں۔

سوتیلی ماں کا احترام :

اُم کفیل بخاری رقمطراز ہیں کہ :

''اباجی (امیر شریعتؒ) نے حقیقی ماں تو گویا دیکھی ہی نہیں، داداجی نے دوسرا نکاح اس وقت کیا جب اباجی کی عمر نو' دس سال کے درمیان تھی، اباجی نے سوتیلی والدہ کا ادب بھی ویسے کیا جیسا اپنی حقیقی والدہ زندہ ہوتیں تو کرتے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اباجی کو سوتیلی ماں کے پاؤں اپنے چہرے پر ملتے دیکھا ہے''۔

(سیدی وابی' ص:۵۱)

ولادت :

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ یکم ربیع الاول ۱۳۱۰ھ بمطابق ۱۸۹۱ء پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ کی عمر چار سال ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ فوت ہو گئیں یوں بچپن ہی میں امیر شریعتؒ ماں کی شفقتوں سے محروم ہو گئے۔

بچپن :

شاہ جیؒ اپنے بچپن کے متعلق خود فرمایا کرتے تھے کہ مجھے بچپن میں پتنگ اڑانے کا بہت شوق تھا۔ قرآن کریم اور دوسری تعلیم سے ذرا فرصت ملتی اور والد صاحب کہیں کام کے لیے گھر سے نکلے تو ماموں کو ساتھ لیا اور جھٹ سے چھت پر جا چڑھے پتنگ کا شغل شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ آمنے سامنے پیچ لڑ رہے ہیں۔ دونوں طرف سے ڈور ہلائی جا رہی ہے کہ اتنے میں والد صاحب تشریف لائے بس پھر کیا تھا

دہیں ہاتھ سے ڈور توڑ کر نیچے بھاگ آئے۔ اب ایک طرف پتنگ کٹی جا رہی ہے اور دوسری طرف مدِ مقابل شکست کی آوازیں لگا رہے ہیں مگر ہو بھی کیا سکتا تھا۔ آنکھیں پتنگ کی طرف، کان دشمنوں کی آوازوں پر اور دل میں خوف کہ کہیں ابا نے دیکھ پایا اور اگر پتہ چل گیا تو پھر جو پٹائی ہوگی وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

پیار و محبت کا حصار :

جانباز مرزا فرماتے ہیں :

''والدہ کی موت کے بعد شاہ جیؒ کو ماں کا پیار اور ان کی ذمہ داریاں صرف والد کے پیار میں تلاش کرنی پڑیں۔ چنانچہ باپ نے فرزند کے گرد پیار و محبت کا ایک ایسا حصار تعمیر کیا جس میں علم دین کی تکمیل ہو سکے۔ یہ وہ دور تھا کہ اس میں انگریزی تعلیم مذہب سے لگاؤ رکھنے والے لوگوں کے نزدیک اخلاقی طور پر جرم سمجھی جاتی تھی۔ نیز شرفا کے ہاں بچوں کی ابتدائی تعلیم گھروں میں تکمیل پاتی تھی۔ چونکہ عربی اور فارسی خود شاہ جیؒ کے اپنے گھر کی تعلیم تھی۔ نانا اور نانی معلم بنے، باپ نے نگرانی کی اور پھر شاد کی ادبی محفلوں نے اس سونے کے نکھار میں سہاگے کا کام کیا۔ والد صاحب کا شوق تھا کہ بیٹا ان کی طرح حافظِ قرآن ہو، چنانچہ کاروبار کے علاوہ وقت کا اکثر حصہ شاہ جیؒ کو قرآن پڑھانے میں صرف کرتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ جیؒ کو قرآن سے عشق ہو گیا اور ہر وقت کتاب اللہ کو سینے سے لگائے رکھتے۔ شاہ جیؒ کو کتاب اللہ وراثت میں ملی تھی۔ ننہال کا گھرانا بھی

دین مبین سے نا آشنا نہیں تھا۔ والدہ محترمہ قرآن کی حافظہ، والد صاحب کا سینہ بھی اس خزینے سے مالا مال تو پھر بیٹا اس دولت سے کیوں کرتہی دامن رہ سکتا تھا۔ دو سال میں قرآن کریم ازبر کرلیا۔ خود شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ ''میں اکثر ظہر اور عصر کے درمیان قرآن کریم ختم کرلیا کرتا تھا''۔ (حیات امیر شریعت ص ۳۱)

تعلیم وتربیت :

شورش کاشمیری رقم طراز ہیں۔ خواجہ باقی باللہ علوم متداولہ حاصل کررہے تھے کہ ایک مجذوب صدا دیتا ہوا گزرا ....

در کنز و ہدایہ نتواں دید خدارا
آئینہ دل بین کہ کتابے بہ ازیں نیست

(ہدایہ اور کنز کی کتب میں خدا کا دیدار حاصل نہیں ہوتا دل کے آئینہ کو دیکھو کہ اس سے کوئی دوسری بہتر کتاب نہیں) خواجہ باقی باللہ نے کتابوں کو طاق پر رکھا اور کتابِ دل سے معاملہ کرلیا حضرت امیر شریعتؒ بھی کسی باقاعدہ مدرسے کے طالب علم نہ تھے۔ اور نہ علوم متداولہ کے سند یافتہ تھے لیکن آئینہ دل بین کہ کتابے بہ ازیں نیست'' سے حصہ وافر پایا تھا۔ شاہ جیؒ ان لوگوں میں سے تھے جو مادرزاد عبقری ہوتے اور جن کی تربیت مبدأ فیاض کرتا ہے۔ اس ضمن میں چند باتیں واضح ہیں مثلاً:

(۱) ان کی والدہ جب رحلت کرگئیں تو ان کی عمر چار سال تھی نانی اماں نے آغوش میں لے لیا۔ ان حالات میں وہ بہ ہمہ وجوہ مدرسہ کی تعلیم سے محروم ہوگئے۔

(۲) انگریزی مدرسوں میں ان کے داخلہ کا سوال ہی نہ تھا۔ کیونکہ جس خاندان

سے متعلق تھے وہاں انگریزی مدرسوں میں داخلہ خارج از بحث تھا۔

(۳) اس زمانہ میں ایک خاص عمر تک شرفاء کے بچے گھروں ہی میں تعلیم حاصل کرتے اور بڑی بوڑھیوں سے زبان ومحاورہ سیکھتے تھے۔

شاہ جیؒ کی بیٹی صادقہ بانو نے لکھا ہے کہ ابا جیؒ نے فارسی کتابیں ننھیال ہی میں پڑھیں۔ خواجہ عنبر کی مسجد میں ایک مولوی صاحب سے دینی کتابیں پڑھیں۔ پنجاب آ گئے تو گھر سے نزدیک موضع راجووالی میں قاضی عطا محمدؒ کے ہاں پڑھنے جاتے رہے ۱۹۱۴ء میں امرتسر کی سکونت اختیار کی تو وہاں حضرت مولانا نور احمدؒ سے تفسیرِ قرآن پڑھی۔ امرتسر میں مدرسہ نعمانیہ مسجد خیر الدین میں مشکوٰۃ شریف پڑھتے رہے۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمیؒ سے فقہ اور حضرت مفتی محمد حسنؒ سے حدیث (مسلم شریف) پڑھتے رہے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمان مکیؒ سے بھی استفادہ کیا۔ قرآن پاک دادا جی (حافظ ضیاء الدینؒ) سے حفظ کیا۔ دادا مرحوم دو یا تین بجے شب جگا دیتے۔ دو پارے منزل سنتے اور سُلا دیتے۔ پھر نماز فجر کے لیے اٹھاتے۔ نماز پڑھ لیتے تو پھر سبق ہوتا۔ (سوانح وافکار ص ۴۴)

تسلا ناراً حامیہ :

جناب امین گیلانی رقمطراز ہیں کہ حکیم غلام نبی صاحب نے مجھے یہ واقعہ سُناتے ہوئے فرمایا کہ : ''میں اور شاہ صاحبؒ دونوں ہم سبق تھے اور حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے پڑھتے تھے۔ سردیوں کا موسم تھا، ایک روز غضب کی سردی پڑ رہی تھی۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا: غلام نبی! دیکھو وہ کونے میں تسلا آگ کا [illegible] پڑا ہے لے جاؤ اور ہمارے گھر جا کر استانی صاحبہ سے کہہ دو کہ انگارے [illegible]

آج بہت سردی ہے، کمرہ گرم کرلیں۔ میں نے جھٹ وہ تسلا اٹھایا، گھر گیا، دہکتے ہوئے کوئلے بھروالیئے اور تسلا کناروں سے پکڑ کر اُٹھایا، کلاس کی طرف بھاگا مگر عین کلاس کے آگے پہنچ کر میرے ہاتھ اتنے جلے کہ میں نے ایک چیخ مار کر تسلا زمین پر رکھ دیا۔ میری چیخ سن کر سب میری طرف متوجہ ہوگئے۔ حضرت مفتی صاحب نے دیکھا، میں تکلیف سے ہاتھ مَل مَل کر پہلو بدل رہا تھا، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قوی ہیکل بھی تھے اور جی دار بھی، فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور تسلا اُٹھایا ہی تھا کہ وہ مزید تپ چکا تھا، انہوں نے اُٹھا تو لیا جب ہاتھ جلے تو فوراً زور سے آگے کی طرف پھینک دیا اور بلند آواز سے کہا تسلا ناراً حامیہ تسلا پھینکنے سے وہ سارے دہکتے ہوئے کوئلے بکھر گئے، یہ منظر دیکھ کر ساری کلاس ہنس پڑی، حتیٰ کہ مفتی صاحب بھی تسلا ناراً حامیہ کا برجستہ جملہ سن کر مسکرا دیے۔ (بخاری کی باتیں، ص:۱۲۵)

اندازِ تربیت :

شاہ جیؒ کی بیٹی اُم کفیل بخاری راویہ ہے کہ اباجیؒ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ :

''ایک دن مولانا نور احمد پسروریؒ سے سبق پڑھ کر اقامت گاہ کو جارہے تھے، راستے میں ریڑھی پر سنگترے بِک رہے تھے، چند سنگترے خریدے، چھیل کر ایک پھانک (قاش، ڈلی) منہ میں ڈالی، دوسری ہاتھ میں تھی کہ پیچھے سے کسی نے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا حافظ جی! بازار میں کھڑے ہو کر کھانے والے کی گواہی شریعت میں معتبر نہیں (وہ استاذ حضرت مولانا نور احمدؒ تھے) وہ پھانک گلے میں پھنستی محسوس ہوئی، پھر بازار میں کھڑے ہو کر کبھی نہیں کھایا۔ (سیدی وابی، ص:۵۳)

باب دوم

شخصیت وکردار، عادات واطوار، فقرودرویشی
مصائب ومشکلات اور عفوودرگزر

ایک نامعلوم اندھیرے کی طرف سے ایک معلوم روشنی کی طرف انسان آتا ہے اور پھر ایک نامعلوم اندھیرے کی طرف آگے بڑھ جاتا ہے، درمیان میں ایک معلوم روشن گزرگاہ ہے جسے ہم دنیا کہتے ہیں، اسے بھی سورج کی روشنی میسر ہے۔ بس اسی روشنی کی مدد سے اس گزرگاہ پر چلنے والے راہی ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، جب یہ لوگ سورج سے اوجھل ہوکر تہہِ خاک چلے جاتے ہیں تو چند دنوں بعد کسی کو یاد بھی نہیں رہتا کہ اس زمین کی اوپر کی سطح پر کبھی کوئی شخص رہتا تھا یا نہیں۔ لیکن جو لوگ سورج کی روشنی کے علاوہ اپنی شخصیت وکردار اور عادات واطوار کے اُجالے میں بھی پہچانے جاتے ہیں وہ اگر سورج کی روشنی سے اوجھل بھی ہوجائیں تو بھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتے ان کے سیرت وکردار اور عادات واطوار کا اجالا اتنا دلنشیں ہوتا ہے کہ آنکھ کی پتلی چاہے ان کو نہ دیکھے لیکن دل کی فضا میں وہ مدتوں تک آباد رہتے ہیں۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے زمانے کی تختی پر اپنا نام اپنے کردار کے قلم سے کندہ کر دیا۔

ذیل میں حضرت امیر شریعتؒ کی شخصیت و کردار، سادگی، فقر و درویشی، صبر و تحمل اور عفو و درگزر کے واقعات درج کر کے ان کی شخصیت کی عکاسی کی گئی ہے۔

چہرے کا تقدس :

گوجرانوالہ کے معروف کارکن غلام نبی صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ۱۹۵۳ء میں ختم نبوت کی تحریک میں شاہ جیؒ کے ساتھ میں بھی کراچی میں تھا۔ وہاں ایک انگریز افسر بھی اسیری کے دن گزار رہا تھا، وہ انگریز جب شاہ جیؒ کو دیکھتا تو اردو میں کہتا، باپ سلام، ایک روز شاہ جیؒ نے پوچھا، تم مجھے باپ کیوں کہتے ہو؟ اس نے کہا آپ کے چہرے کا تقدس دیکھ کر حضرت مسیح یاد آ جاتے ہیں۔ اس مناسبت سے باپ کہنا پسند کرتا ہوں۔ شاہ جیؒ نے مصنوعی برہمی کے انداز میں کہا، یہ بات ہے تو آئندہ مجھے باپ مت کہنا۔ وہ انگریز کچھ شرمندہ اور سراسیمہ سا ہو کر بڑے ادب سے بولا: کیوں باپ؟ شاہ جی نے کہا پھر وہی باپ؟ ایک باپ کو تو پہلے سولی پر لٹکا دیا۔ اب مجھے باپ باپ کہہ کر سولی پر لٹکانے کا خیال ہے، وہ انگریز مسکرایا اور کہا: باپ ! میں اس باپ کو سولی پر لٹکانے والوں میں سے نہیں۔ (بخاری کی باتیں ص: ۱۴۲)

لباس :

اوائل جوانی میں جب آپ بہار سے پنجاب آئے تو تنگ موری کی بہاری طرز کا شرعی شلوار، گھٹنوں تک گول آستین کا لمبا کرتہ، سبز رنگ کی پگڑی اور پاؤں میں

سرخ بہاری قسم کی جوتی پہن رکھی تھی، پھر جیسے جیسے پنجابی طرزِ تمدن قبول کرتے گئے لباس میں تبدیلی آتی گئی، اسی طرح کبھی تہبند اور کبھی کھدر کی شلوار پہنتے۔ طالب علمی کے زمانے میں سر پر لنگی اور کھدر کے نیلے رنگ کا تہبند عام استعمال کرتے تھے۔ آگے چل کر کھلی آستین کا کھدر کا لمبا کرتہ پہنتے تھے۔ اس نسبت سے اس زمانے کا کھدر اس قدر مقبول ہوا کہ بخاری کھدر کے نام سے مشہور ہوگیا۔ موسم سرما میں کھدر کا لمبا شیروانی نما کوٹ اس پر کبھی کبھار کابلی گرم عبا پہنتے، سر پر اتاترک طرز کی ٹوپی پہنتے۔

احرار کانفرنسوں میں شمولیت کے وقت سیاہی مائل سرخ رنگ کا کرتہ پہنتے جو احرار رضا کاروں کا امتیازی نشان تھا۔

ٹوپی نہیں پہنوں گا :

ایک زمانہ میں ٹوپی پہننا چھوڑ دی۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا پہلی دفعہ جیل گیا تو جیلر نے ہاتھ بڑھا کر ٹوپی اتارنا چاہی میں نے اس کا ہاتھ روک لیا اور خود ٹوپی اتار کے اس کے حوالے کر دی تب سے فیصلہ کیا ہے کہ ٹوپی نہیں پہنوں گا۔ بس یہ چوگوشہ رومال سر پر رکھتا ہوں۔

بھائی حضور ﷺ کا لباس ہے :

شورش کاشمیری بیان کرتے ہیں :

میں نے عرض کیا : شاہ جی ! آپ تو کرتے کے ساتھ شلوار پہنا کرتے تھے لیکن کچھ دنوں سے آپ نے تہبند پہننا شروع کر رکھا ہے فوراً ہی بات کاٹ لی فرمایا بھائی حضور ﷺ کا لباس ہے۔ میاں (ﷺ) پہنتے تھے۔ (سوانح و افکار ص ۱۹)

بخاری ڈنڈے والا :

شاہ جی ! ابتداء (۱۹۲۱ء) میں ہاتھ میں موٹا ڈنڈا رکھتے تھے، اس نسبت سے ایک عرصے تک عوام میں ''بخاری ڈنڈے والا'' مشہور رہے، لیکن جب چودھری افضل حق نے پنجاب اسمبلی سے مسلمانوں کے لئے تلوار رکھنے کا عام قانون منظور کرایا تو امیر شریعتؒ نے ڈنڈے کی بجائے تلوار پکڑ لی۔ ۱۹۳۷ء میں جب مجلس احرار نے اپنے رضا کاروں کے لئے کلہاڑی کو اپنا جماعتی نشان قرار دیا تو دمِ واپسیں سے کچھ عرصہ پیشتر تک ہاتھ میں کلہاڑی رکھتے رہے۔ زندگی کے آخری دنوں میں بید کا کھونٹا بطورِ سہارا رکھے رہے۔

بابا پھر آ گئے :

شاہ جیؒ نے ایک دن فرمایا: میں ایک دفعہ علی الصبح ڈیرہ اڈا جہاں ڈیرہ غازی خان کی بسیں چلتی ہیں پہنچا، ٹکٹ کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالے تو بٹوہ موجود نہ تھا۔ خیال آیا، بٹوہ تو میں چارپائی پر بھول آیا ہوں۔ بس تیار کھڑی تھی، اچانک میری نظر ایک پان والے پر پڑی، وہ دکان کھول کر صفائی وغیرہ میں مصروف تھا، ان دنوں میرے ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا ہوتا تھا، میں لپک کر اس کی دُکان پر پہنچا اور اپنا ڈنڈا اس زور سے زمین پر مارا کہ وہ لرز گیا اور میری طرف دیکھا، میں نے جلالی روپ بنا کر رعب سے کہا جلدی نکالو دس روپے وہ بے چارا ایسا خوف زدہ ہوا کہ بغیر چوں وچرا کے دس روپے نکال کر مجھے دے دیے۔ میں جلدی سے گیا اور ٹکٹ خرید کر بس میں جا بیٹھا۔ دوسرے دن جب میں ڈیرہ سے واپس اسی اڈے پر پہنچا تو میں نے دس روپے جیب سے نکالے اور پان والے کو دینے کے لئے دُکان کے قریب پہنچا تو وہاں

کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، پان والے نے سہمے ہوئے انداز میں ان سے کہا، اوہو، لو وہ بابا پھر آ گیا، ان لوگوں میں سے کچھ نے مجھے پہچان لیا اور ملنے کے لئے آگے بڑھے، میں نے ان سب کو اصل واقعہ بتایا، سب ہنس پڑے۔ اب وہ پان والا دس روپے واپس نہیں لیتا تھا، میں نے اُسے سمجھایا کہ بیٹا میں نے اُدھار کی نیت سے لیے تھے اور اس وقت میں نے مجبوری سے یہ ڈرامہ رچایا تھا، پھر اس نے روپے واپس لے لئے۔

(بخاری کی باتیں ص ۱۶۱)

خوراک :

گھر ہوتے عموماً چنے کی دال کو دوسرے کھانوں پر ترجیح دیتے، سفر کے دوران خوراک میزبان کی مرضی پر چھوڑ دیتے، سفارش پر کبھی کھانا نہیں پکوایا۔ سادے چاول زیادہ مرغوب تھے، لیکن دردِ گردہ کے باعث بہت کم استعمال کرتے تھے، بعض دیہاتوں میں پیاز اور باسی روٹی نمکین لسّی کے ساتھ بھی پسند کرتے، لیکن جسم بلغمی ہونے کے باعث لسّی ان کے لئے نقصان دہ تھی، گائے کے گوشت سے ہمیشہ اجتناب رہا، مرغن غذاؤں سے نفرت نہیں تھی لیکن پسند نہیں کرتے تھے، میزبان کو اکثر اس پر ڈانٹ دیا کرتے تھے۔

جلسوں یا کانفرنسوں کے موقعہ پر صرف ایک کھانا پکانے کی تاکید کرتے۔

سبزیوں میں شلجم، سرسوں کا ساگ اور گھیا شوق سے کھاتے۔ میٹھی اشیاء خاص کر حلوہ مرغوب نہیں تھا، فرمایا کرتے، یہ مولویوں کے منہ پر سیمنٹ کا کام دیتا ہے یعنی حلوہ خور مولویوں کے منہ سے حق بات نہیں نکل سکتی۔

پھلوں میں آم سے زیادہ محبت تھی، اور خربوزہ بہت کم کھاتے تھے۔ امیر شریعتؒ

کی رائے میں خربوزہ کے بکثرت استعمال سے گلے پر برا اثر پڑتا ہے، جب کبھی آواز دب جاتی تو کچا امرود یا امرود کے پتے اُبال کر ان کا پانی استعمال کرتے۔

چائے کا سامان :

انسانی عادات قبر تک پیچھا نہیں چھوڑتیں۔ لیکن حضرت امیر شریعتؒ کو اپنی قوت ارادی (WILL POWER) کی وجہ سے اپنی عادات پر خاصا قابو تھا۔ لیکن عام عادات جو ان کی جزوِ زندگی بن چکی تھیں، ان کے ہاتھوں مجبور تھے۔ مثلاً جیل میں ہوں یا ریل میں، نمازِ صبح سے پیشتر چائے بغیر دودھ کے ضرور پیتے۔ چنانچہ چائے کا سامان (سٹوو، مٹی کا تیل، بہترین چائے کی پتی، چینی، نمک، فنجان اور ایک چھوٹا چمچ) سفری بکس میں ہمیشہ ساتھ رہتا۔ کبھی کبھار شہروں میں اگر اچھی چائے نایاب ہو جاتی، تو دیہاتوں کے سفر میں اس کی تلاش کرتے جو اکثر مل جاتی۔

غیبت سے نفرت :

کبھی کسی دوست کی غیبت نہ کی اور نہ کسی دوست کی غیبت سنتے تھے۔ جو لوگ اُن سے شدید اختلاف رکھتے مگر مخلص تھے ان کی جی جان سے عزت کرتے آنکھوں پر بٹھاتے ذاتی دوستوں میں کئی ایسے تھے جن کی سیاسی راہیں مختلف تھی لیکن ان سے ایک گونہ تعلقِ خاطر تھا۔

فوراً مٹھی کھول دیتے :

بہت سے لوگ آپ کو مشائخ اور پیروں کی طرح چاہتے، عقیدت کا اظہار کرتے، ہاتھ چومتے، نذرانے پیش کرتے، لیکن آپ درویشِ خدا مست تھے۔ اگر

کبھی کسی مرید نے چھپ چھپا کر کچھ نذرانہ دینا چاہا تو فوراً مٹھی کھول دیتے.. مزاحیہ انداز میں فرماتے.. کیا حرام کا مال ہے جو چھپا کر دیتے ہو۔

زندگی بھر جو کمایا اس سے امرتسر میں دو مکان خریدے ایک میں خود رہتے دوسرا کرایہ پر دے رکھا تھا۔ لیکن تقسیم پاکستان و ہندوستان کے وقت دونوں متروکہ ہو گئے۔ پاکستان آ کر کسی سرکاری دفتر سے کوئی درخواست، اپیل، التجا اور گزارش نہیں کی حتیٰ کہ متروکہ جائیداد کے کلیمز بھی داخل نہ کیے۔

عجیب بٹوا :

حضرت امیر شریعتؒ کے پاس ایک عجیب و غریب بٹوا تھا جس میں ایک مجذوب کی دی ہوئی پائیاں اور دھیلے موجود تھے۔ خود فرماتے کہ ان کی برکت سے میرا بٹوا کبھی خالی نہیں رہا۔ دولت کے معاملے میں خود بھی مجذوب تھے۔

(سوانح وافکار ص ۶۲ تا ۶۵)

اَراضی کی پیشکش :

جانباز مرزا رقم طراز ہیں :

ملتان کے ڈپٹی کمشنر مسٹر مختار مسعود نے اپنے ایک قریبی دوست کی وساطت سے امیر شریعتؒ سے ملنے کی خواہش کی۔ اس کے امیر شریعتؒ سے گہرے مراسم تھے.. چنانچہ اس دوست نے امیر شریعتؒ سے ڈپٹی کمشنر کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کسی دن چلیں گے آخر اتوار کا دن مقرر ہوا۔

امیر شریعتؒ حسب وعدہ ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی پر پہنچے مسٹر مختار مسعود بڑے خوش ہوئے اور امیر شریعتؒ کی آمد پر اپنے کمرے کو خاص انداز سے آراستہ کیا۔ امیر شریعتؒ

جیسے ہی کار سے اترے ڈپٹی کمشنر پذیرائی کے لئے آگے بڑھے. کمرے میں بیٹھتے ہی ہمہ اقسام کے مشروبات سامنے لائے گئے لیکن امیر شریعتؒ نے فرمایا! بھائی میرے لئے تو سادہ اور ٹھنڈا پانی منگوادو بڑی مہربانی ہوگی. ڈپٹی کمشنر نے بہ اصرار کہا یہ سارا کچھ بھی تو سادہ ہے اس پر امیر شریعتؒ نے فرمایا! اس سادگی پر مجھے غالب کا ایک شعر یاد آ گیا......

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

میز مشروبات سے سجا رکھی ہے، ساغر و مینا کا سا سماں باندھ رکھا ہے، اور ابھی یہ سارا کچھ سادہ ہے. سبحان اللہ۔

کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد فرمایا! آپ کا حکم نامہ ملا تو سوچا چلو اسی بہانے اپنا ایک کام ہی کرتا آؤں. اس فقرے سے ڈپٹی کمشنر کو گمان ہوا کہ شاہ جیؒ کوئی ذاتی بات کہنے لگے ہیں چنانچہ بڑی بے تابی سے ڈپٹی کمشنر نے کہا فرمایئے....

امیر شریعتؒ نے چند کاغذات نکال کر ان کے سامنے رکھے اور فرمایا. سارے مغربی پاکستان میں تحفظِ ختم نبوت کے دفاتر حکومت نے واگزار کر دیئے ہیں لیکن ملتان کا دفتر ہنوز سَر بہ مُہر ہے اگر آپ یہ دفتر کھولنے کی اجازت دے دیں تو میں ممنون ہوں گا۔ اس کے جواب میں ڈپٹی کمشنر نے کہا.. شاہ جیؒ! یہ کام تو صوبائی حکومت کی پالیسی سے تعلق رکھتا ہے البتہ میرے بس میں تو یہ ہے کہ میں آپ کو چھ سات مربعے اراضی دے سکتا ہوں اور اس میں ٹیوب ویل کا انتظام بھی کرسکتا ہوں۔ اس پر امیر شریعتؒ مسکرائے اور فرمایا!

مختار صاحب ! میں اپنی ذات کے لیے حاضر نہیں ہوا باقی رہے آپ کے

مربعے اور اس کی پیش کش تو اس کے لیے شکریہ۔ یہ کہا اور وہاں سے چلے آئے۔

(حیات امیر شریعت ص ۴۴۰)

عفوودرگزر :

سختی جو جبر واستبداد کی بنا پر ہو وہ مستحسن امر نہیں اور نرمی جو کمزوری کی وجہ سے ہو وہ قابل فخر نہیں۔ عفوودرگزر کا یہی مفہوم ہے کہ بدلہ اور انتقام کی پوری قدرت حاصل ہونے کے باوجود لوگوں کی غلطیوں کو معاف کیا جائے۔ حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی کا جائزہ لیتے وقت جابجا ایسے واقعات بکثرت نظر آتے ہیں۔

امیر شریعتؒ کو زہر دیا گیا :

مئی ۱۹۴۳ء میں امیر شریعتؒ کو مدرسہ عربیہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لیے [illegible] آباد جانا پڑا۔ خان محمد انور خان [illegible] امیر شریعتؒ نماز ظہر کے بعد تقریر کے لیے کھڑے [illegible] فرمایا: "پان نہیں کھلاؤ گے"؟

قاضی صاحب نے حاجی نور محمد کو پان لانے کے لیے کہا۔ حاجی صاحب تعمیل ارشاد کے لئے چلے ہی تھے کہ برابر کھڑے ایک آدمی نے کہا :

"میں شاہ جیؒ کے لئے پان لے آیا ہوں"۔

یہ کہہ کر پان حاجی نور محمد صاحب کے ہاتھ میں دے دیا اور انھوں نے قاضی صاحب کو دیا حضرت امیر شریعتؒ نے تقریر کے دوران جب یہ پان منہ میں رکھا تو ایک منٹ کے بعد فرمایا : "قاضی جی زہر دے دیا"۔

یہ کہتے ہوئے پان تھوک دیا اور قاضی جی نے اپنے ہاتھ پر لے لیا۔ آن کی

آن میں امیر شریعتؒ کے چہرے کا رنگ سیاہ پڑ گیا اور قاضی صاحب کا ہاتھ بھی پھول کر ڈبل روٹی کی طرح ابھر آیا۔ تقریر سمیٹ لی اور جلسہ ختم کر دیا گیا اس واقعہ نے شہر کے عوام کو پریشان کر دیا اور قاضی جی کا تمام گھر پاگل ہو گیا۔ ڈاکٹر پچھمن داس ریٹائرڈ سول سرجن نے امیر شریعتؒ کو دیکھ کر تشخیص کی کہ انہیں واقعی زہر دے دیا گیا ہے۔ اس وقت پیاز کا پانی بڑی مقدار میں تیار کرایا گیا۔ ڈاکٹر نے اس پانی سے دوا دینا شروع کی تو جسم سے زہر کا رنگ پیشاب اور پاخانے کے راستے خارج ہونا شروع ہوا۔ پیاز کے مسلسل استعمال سے رات تین بجے تک جسم کا تمام زہر خارج ہو گیا۔ اس دوران ڈاکٹر پچھمن داس امیر شریعتؒ کے سرہانے بیٹھے رہے آخر ساڑھے تین بجے رات ڈاکٹر نے قاضی صاحب کو مبارکباد دی کہ اب شاہ جیؒ خطرے سے باہر ہیں۔

زہر دینے والے کو پولیس صبح ہونے تک گرفتار کر چکی تھی۔ اس کا نام سید عنایت اللہ شاہ یا ولایت شاہ تھا۔ بہر حال جب اسے امیر شریعتؒ کے سامنے لایا گیا تو امیرِ شریعتؒ نے اپنے زہر دینے والے سے مخاطب ہو کر صرف اتنا کہا:

''بھائی! میں نے آپ کا کیا نقصان کیا تھا''۔ پھر پولیس افسر سے کہا میں اس سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتا.. اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائیں۔ آپ بھی معاف کر دیں۔ (حیاتِ امیر شریعت ص:۱۵۳)

چائے نہیں زہر ہے:

امین گیلانی راوی ہیں:

مارشل لاء اُٹھنے کے بعد مجلس احرار اسلام کے لئے لاہور میں میٹنگ ہوئی، کچھ دوستوں میں شاہ جیؒ کی باتیں چل پڑیں۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی

مولانا ابوذر بخاریؒ نور احمد صاحب آزادؒ کچھ اور دوست اور راقم الحروف بیٹھے تھے، تو ایک صاحب نے جو بحیثیت کارکن کسی شہر سے احرار کی میٹنگ میں نمائندہ بن کر آئے تھے، انہوں نے واقعہ سنایا افسوس کہ کسی ضروری کام کے لئے مجھے اُٹھنا پڑ گیا، میں ان صاحب کا نام اور پتہ دریافت نہ کرسکا۔ بہرحال انہوں نے سنایا کہ ایک دفعہ شاہ جیؒ ہمارے ہاں تشریف لائے، تقریر کے بعد ہمارے مکان پر ہی قیام فرمایا۔ شاہ جیؒ لیٹے ہوئے تھے اور میں انہیں دبا رہا تھا کہ گھر سے چائے بن کر آ گئی۔ میں نے چائے پیش کی تو آپ نے فوراً اسے سونگھا اور فرمایا: کیوں جیؒ! ہمارے ساتھ کوئی دشمنی ہوگئی ہے؟ میں نے کہا شاہ جیؒ! خدا نہ کرے۔ فرمایا: تو چائے میں زہر کیوں ملایا گیا ہے؟ میں حیران ہوگیا، میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ میں نے کہا: شاہ جی! آپ کیا فرما رہے ہیں؟ یہاں سب آپ کے خدام ہیں، مگر آپ نے پورے اعتماد سے فرمایا: بھائی! یہ چائے نہیں زہر ہے۔ میں گھبرایا ہوا اندر گیا۔ بیوی سے پوچھا چائے کس نے پکائی؟ اس نے کہا میں نے خود، دودھ اپنی بھینس کا ہے۔ میں نے کہا: اللہ کی بندی! شاہ جی فرما رہے ہیں، اس میں زہر ہے، اس نے متعجب ہو کر کہا: خدا نہ کرے ہائے ایسے نیک بندے سے کون ایسا کرسکتا ہے؟ اور پھر ہمیں اپنی جان عزیز نہیں۔ میرے لئے یہ بات معمہ بن گئی، مارے ندامت کے قدم بوجھل ہو رہے تھے کہ شاہ جی کو کیسے سمجھاؤں اور کیا منہ دکھاؤں؟ اتنے میں میری بیوی کچھ سوچ کر بولی! اوہو ایک بات ہے سنو تو' ہمارے ہاں کھانڈ نہیں تھی' راشن کی کھانڈ ابھی مل نہیں سکتی تھی، میں نے پاؤ بھر کھانڈ ہمسایوں سے منگوائی تھی۔ وہ تو آپ کو معلوم ہے مرزائی ہیں، کہیں انہوں نے شرارت نہ کی ہو۔ بس میں سمجھ گیا۔ تحقیق پر یہی معلوم ہوا کہ چینی میں زہر ملا دیا گیا تھا۔ ہم شاہ جیؒ کی فراست پر

حیران ہوئے اور شکر کیا کہ خدا نے ہمیں ذلت سے بچالیا۔ (بخاری کی باتیں ص:۸۶)

قاتل سے ملاقات :

جانباز مرزا رقم طراز ہیں :

حالات کی پیشانی شکن آلود تھی، فضاؤں میں انتقامی ارادوں کے تیور ہنوز سرخ تھے کہ امرتسر میں راجندر سنگھ آتش سے پھر ملاقات ہوگئی۔ اس نے امیر شریعتؒ سے ملنے کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن میں اسے طرح دے گیا۔ آخر جب اس کا اصرار بڑھا تو میں اسے امیر شریعتؒ کے مکان پر لے گیا۔ قاتل اور مقتول کا آمنا سامنا ہونے سے پیشتر میں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، اور اپنی تسلی کے لئے راجندر سنگھ کے جسم کو ہاتھ اور نگاہوں سے کھنگال ڈالا، جس پر وہ مسکرایا، اس کی یہ مسکراہٹ میرے شبہ پر طنز تھی۔

''لباس اور جسم کی تلاشی میں اب کیا رکھا ہے جانباز! دل اور آنکھوں میں دیکھو، جن میں ندامت کے کس قدر آنسو ہیں، جو شاہ جیؒ کی بھینٹ کرنے آیا ہوں۔ میں اپنے پرماتما کی سوگند کھا کر کہہ رہا ہوں کہ میرے پاپ مجھے پچھیا تاپ کے لئے اس عظیم انسان کے چرنوں میں سیس جھکا دینے کے لئے مجبور کر رہے ہیں کہ جس کی زبان نے میری چھری کو کند کر دیا اور میرے ارادوں کو موت آگئی، ورنہ آج قاتل اور مقتول کا ناطہ ٹوٹ چکا ہوتا''۔

یہ کہتے ہوئے راجندر سنگھ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور میں نے امیر شریعتؒ کے دروازے پر دستک دی۔

''کون ہے بھائی! اندر آجاؤ'' یہ امیر شریعتؒ کی آواز تھی، ہم بیٹھک میں

چلے گئے۔ سید امیر شریعتؒ پان بنانے میں مصروف تھے۔

''یہ آپ کا قاتل ہے شاہ جی'' ! میں نے عرض کیا۔ امیر شریعتؒ نے ایک نظر راجندر سنگھ کی طرف دیکھ کر فرمایا :

''ہاں بھائی! ایسے ہی لوگ میرے قاتل ہوتے ہیں'' میں نے اپنے فقرے کو دوبارہ ذرہ وضاحت سے دُہرایا تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور متعجب ہو کر سوال کیا ''کیا مطلب''؟

''یہ راجندر سنگھ آتش ہے، یہ آپ کے حالیہ سفر میں مرزائیوں کی طرف سے آپ کے قتل پر مامور کیا گیا تھا''۔

''اچھا.... کیوں بابو! یہ درست ہے''؟۔ ''ہاں شاہ صاحب''۔

''تو پھر کونسی چیز مانع رہی''۔

یہ میں نہیں جانتا شاہ صاحب! مگر آپ کے طرز تکلم نے مجھے اس گناہ سے بچائے رکھا' اس پر امیر شریعتؒ نے زور سے قہقہہ لگایا اور راجندر سنگھ کو مخاطب کر کے کہا:

موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے :

''میرا طرز تکلم مجھے کیا بچا سکتا ہے بابو! موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ یاد رکھو! جو رات قبر کی ہے وہ باہر نہیں آسکتی اور جس رات کو باہر رہنا ہے اسے دنیا کی کوئی طاقت قبر کے سپرد نہیں کر سکتی۔ البتہ تمہیں میری نصیحت ہے کہ بحیثیت انسان ہمیشہ انسان کی بھلائی کے لئے سوچا کرو۔ دولت ہاتھ کی مَیل ہے بابو! اس کے لالچ میں اگر تم مجھے قتل بھی کر دیتے، اور میرے قتل کے الزام سے تمہارا دامن محفوظ بھی رہتا تو کسی دوسرے موقعہ پر بغیر جرم کے مارکھا جاتے... خیر!''

امیر شریعتؒ پھر مسکرائے اور قرآن کریم کی چند آیات کا ترجمہ سناتے رہے کہ اتنے میں چائے آ گئی۔ راجندر سنگھ امیر شریعتؒ کی گفتگو اور قرآن عزیز کے لفظوں میں اپنے ماضی پر غور کرتا ہوا بے اختیار رونے لگ پڑا اور روتا ہوا امیر شریعتؒ کے قدموں پر گر پڑا۔ امیر شریعتؒ نے فرمایا:

''اپنے رب کے سامنے گرو جو تمہیں معاف کرے.. میں تمہارا چاکر ہوں بابو! لو چائے پیو''۔

امیر شریعتؒ اور راجندر سنگھ آتشؔ کے درمیان یہ ملاقات مغرب کی نماز تک رہی۔ (حیات امیر شریعت ص ۱۹۳)

ایک دلچسپ واقعہ:

امیر شریعتؒ اپنی بیمار بیوی کو ڈاکٹروں کے کہنے پر مسوری (ایک پہاڑی مقام ہے) لے گئے۔ جانباز مرزا لکھتے ہیں: ایک دن امیر شریعت کی چھ سات سالہ بچی گھر سے کھیلنے باز ار اتری کہ غائب ہوگئی.. بچی کی گمشدگی نے سارے گھر کے ساتھ ساتھ حلقہ احباب کو بھی پریشان کر دیا مسوری کے نشیب و فراز کھنگال ڈالے گئے مگر بچی کا کوئی پتہ نہ چلا۔ بستر پر مریضہ (امیر شریعتؒ کی اہلیہ) کی حرارت بڑھ گئی۔ برطانیہ جیسی سلطنت کو للکارنے والا پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا، دوستوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، اس طرح دن گزر گیا اور شام کے چراغوں نے مسوری کو جگ مگا دیا۔ اتنے میں ایک انگریز خاتون بچی کو لیکر گھر پہنچی دیکھتے ہی امیر شریعتؒ نے بچی کو سینے سے لگایا اور انگریز خاتون سے غصے اور تلخی میں کہا! تم نے یہ کیا کیا؟ تم کون ہو؟ میرے گھر کا نظام تو نے درہم برہم کر دیا۔ انگریز خاتون امیر شریعتؒ کی یہ گفتگو نہ سمجھ

سکی۔ مگر اس نے انگریزی میں کہا عرصہ ہوا میری بچی جو شکل وصورت میں بالکل ایسی ہی تھی فوت ہو چکی ہے۔ مجھے یہ بچی بہت بھلی معلوم ہوئی میں آپ کی اطلاع کے بغیر اسے لے گئی مجھے معاف کردیں۔ لیکن آئندہ ہر صبح میں اسے یہاں سے لے جایا کروں گی اور شام کو چھوڑ جایا کروں گی۔ اس پر امیر شریعتؒ نے فرمایا!

تو ماں ہے اگر ماں کے دکھی دل کو میرے دل کے ٹکڑے سے کوئی سکون مل سکتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن یہ دیکھنا کہ اس کی مریض والدہ بھی اس کے سہارے زندہ ہے۔ (حیات امیر شریعت ص ۱۶۱)

بچی کے لئے دُعا :

خانپور کٹورہ کے مشہور کارکن نوراحمد صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ شاہ جیؒ خانپور تشریف لائے اور ہمارے ہاں قیام فرمایا۔ ہماری ایک بچی بولتی نہیں تھی۔ ہم نے شاہ جی سے عرض کیا: شاہ جی! اس بچی کے لئے دُعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قوتِ گویائی عطا فرمادیں، شاہ جی نے پیار سے بچی کو گود میں لے کر اس کی زبان پر اپنا لعابِ دہن لگایا اور فرمایا کہیں سے خالص شہد ملے تو اسے چٹایا کرو۔ انشاء اللہ بولنے لگے گی۔ اس کے بعد شاہ جی حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستیؒ کی ملاقات کے لئے تشریف لے چلے۔ گھر کے دروازے سے باہر گئے ہی تھی کہ شہد کی مکھیوں کا ایک ہجوم اسی دروازے سے ہمارے گھر میں داخل ہوا، اور ایک جگہ ڈیرہ جمالیا۔ ہم انہیں کا شہد حاصل کرکے بچی کو کھلاتے رہے، تیسرے سال بچی بولنے لگی جب بچی نے بولنا شروع کردیا تو مکھیاں اپنا ڈیرہ اُٹھا کر کہیں چلی گئیں۔ ہم ہمیشہ اس اچھنبے پر حیران رہے وہ بچی اب ماشاء اللہ صاحب اولاد ہے اور اس کی قوتِ گویائی

بالکل صحیح ہے۔(بخاری کی باتیں ص:۸۵)

ہم نے یہاں حضرت امیر شریعتؒ کی کتابِ زندگی کے چند ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے جو تہذیب، اخلاق، صبر وتحمل اور عفو ودرگزر کا سبق دیتے ہیں۔ یہ واقعات اپنی قوت وتاثیر میں بے مثل ہیں. جو شخص بھی ان پر عمل کرے گا تو سعادت وطہارت کے بلند مراتب پر فائز ہو جائے گا اگر پورا معاشرہ ان باتوں کو اپنا اصول ومعمول بنالے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ مثالی معاشرہ نہ بن سکے۔



باب سوم

اوصاف وکمالات، تواضع وانکساری
تقویٰ وخشیتِ الٰہی، سیاسی زندگی
اور سیاسی بصیرت

وہ لوگ جو اللہ کی زمین پر اللہ کی بندگی، عبادت، انابت، عاجزی اور انکساری کے نقوش چھوڑ جاتے ہیں، اور ہزاروں انسانوں کے دلوں میں اپنی شرافت، محبت، اخوت اور مودت کے پھول کھلا جاتے ہیں وہ اپنے مریدوں، شاگردوں، رشتہ داروں، احباب اور متعلقین کی یادوں اور دعاؤں سے کبھی محو نہیں ہوتے۔ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک بدوی صحابیؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''جس نے کسی جنتی کو دیکھنا ہو وہ اس صحابی کو دیکھ لے''۔

اس طرح زندگی میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زیارت وملاقات سے مستفید ہونے والوں کو یہ خیال آتا تھا جس نے کسی جنتی انسان کو دنیا میں اپنی آنکھوں

سے دیکھنا ہو وہ ان کو دیکھ لے۔ امیر شریعتؒ سیاسی میدان میں حصہ لینے کے باوجود دور حاضر کی سیاست کی خرابیوں سے مبرّا تھے۔ دورِ حاضر کی سیاست کی خرابیاں کیا ہیں خود آگے بڑھنا، نمایاں ہونا، قیادت، مناصب کے لئے امیدواری، غیبت، حسد، ان میں سے کوئی بیماری بھی ان کے کردار کو چھو کر بھی نہیں گذری تھی۔ وہ ایک عالم دین تھے اور دینی انداز میں دین کا کام کرنے کا ذوق رکھتے تھے۔ امیر شریعتؒ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو شورش کاشمیری نے بڑے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔

شاہ جیؒ کی عادتیں :

شورش کاشمیری مرحوم لکھتے ہیں :

''شاہ جی خوبصورت عادتوں کے ایک دلفریب انسان تھے۔ قرونِ اولیٰ میں ہوتے تو صحابہؓ کی صف اول میں ہوتے۔ اور کربلا میں سیدنا حسینؓ کے ساتھ شہید ہوتے۔ ان کی درویشی اور فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی بھی تھی اور غیرت شبیری بھی۔ وہ ابوذر غفاریؓ کی طرح اَملاک پیدا کرنے کے ہر طریق کو ناجائز سمجھتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں سے بے پناہ ارادت رکھتے تھے۔ عہد عتیق کے روم و یونان میں ہوتے تو ڈیما سیتھینز یا سرو ہوتے۔ جنہوں نے خطابت کے اصول مدوّن کیے۔ گمشدہ یونان میں ہوتے تو عجب نہ تھا کہ سقراط کی طرح انہیں بھی زہر کا پیالہ پینا پڑتا۔ ویدوں کے ہندوستان میں ہوتے تو ہمالیہ کے غاروں میں رشیوں کے ساتھ قدم ملا کر چلتے اور گیتا کے ورق اجالتے پھرتے یا پھر گوتم بدھ کے ساتھ ہوتے جن کی یادیں ایلوارا اور اجنتا کے محیر العقول غاروں میں نہ مٹنے والی خطابت کا شاہکار محسوس ہوتی ہیں۔

شاہ جیؒ ایک عجیب وغریب تصویری مرقع تھے۔ ان کے چہرے مہرے پر فقرائے اسلام کا طنطنہ اور دانشورانِ یونان کا ہمہمہ ہالہ کئے ہوئے تھا۔ آدمی ان کے نزدیک آکر اور نزدیک ہوجاتا تھا۔ ان کے مخالف وہی لوگ تھے جو ان سے دور رہے تھے۔ یا پھر انگریزوں کے پٹھو، مسلمانوں کے دشمن اور قادیانیت کے متبع۔ وہ نور کا تڑکا تھے کہ اندھیری رات اس کی گرفت میں آکر ففرو ہوجاتی ہے یا پھر اوس کا قطرہ تھے کہ غنچوں کا منہ دھلاتے اور پھول کھلاتے تھے۔ ان کی عادتیں جو ان کے انفاس کے ساتھ ساتھ چلتی تھیں اتنی سادہ اور عجیب تھیں کہ عظیم کتابی انسانوں کے سوا ان کا وجود فی زمانہ شاذ ہی ملتا ہے۔ (ماہنامہ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر)

ماضی کے انسان :

وہ مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے تھے۔ ہر چیز کو اللہ کی رضا کے تابع سمجھتے حال سے انہیں بس اتنا ہی تعلق تھا کہ اس کو جھنجھوڑتے اس پر کڑھتے یا کبھی کبھار اس پر قہقہے لگاتے تھے۔ البتہ وہ ماضی کے انسان تھے۔ امور ماضی ہی سے محبت کرتے تھے۔ ان کا اوڑھنا، بچھونا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، سونا جاگنا، سوچنا سمجھنا، بولنا ہنسنا، سب ماضی کا مرہون اثر تھا۔ اور اسلام کے ماضی کے سوا کسی بھی ماضی کے قائل نہ تھے۔ وہ تہبند اس لئے باندھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہبند باندھا کرتے تھے۔ وہ کسی بھی غذا کے عادی نہ تھے۔ ساگ ستو جو ملا خدا کا شکر کیا اور کھالیا۔ میں نے ہری مرچ کی رغبت کے سوا ان میں کسی شے کے لئے رغبت نہیں پائی انہیں بغیر پکائے بھی کھا جاتے اور قیمے میں بھون کر بھی۔

ٹھنڈا پانی کثرت سے پیتے۔ بلکہ تقریر کرتے وقت تھرماس ساتھ رکھتے تھے اور برف ہی چباتے چلے جاتے۔ ان کا گلا برف سے اور کھلتا بلکہ کرارا ہوتا تھا۔

اکثر فرش پر ہی بستر کھول کر سو جاتے یا پھر بان کی کھردری چارپائی پر۔ وضو کے لئے لوٹا ہمیشہ ساتھ رکھتے۔ جب پان کھانے کی عادت پختہ ہوگئی تو تیلیوں کی ایک غریب الحال ٹوکری میں پانوں کی ڈھولی، چونا، کتھا اور سپاری کی گولیاں کھدر کے ٹکڑوں میں لپیٹ لپاٹ کے رکھتے تھے۔

یادِ الٰہی :

سحر خیز تو تھے ہی۔ یعنی صبح کی نماز قضاء نہ ہونے دیتے۔ نماز ان کی فطرت ثانیہ تھی۔ مگر رات گئے دیر سے سوتے اور یہ ان کی فطرت ثانیہ ہو چکی تھی۔ جلسوں میں آخری مقرر وہی ہوتے۔ اور ان کا کوئی جلسہ بارہ ایک بجے رات سے پہلے ختم نہ ہوتا تھا۔ اور صبح ہو جانا تو عام معمول تھا۔ جلسہ ختم ہو جانے کے بعد عقیدت مندوں کا ہجوم گھنٹہ دو گھنٹہ گھیرے رکھتا جس روز جلسہ نہ ہوتا یا گھر پہ ہوتے تو محفل آرائیاں فرصت نہ دیتیں۔ وہی دو بجے شب کا سونا مقدر ہوتا۔ البتہ رمضان شریف کے مہینے میں یہ معمول نہ رہتا۔ تراویح پڑھ چکنے کے بعد محفل جماتے اور سحری سے کچھ ہی پہلے ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے آخری برسوں میں حال یہ ہوتا کہ صحبت آرائیاں بالکل مختصر کر دی تھیں۔ وقت کا بڑا حصہ یادِ الٰہی میں بسر کرتے۔ بلکہ صورت حال یہ تھی کہ عبادت کے لمحے قریب ہوتے تو دوستوں سے کہتے کہ بھائی میری گدائی کا یعنی اللہ سے مانگنے کا وقت ہے۔ محفل برخاست ہونی چاہیئے۔ پھر خود ہی اٹھ کھڑے ہوتے۔

روٹی کے لئے جینا :

فرماتے! جولوگ روٹی کے لئے جدوجہد کرتے اور اسی کے لئے جیتے ہیں! ان میں اور ایک کتے میں کوئی فرق نہیں وہ بھی روٹی کے لئے بھونکتا اور دم ہلا کر مالک کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔ روٹی کوئی چیز نہیں اصلی چیز عقیدہ اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی دھن ہے۔

چشتی بھی نقشبندی بھی :

مذہباً پکے مسلمان اور بہ لحاظ مسلک حنفی العقیدہ تھے۔ دیو بند کے مدرسہ فکر کے پیرو۔ لیکن طبیعت میں کسی کے لئے تنفر نہ تھا۔ ہر فرقے کی اچھائیوں سے محبت کرتے۔ مرزائیوں کو تو مسلمان ہی نہ سمجھتے تھے۔ صوفیاء اور اولیاء کا بے حد احترام کرتے اور مزے میں آ کر فرماتے بھئی میں تو چشتی بھی ہوں نقشبندی بھی، قادری بھی، صابری بھی، اور سہروردی بھی۔ مولانا داؤد غزنوی نے شکایت کی کہ مظہر علی اظہر اپنے بیٹے قیصر مصطفیٰ کی شادی پر باجا بجوا رہا ہے۔ فرمایا بھئی! ان سے گلہ نہ کرو، وہ تو محرم کے دنوں میں باجے بجوا کر تعزیہ نکالتے ہیں۔ اپنے دوائر سے باہر عام مجلسوں میں شاذ ہی شریک ہوتے تھے۔ میں نے انہیں اپنے بھائی یورش کاشمیری کے لئے دعائے مغفرت مانگنے کو کہا۔ تو فرمایا! اجی چھوڑو! اس ننھی کلی سے کون حساب لے گا۔ خدا ہماری اور تمہاری طرح تھوڑا ہی ہے۔ قیامت کے روز چنگیز، ہلاکو، ہٹلر، مسولینی وغیرہ کا حساب ہی لمبا ہوگا ہما شما سے کون پوچھتا ہے۔

شاہ جیؒ اور وقت کی پابندی :

وعدہ بہرحال پورا کرتے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں تین سو تیس دن تقریریں فرماتے لیکن وقت کی پابندی ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ جلسہ میں دیر سے پہنچتے اور جس کے ہاں جا کر ملنا ہو وہاں وقت مقررہ کا دو چار گھنٹے اوپر ہو جانا تو معمولی بات تھی۔ مولانا آزاد سے ملنے کا وقت طے کیا۔ وہ سیکنڈوں پر نگاہ رکھنے والے اور یہ دو (۲) گھنٹے لیٹ پہنچے۔ وقت ہو رہا تھا۔ دوستوں نے متوجہ کیا مگر قیلولہ کرنے لگے گاندھی جی سے بھی یہی کیا۔ مولانا حبیب الرحمٰن کہا کرتے تھے کہ شاہ جی نے انگریز کے خلاف اتنا جہاد کیا ہے کہ کئی انسانوں کا مجموعہ بھی یہ نہیں کر سکا۔ مگر وقت کے اسراف کا یہ حال ہے کہ اگر آج یہ کہیں کہ فلاں روز ٹھیک اتنے بج کر اتنے منٹ پر شاہ جی کو وائسرائے لیگل لاج بھجوا دو ہم آزادی کا پروانہ دے دیں گے تو آزادی کبھی نہیں ملے گی کیونکہ شاہ جی اور وقت کی پابندی دو متضاد چیزیں ہیں۔

ملکوتی صفات :

اپنی تعریف سے کبھی خوش نہ ہوتے۔ نہ پسند کرتے نہ اجازت دیتے۔ اخباروں میں چھپنے چھپانے کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے پریس کانفرنس کا وجود ہی نہیں دیکھا تھا۔ اخبارات کو عمر بھر کبھی کوئی بیان نہیں دیا۔ نہ مضمون لکھا۔ آزاد کے نام سے دو چار مضمون چھپے، وہ راقم الحروف کے لکھے ہوئے لیکن ان کی گفتگوؤں کا عکس تھے۔ اس معاملہ میں وہ عام لیڈروں کی کمزوریوں سے اتنے بالا تھے کہ ان کی ملکوتی صفات پر حیرت ہوتی تھی۔

پان خود بناتے، چائے بھی خود ہی تیار کرتے، خود پیتے اور دوسروں کو پلواتے تھے۔ اللہ سے حد درجہ ڈرتے اور حضور ﷺ سے والہانہ ارادت رکھتے تھے۔

قرآن کو رفیق بنالیا :

ان کے پاس کوئی وسیع لائبریری نہ تھی۔ فرماتے قرآن کے سوا کسی اور کتاب کے مطالعہ کی ضرورت نہیں رہی۔ ابتداء میں خوب کتابیں پڑھی تھیں پھر مطالعہ کا یہ ذوق کچھ دنوں ساتھ رہا۔ آخر قرآن پاک ہی کو رفیق بنالیا۔ مولانا طفیل منگلوری کی کتاب ''مسلمانوں کا روشن مستقبل'' ایک زمانہ میں ساتھ رکھتے اور ساتھیوں کو اس کے پڑھنے کا مشورہ دیتے تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا ''الہلال'' ظفر علی خان کا ''ستارہ صبح'' انہوں نے ڈوب کر پڑھے تھے۔ علامہ اقبال کے کلام کا بڑے انہماک سے مطالعہ کیا تھا۔

اپنی ذات کی ہر حال میں نفی کرتے اور جماعت کے دوستوں یا جماعت سے باہر کے انگریز دشمنوں کے قصیدے پڑھواتے اور دعائیں دیتے تھے۔

سیاسی زندگی کا آغاز :

جنگ عظیم کے دوران سیاسی جلسوں پر پابندی تھی۔ ۱۹۰۷ء میں ہی سیاسی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ یکا یک ۱۹۱۸ء میں ترکوں نے برطانوی اتحادیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ترکوں کی شکست کے بعد کرسمس کے دنوں میں حکومتِ ہند نے برطانوی فتح کا جشن منانے کا اعلان کیا۔ اسی دوران مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو اپنے انگریزی اخبار کامریڈ میں (VOICE OF TURKY) کے عنوان سے مضمون لکھنے پر نظر بند کر دیا گیا۔ علماء ہند نے مسلمانوں کو جشن میں شرکت

کرنے سے منع کر دیا کہ ترکی کی فتح پر جشن منانا مسلمانوں کو زیبا نہیں۔ گاندھی جی بھی احتجاج کرتے ہوئے خود جیل چلے گئے اور ملک کے کونا کونا میں احتجاج کی خبریں آنے لگیں۔ سب سے زیادہ اشتعال انگیز حادثہ جلیانوالہ باغ امرتسر میں ہوا۔

واقعہ جلیانوالہ باغ :

یہ ''باغ'' شہر کے درمیان واقع تھا۔ کوتوالی سے جنوب کی طرف کچھ فاصلہ پر اس کا آمد و رفت کا علاقہ نہیں تھا۔ اس باغ میں جلسے ہوا کرتے تھے۔ مارشل لاء ہو جانے کے باوجود ایک ہفتہ تک شہر میں حکومت اپنا نظام قائم نہ کر سکی۔ باغ میں ہر روز جلسے ہوتے تھے اور لوگوں کو صورت حال سے آگاہ کیا جاتا تھا۔ اور پر امن رہنے کو بھی کہا جاتا۔ کیونکہ کارکن حضرات تشدد کو درست نہیں سمجھتے تھے اور گاندھی جی نے پر امن رہنے کی ہدایت کی تھی۔ ۱۳ اپریل اتوار کے روز بیساکھی کے دن امرتسر میں خاص ہجوم تھا لوگ دیہاتوں سے بڑی تعداد میں آئے تھے۔ جلیانوالہ باغ میں جلسہ ہو رہا تھا۔ حاضری معمولاً بھی غیر معمولی ہوتی تھی۔ لیکن بیساکھی کے دن غیر معمولی ریکارڈ بھی مات ہو گیا۔ لیفٹیننٹ گورنر لارڈ اڈوائر کی ہدایت کے مطابق جنرل ڈائر فوج کا ایک دستہ لے کر شہر میں آیا۔ اس نے کوتوالی کی طرف بڑھ کر عام آمد و رفت کا راستہ روکا اور آگے بڑھ کر کوئی تنبیہ کئے بغیر فوج کو گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ ہزاروں زخمی اور سینکڑوں قتل ہوئے بھاگ دوڑ میں نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ لوگ مکانوں اور دیواروں کو پھاند کر بھاگنے لگے۔ لیکن مسلمان سب سے زیادہ تختہ مشق ستم ہوئے ڈائر اور اس کے فوجی واپس چلے گئے اور لوگ بھی ہراساں ہو کر جدھر رخ ہوا بھاگ گئے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر حادثہ کا ردعمل :

اس قتل عام نے نہ صرف امرتسر کے شہر اور ضلع میں آگ لگا دی بلکہ قرب وجوار کے لوگوں میں بھی اپنے مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کی خبر سن کر غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اخبارات میں جب اس قتلِ عام کی خبر پھیلی تو سارے ملک بلکہ ساری دنیا میں انگریزی تشدد کے خلاف گہرا جذبہ پیدا ہوا۔ نوجوان سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی رہائش گاہ بھی کوتوالی اور جلیانوالہ باغ کے قریب ہی تھی۔ اس سانحہ جانکاہ سے طبیعت متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ ترکوں کی شکست کے بعد خود اپنے گھر میں انگریزی مظالم کی داستان ایک چشم دید واقعہ بن کر سامنے تھی۔ جوشیلی طبیعت، تڑپنے والا دل، تڑپانے والی زبان کب تک خاموشی اختیار کرتی۔ قسمت نے پہلے ہی کرسمس کے دنوں میں کانگریس کا سالانہ اجلاس امرتسر میں کرانے کا فیصلہ کر چھوڑا تھا۔ اب انگریزی حکومت کے سامنے یہ سوال تھا کہ آیا کانگریس کا اجلاس امرتسر میں ہونے دیا جائے یا نہ؟ اجلاس کا فیصلہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں ہو چکا تھا۔ اس لئے اسے خودساختہ فتنہ سے تعبیر نہ کیا جا سکتا تھا۔ ہندوستان کے چپہ چپہ میں جلیانوالہ باغ کے مظالم کی داستان پہنچ چکی تھی۔ دنیا کی رائے عامہ بھی برطانیہ کے خلاف تھی۔ اس لئے اس اجلاس کو روکا نہ جا سکا۔ اور وزیر ہند نے اعلان کر ہی دیا کہ کانگریس کا سالانہ اجلاس امرتسر میں ہونے دیا جائے گا اور اسے روکا نہیں جائے گا۔ (تلخیص ماہنامہ نقیب ختم نبوت امیر شریعت نمبر ص: ۲۹ تا ۳۸)

واعظ سے سیاسی لیڈر تک :

مولانا محمد داؤد غزنوی لکھتے ہیں :

۱۹۱۹ء کے مارشل لاء کے بعد میں نے امرتسر میں پبلک جلسوں کا انتظام کیا۔ جلیانوالہ باغ میں انگریز کے ظلم وتشدد کی وجہ سے تمام پنجاب اور امرتسر میں خوف وہراس تھا۔ میں نے اس خوف وہراس کو ختم کرنے اور اس کی جگہ عوام میں آزادی کی تحریک کو پھر سے زندہ کرنے اور برطانیہ کی اسلام دشمنی کو بے نقاب کرنے کے لئے مسئلہ خلافت کو سامنے رکھ کر شہر کے مختلف مقامات پر جلسوں کا انتظام کیا۔

اس وقت میری عمر ۳۵ سال تھی۔ حکومت کے تشدد سے بے نیاز ہو کر جب میں نے تقریریں شروع کیں تو عوام میں ہر وقت میری گرفتاری کا چرچا تھا۔ میں نے اللہ کے نام پر اپنے مشن کو جاری رکھا۔ جو قلبی سکون مجھے اس وقت حاصل تھا میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اس وقت مدرسہ نعمانیہ مسجد خیر الدین (امرتسر) میں مشکوۃ شریف پڑھ رہے تھے۔ لیکن وہ اپنے خوش بیان ہونے کی وجہ سے بطور ایک واعظ امرتسر میں مشہور تھے۔

میری ایک تقریر چوک کٹڑہ سعید میں ہو رہی تھی۔ اس کے بعد ہر دوست کا خیال تھا کہ میں گرفتار کر لیا جاؤں گا۔ اور ساتھ ہی مجھے دوستوں نے نصیحت کرنی شروع کی کہ زمانہ بڑا نازک ہے۔ آپ اس قسم کی تقریریں نہ کریں۔ دوسرے دن اسی جگہ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تقریر کی اور کہا :

''کل اسی جگہ مولوی داؤد غزنوی جو آگ لگا گیا ہے میں اس پر پانی ڈالنے آیا ہوں''۔

شاہ جیؒ کی اس تقریر سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہوئی۔ مجھے جب اس تقریر کا علم ہوا تو میں نے سمجھا کہ شاہ جیؒ کو واقعات کا علم نہیں اور ان سے یہ تقریر کرائی گئی

ہے۔ لہذا میں نے دوسرے دن شاہ جیؒ کو اپنے مکان پر بلوایا۔ اور اخبارات کے تمام گزشتہ فائل ان کے سامنے رکھے اور ان سے عرض کیا کہ اس وقت عالم اسلام کے خلاف برطانیہ کیا سلوک کر رہا ہے۔ اور خاص کر ترکی میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ عالم اسلام کے لئے تباہی کا باعث ہے۔

یہ حالات سن کر شاہ جیؒ نے فرمایا کہ : ''نہ تو میں اخبارات پڑھتا ہوں اور نہ میں نے سیاست میں کبھی حصہ لیا ہے، اس لئے مجھے حالات کا کوئی علم نہیں''۔

میں نے عرض کیا: اگر آپ تمام حالات معلوم کرنے کے بعد میرے ساتھ مل کر کام کریں تو اس وقت مسلمانوں اور عالم اسلام کی بہتر خدمت ہو سکتی ہے۔ شاہ جی نے فرمایا: ''میں تو ایک طالب علم ہوں ان حالات میں کیسے تقریر کر سکتا ہوں''۔

میں نے کہا آپ دو تین مہینے میرے ساتھ جلسوں میں شرکت کریں۔

شاہ جی میں جذبات کی کمی نہ تھی۔ تقریر کی قابلیت ان میں قدرت نے ودیعت کر رکھی تھی۔ چنانچہ تھوڑے عرصے میں شاہ جی خلافت کے موضوع اور حالات حاضرہ کے بہترین مقرر بن گئے۔ پھر تو ان کی تقریر کا یہ عالم ہو گیا کہ نہ صرف امرتسر بلکہ پنجاب سے باہر سارے ہندوستان میں وہ اپنی ایمان پرور تقریروں سے لوگوں کے جذبہ حریت اور ایمان کو گرماتے رہے۔

یہ ان کی خاندانی شرافت یا عالی نسبی سمجھیئے کہ اس مقام پر پہنچ کر بھی وہ مجھے اپنا بڑا بھائی اور استاد تسلیم کرتے رہے۔ (حیات امیر شریعت ص ۴۳)

پہلی گرفتاری :

جانباز مرزا بیان کرتے ہیں :

تحریک خلافت ۱۹۲۱ء میں جب عوام کی گرفتاریاں شروع ہوئیں اور شاہ جی بھی اپنی ایک تقریر کی بناء پر جو انہوں نے مسجد خیر الدین امرتسر میں کی تھی گرفتار کر لئے گئے۔ اس مرتبہ انہیں تین برس تک کی سزا ہوئی۔ یہ شاہ جی کی پہلی گرفتاری اور سزا یابی تھی۔ اس کے تھوڑے عرصے بعد سول نافرمانی کی عام تحریک شروع ہوگئی اور ہم سب گرفتار ہو کر جیلوں میں چلے گئے۔

میانوالی جیل :

پنجاب کے تمام کارکن میانوالی جیل میں تھے۔ وہاں شروع میں تو سخت پابندی تھی۔ ہم ایک دوسرے سے مل بھی نہ سکتے تھے۔ امرتسر کے کچھ کارکن وہاں پہنچے تو ہماری ایک طاقت بن گئی۔ شروع میں ہم گیہوں کی روٹی کھاتے تھے لیکن ہم نے یہ روٹی ترک کر دی اور مطالبہ کیا کہ ہم سب کو ایک ساتھ رکھا جائے۔ چھ دن بعد ہماری بات مان لی گئی اور ہم نے بھوک ہڑتال ترک کر دی۔ اس کے بعد ہمارا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ سیاسی اور اخلاقی قیدیوں کے لنگر الگ الگ ہوں اور اس کا تمام نظام ہمارے ہاتھ میں ہو۔ ہمارا یہ مطالبہ بغیر بھوک ہڑتال کے مان لیا گیا اور سیاسی قیدیوں کے لنگر کا انتظام ہمارے سپرد کر دیا گیا۔ مجھے لنگر کا منیجر مقرر کیا گیا۔ اس بناء پر مجھے تمام جیل میں آنے جانے کی آزادی مل گئی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ پابندیاں کم ہوتی چلی گئیں اور ہم سب ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے۔

قومی زندگی کا آغاز :

۱۹۱۹ء کے فوراً بعد جب امرتسر کے لوگ مارشل لاء اور جلیانوالہ باغ کے

حادثہ جانکاہ سے بُری طرح نڈھال تھے۔ یکا یک لفظ خلافت سننے میں آیا۔ اس وقت مولانا محمد داؤد غزنوی پہلے بزرگ تھے جو میدان میں نکلے اور انہوں نے مسلمانوں کو مسئلہ خلافت سمجھانا شروع کیا ساتھ ساتھ دولت عثمانیہ ترکی کے خاتمہ کا ماتم بھی تھا۔ یہ زمانہ عالم اسلام پر چاروں طرف سے مصیبتوں اور آفتوں کا زمانہ تھا۔ جزیرۃ العرب اور دیگر مقاماتِ مقدسہ غیروں کے قبضہ میں تھے۔ جب اس اجمال کی تفصیل مسلمانوں کو سنائی جانے لگی تو مسلمان عوام کے اندر صدمہ اور جوش کی ایک لہر پیدا ہوگئی۔

حضرت شاہ جی اس وقت صرف مذہبی وعظ فرماتے تھے وہ مولانا داؤد غزنوی کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ البتہ کبھی کبھی مولانا غزنوی کے نظریہ پر شاہ جی مخالفانہ انداز بھی اختیار کر لیتے۔ مجھے شاہ جی نے بتایا کہ ایک بار مولانا داؤد غزنوی نے خود آگے بڑھ کر مجھ سے ملاقات کی اور ان آفتوں کی طاقت میں موجودہ مسئلہ کھول کر بیان کیا۔ تب شاہ جی قائل [illegible] مسلمانوں کی کایا پلٹ گئی۔ [illegible] عہد جوانی اور ساتھ ساتھ جذبہ ایمانی اور قوتِ بیان کی ایک آگ لگ گئی۔

میرے لئے سیاسی جلسوں میں شمولیت کا پہلا موقع تھا۔ مسئلہ خلافت اور انگریز حکومت کی چیرہ دستیاں مسلمانوں کے دلوں کے زخموں پر نمک کا کام دیتی تھیں۔ امرتسر ابھی ابھی زخم کھا کر نکلا تھا مگر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریروں اور مذہبی وعظوں نے ہندو مسلمان سب کے اندر بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا۔ اتنے میں ۱۹۱۹ء کا دسمبر آ گیا اور کانگریس کا سالانہ جلسہ زیر صدارت پنڈت موتی لال نہرو امرتسر میں منعقد ہوا، ساتھ ساتھ مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ بھی حکیم اجمل خان صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔

یہ دسمبر امرتسر کے لئے تو بارانِ رحمت ثابت ہوا کہ ہندوستان کے تمام لیڈر امرتسر پہنچ گئے جو جیلوں میں تھے وہ رہا کر دیئے گئے۔ علی برادران بھی جیل سے رہا ہو کر سیدھے امرتسر وارد ہوئے یہ زمانہ علی برادران کے عروج کا زمانہ تھا۔ مولانا شوکت علی کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا محمد علی جوہر نے حالات حاضرہ اور عالم اسلام کی تباہی و بربادی پر تقریر کی۔ اس جلسہ میں شاہ جی نے تقریر فرمائی اور دس لاکھ روپیہ چندہ کے لئے اپیل کی جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور روپیہ کی فراہمی شروع ہوگئی۔ مولانا ظفر علی خان اس جلسہ میں موجود تھے مگر حکومت کی طرف سے ان کو تقریر کرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ زمانہ زمیندار اور مولانا ظفر علی خان پر انگریزوں کے انتہائی عتاب کا تھا۔ مگر اسی اجتماع میں ان کو تار ملا کہ مولانا کی زبان بندی ختم کر دی گئی ہے۔ تب امرتسر کا یہ قومی ہفتہ پوری شان سے منایا گیا۔ یہیں شاہ جی کا گہرا تعلق علی برادران سے ہو گیا۔

بیعتِ جہاد :

کچھ عرصہ بعد مولانا ابوالکلام آزادؒ کا دورہ پنجاب ہوا۔ یہ دورہ زیادہ تر مذہبی تھا اور مولانا مسلمانوں سے بیعت جہاد لے رہے تھے۔ لاہور کی شاہی مسجد میں نماز جمعہ کے بعد رانا فیروز الدین نے جو اس وقت خلافت کمیٹی پنجاب کے سیکرٹری جنرل تھے، اعلان کیا کہ جو مسلمان مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہے وہ کر سکتا ہے اس مجمع کے آخر میں شاہ جی حوض کے قریب ہی کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ ہی مولانا عبدالقادر صاحب قصوری بھی تھے۔ شاہ جیؒ نے سنا تو سخت بے چین ہوئے۔ مولانا عبدالقادر صاحب سے کہا کہ دیکھو سب کام خراب ہو رہا ہے۔ یہ کہہ کر شاہ جیؒ نے ایک

چھلانگ لگائی اور لوگوں کے گویا سروں سے گزرتے ہوئے منبر تک پہنچ گئے۔ صدر خاموش تھا ان سے کہا کہ میں ان کے اس اعلان کی وضاحت کروں گا۔

مولانا عبداللہ قصوری خاموش رہے۔ شاہ جیؒ نے اپنی خداداد قرأت و بلند آواز سے مجمع کو اپنی طرف متوجہ کرلیا یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا آزادؒ بھی محو حیرت شاہ جی کی طرف دیکھ رہے رہتے۔ شاہ جی نے اس عظیم الشان مجمع کو چند منٹوں کے اندر اندر اپنی گرفت میں لے لیا اور اس نقطہ کی وضاحت فرمائی کہ جو لوگ پہلے کسی مرشد سے بیعت ہیں ان کی اس بیعت سے اثر نہیں پڑتا وہ بیعت ارشاد تھی اور یہ بیعت جہاد ہے''۔

اتنا کہہ کر اپنے ہاتھ مولانا آزادؒ کے ہاتھوں میں دے دیئے اور کلماتِ بیعت کا ورد شروع کیا۔ شاہ جی پہلے پڑھتے پھر تمام مجمع پڑھتا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تمام در و دیوار سے یہ آواز آ رہی ہے اور خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بلاشبہ قرنِ اول کا یہ واقعہ یاد آ گیا جب حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر مدینہ منورہ میں انصار سے بیعت لی تھی۔ ایسا منظر پھر زندگی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا اس واقعہ کے بعد شاہ جی کا تعلق مولانا آزادؒ سے ہوگیا۔ (مولانا آزادؒ نے اسی موقع پر فرمایا۔ میرے بھائی! آپ کی اس خدمت پر ملک وملت کا ہر گوشہ شکر گزار ہے)

ہجرت :

حضرت شاہ جی کی زندگی کے حالات مختصر ہی کیوں نہ بیان ہوں مگر وہ نامکمل اور سراسر نامکمل ہوں گے اگر تحریک ہجرت کا ذکر ان کے ساتھ نہ کیا جائے کیونکہ اس تحریک کے روحِ رواں شاہ جیؒ ہی تھے۔ گویا اس قافلے کے ہراول جناب عزیز ہندی تھے

جنہوں نے پہلے پہل اس کا بیڑا اٹھایا۔ اس بات کی تفصیل آج میں کافی حد تک بیان کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ جو حقیقت حال پر مبنی ہوگی۔ میرے بعد اب کوئی دوسرا آدمی زندہ بھی نہیں جو اس تحریک کے بنیادی پہلو پر روشنی ڈال سکے۔

ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد ہمیشہ سے ہندوستان کے انقلاب کی پناہ گاہ رہی ہے۔ اور افغانستان میں جب غازی امان اللہ خان برسر اقتدار آئے تو آزاد ہند کے راہنماؤں کو ایک گونہ تسکین ہوئی۔ کیونکہ امان اللہ خان آزادیٔ ہند کے حامی تھے۔ مگر ان کی مجبوری تھی کہ ان کے والد کے زمانہ ہی سے شاہ افغانستان انگریزوں کا وظیفہ خوار تھا۔ عملاً برطانوی سفیر مقیم کابل کی حکومت افغنستان میں تھی۔ بادشاہ برائے نام ہی تھا۔ امان اللہ خان نے آتے ہی پہلا حملہ جب انگریزی سرحد پر کیا تو اس وقت انگریزی فوج بہت کم تھی پنجاب میں شورش ہونے کی وجہ سے مارشل لاء نافذ تھا اور فوج پنجاب میں تھی۔ حکومت ہند کے لئے یہ وقت بڑا مشکل تھا اس افغانی حملہ کی وجہ سے ایک تو عملاً مارشل لاء اٹھ گیا۔ دوسرے پنجاب کی شورش کے باعث انگریزوں کو امان اللہ سے عارضی صلح کرنا پڑی۔ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو انگریزوں کا پنجاب کو پریشان کرنے کا فیصلہ ابھی بہت باقی تھا۔ اس کا ایک فائدہ ہندوستان کو یہ بھی ہوا کہ حکومت برطانیہ کی پالیسی ہندوستان کی طرف عارضی طور پر کچھ نرم پڑ گئی۔

ان تمام حالات کے باوجود ۱۹۳۰ء کا ہندوستان سخت آزمائش سے گزر رہا تھا۔ اس کو کوئی راستہ نہ ملتا تھا کہ وہ اب کیا کرے؟ یہی وہ دور ہے جب ہجرت کی تحریک یکایک شروع ہوگئی۔ اور اس کا اثر مسلمانوں پر بے پناہ ہوا۔ حضرت شاہ جی نے کافی غور وفکر کے بعد اس میں ہاتھ ڈالا کیونکہ حکومت افغانستان نے اپنی طرف

سے ہجرت کرنے والوں کو بلایا۔ اس سے امید کی یہ کرن پیدا ہوئی کہ شاید حکومت پر کچھ دباؤ پڑ جائے اور وہ مسلمانانِ ہند کے مطالبات پر توجہ دے سکے۔ اب شاہ جی نے ہجرت کی تحریک میں جان ڈالنی شروع کی۔ پنجاب، سندھ، اور صوبہ سرحد کے اندر تو یہ قابو سے باہر ہوگئی اور حکومت انگریزی سخت گھبراہٹ میں پڑ گئی۔ سپیشل گاڑیاں بھی چلنی شروع ہوگئیں۔ صوبہ سرحد کے چیف کمشنر سر ہملٹن گرانٹ نے تو ایک قافلہ کو ہاتھ جوڑ کر روکنے کی کوشش کی مگر مسلمان سر بکف جارہا اور اپنی لاکھوں کی جائیداد چھوڑ کر بے وطن ہو رہا تھا۔ جب یہ تحریک زوروں پر تھی تب سرکار انگریز کی مشینری حرکت میں آئی اور سینکڑوں کی تعداد میں انگریز کے ایجنٹ مسلمان، ان قافلوں میں شامل ہوگئے تاکہ انتشار پیدا کرسکیں۔ (امیر شریعت نمبر ص ۵۴ تا ۶۸)

تواضع انکساری :

حضرت شاہ جی جتنے بڑے انسان تھے اتنا ہی وہ اپنے کو چھوٹا سمجھتے۔ انکساری کا ان پر اتنا غلبہ تھا کہ کبھی ممتاز جگہ بیٹھنا پسند نہیں فرمایا۔ لوگ سادات کو عام طور پر چارپائی پر بٹھاتے ہیں تو خود نیچے بیٹھ جایا کرتے ہیں۔ عوام کے لئے سادات کا احترام تو حسن اسلام کی نشانی ہے مگر سادات کو کیا کرنا چاہیے ان میں سب کو سب سے بڑے سید یعنی سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی باعث عز وافتخار ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ہمراہ راستے پر چلتے تھے تو سب کے آگے ہو کر بلکہ کیف ما تفق (جیسے بھی ہو جائے) ان میں شامل ہو کر چلتے اور باوجود اس کے بطور معجزہ آپ سب سے نمایاں اور ممتاز نظر آتے۔ یہی حال حضرت شاہ جی کا تھا آپ متبع سنت تھے۔ سب کے برابر چلتے، سب کے ساتھ بیٹھتے اور سب سے مل کر کھانا کھاتے آپ امتیاز شان کو کبھی پسند نہ فرماتے۔ کوئی بھی آتا

اسے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھاتے دوست اور خدام ہچکچاتے تو آپ ازراہِ مزاح فرماتے کہ بھائی میں کوئی اچھوت تو نہیں... مجبور ہو کر سب کو حکم کی تعمیل کرنی پڑتی۔

چھابڑی فروش :

مولانا عبدالمجید انور صاحب نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ شاہ جی سے شرکائے مجلس میں سے کسی نے حضرت مولانا بنوری صاحب کے درسِ قرآن کا ذکر کیا جو اسی صبح مدرسہ قاسم العلوم میں ہوا۔ شاہ جی فرمانے لگے: مجھے پتہ دیا ہوتا تو گرتا پڑتا حاضر ہو جاتا۔ آخر میں بھی تو چھابڑی فروش ہوں، جب تک زندگی کی رمق باقی ہے یہ دھندا باقی ہے، ان ہی حضرات کے ہاں سے مال حاصل کر کے اپنی چھابڑی میں رکھ کر صدا لگا لیتا ہوں۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۴)

کیا مزیدار ساگ ہے :

مولوی غلام محمد صاحب مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خوشاب کے جلسہ میں حضرت شاہ صاحب تشریف لائے اور ایک غریب کارکن کی خواہش پر اس کے ہاں قیام کیا۔ جب صبح ناشتہ کا وقت تھا تو اسے بُلا کر فرمایا: یار! مدت ہوئی رات کی باسی روٹی اور ساگ کا لطف نہیں لیا۔ آج وہی کھلاؤ، لطف آ جائے گا۔ میری بیٹی سے کہو ساگ بنا کر کھلائے۔ میزبان نے ایسا ہی کیا۔ جب کھانا آیا شاہ جی ہر لقمے پر تعریف فرماتے۔ فرماتے: کیا مزیدار ساگ ہے، بھئی! مزا آ گیا، بڑی مدت کے بعد یہ نعمت حاصل ہوئی ہے۔ شاہ جی دعائیں دیتے رہے اور وہ دعائیں سن کر پھولا نہیں سماتا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ شاہ جی نے اس کے حسبِ حال فرمائش کر کے اس کو زیر باری اور تکلف سے بچا لیا۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۷)

انسان تو ہو :

مولانا نورالحسن شاہ صاحب بخاری مرحوم فرماتے ہیں کہ خیر المدارس جالندھر کے جلسہ میں حضرت شاہ جی شریک تھے۔ کھانے کے لئے دستر خوان پر بیٹھے تو سامنے ایک نوجوان بھنگی کو دیکھا، شاہ جی نے فرمایا: آؤ بھئی! کھانا کھالو۔ اس نے عرض کیا جی میں تو بھنگی ہوں۔ شاہ جی نے درد بھرے لہجے میں فرمایا: ''انسان تو ہو''، بھوک تو لگتی ہے، یہ کہہ کر خود اُٹھے، اس کے ہاتھ دھلا کر ساتھ بٹھالیا۔ وہ بے چارا تھر تھر کانپتا تھا، اور کہتا جارہا تھا کہ جی میں تو بھنگی ہوں۔ شاہ جی نے خود لقمہ توڑا، شوربے میں بھگو کر اس کے منہ میں دے دیا، اس کا کچھ حجاب دور ہوا تو شاہ جی نے ایک آلو اس کے منہ میں بھگو کر اس کے منہ میں ڈال دیا۔ اس نے جب آدھا آلو دانتوں سے کاٹ لیا تو باقی آدھا شاہ جی نے خود کھالیا۔ اس طرح اس نے پانی پیا تو اس کا بچہ ہوا پانی شاہ جیؒ نے خود پی لیا۔ وقت گزر گیا وہ کھانے سے فارغ ہو کر غائب ہو گیا، اس پر رقت طاری تھی، وہ خوب رویا، اس کی کیفیت ہی بدل گئی، عصر کے وقت اپنی نوجوان بیوی جس کی گود میں ایک بچہ تھا، ساتھ لے کر آیا اور کہا شاہ جی! اللہ کے لئے ہمیں کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیجئے اور یوں میاں بیوی اسلام لے آئے۔ (بخاری کی باتیں ص:۳۴)

نفس کا علاج :

امین گیلانی بیان کرتے ہیں :

شاہ جیؒ کو مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے بفہ میں جلسہ کی دعوت دی۔ آخر جلسہ کا دن آ پہنچا، مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے کار بھیج دی کہ شاہ صاحب کو سفر میں آسانی رہے۔ مقامی حضرات نے ایک بس کرایہ پر حاصل کرلی، جس میں رضا کار اور مقامی

علماء بیٹھ گئے۔ جب روانگی کا وقت آیا تو شاہ جی مجھے (امین گیلانی) ساتھ لے کر باہر تشریف لائے، کار کا اگلا دروازہ کھول کر کہنے لگے، امین! تم بیٹھ جاؤ، میں نے عرض کیا شاہ جی میں پیچھے بیٹھوں گا، آپ آگے تشریف رکھیں۔ شاہ جیؒ نے لہجہ بدل کر کہا: امین میں حکم دیتا ہوں۔ یہیں بیٹھو، میں تعمیلِ حکم کے لئے آگے بیٹھ گیا۔ پچھلی سیٹ پر تین علماءِ کرام بیٹھ گئے، جب میں بیٹھ گیا تو فرمایا: ذرا کان ادھر کرو، میں متوجہ ہوا، تو میرے کان میں آہستگی سے کہا، تم جاؤ میں ایک گھنٹہ بعد تنہا بفہ پہنچ جاؤں گا۔ مولانا غلام غوث پوچھیں تو انہیں یہی بات الگ کر کے بتا دینا۔ میں بھونچکا سا رہ گیا، ڈرائیور کو حکم دیا، چلو بھائی! اللہ کا نام لے کر انہیں لے جاؤ اور شاہ جی جھٹ مکان میں چلے گئے۔ بس والوں کو کچھ پتہ نہ چلا۔ میرے پیچھے جو علماءِ کرام بیٹھے تھے، انہوں نے مجھ سے دریافت کیا، میں نے کہہ دیا، بفہ چل کر بتاؤں گا۔ الغرض ہم بفہ پہنچے تو شہر سے ایک ڈیڑھ میل قبل سینکڑوں سرخ پوش احرار رضا کار دورویہ استقبال کے لئے بندوقوں، کلہاڑیوں اور تلواروں سے مزین کھڑے تھے۔ کار دیکھتے ہی انقلاب زندہ باد، مجلسِ احرارِ اسلام کے فلک شگاف نعرے لگائے۔ ان دستوں نے ہوائی فائر داغے، مولانا ہزاروی خود استقبال کرنے والوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو تعجب سے پوچھا: امین! شاہ جی کہاں ہیں؟ میں اُتر کر انہیں الگ لے گیا اور ان کا حکم سنا دیا۔ مولانا ہزاروی کا چہرہ سرخ ہو گیا، فرمایا: میں سمجھ گیا ہوں، اچھا آ لینے دو شاہ جیؒ کو۔ ہم ایک بڑی حویلی میں جا کر اُترے جہاں قیام و طعام کا انتظام تھا۔ میں نے اعلان کر دیا، شاہ جی راستے میں ہیں، ابھی تشریف لے آئیں گے۔ آپ یہیں انتظار کریں، ایک گھنٹہ مکمل نہ گزرا ہو گا کہ شاہ جی تنہا چمک دار کلہاڑی

تھامے چادر میں سراپا لپیٹے حویلی میں پہنچ گئے اور چادر اُتار کر بلند آواز سے السلام علیکم کہا، مولانا ہزاروی آگے بڑھے اور اپنے غصے کو دبا کر عوام سے الگ لے جا کر کہنے لگے: میں جانتا ہوں آپ نے ایسا کیوں کیا؟ مگر میں نے یہ سب کچھ آپ کے نفس کو خوش کرنے کے لئے نہیں کیا تھا، میں نے دشمن انگریز کو جلانے کے لئے کیا تھا کہ ہم تمہارے باغی مجاہدوں کی اس طرح قدر کرتے ہیں۔ شاہ جی نے گردن جھکا کر کہا: مولانا معافی چاہتا ہوں، بس میں نے اپنے نفس کا علاج یہی زیادہ مناسب سمجھا تھا، پھر دونوں بزرگ گھل مل گئے۔ (ماخوذ بخاری کی باتیں ص: ۱۲۵ تا ۱۲۷)

جفاکشی اور دلیری :

اکثر علماء کے دورے بڑے شہروں میں ہوتے ہیں۔ لیڈروں کا تو کیا کہنا ان کے لئے تو تیار اسٹیج چاہیئے جہاں کہ وہ موٹر سے اتر کر ایک عدد لیکچر جھاڑ دیں۔ بعض مبلغین کبھی کبھار دیہات میں بھی چلے جاتے ہیں، مگر حضرت شاہ صاحب سب سے نرالے تھے۔ ان کی جوانی اور زندگی کا قابل فخر زمانہ ڈیرہ غازی خان، مظفر گڑھ، ملتان وغیرہ اضلاع کے خشک اور ریتلے میدانوں، گرم ہواؤں اور گردوغبار کے طوفانوں سے محبت میں گزرا۔ کبھی پیدل، کبھی گھوڑے اور کبھی اونٹ پر چلے جارہے ہیں۔

ان کو بے بس مسلمانوں کی غربت کھائے جارہی تھی۔ جو روایت ورسوم اور بدعات کے شکار ہونے کی وجہ سے مال ودولت کے ساتھ ناموس تک کو گروی رکھ دینے پر مجبور ہو جاتے۔

وہ جہاں جاتے۔ سطحی دورہ کر کے کبھی واپس نہ ہوتے نہ تقریریں بیچ کر کمائی کا حساب لگاتے۔ وہ ہر جگہ جم کر کام کرتے کہیں کہیں ڈیرہ ڈال دیتے اور تب نکلتے کہ

وہ علاقہ صاف ہو جاتا یا حق کی حامی جماعت بن جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جرأت و ہمت کا وہ جوہر عطا فرمایا تھا جو کم کسی کو نصیب ہوتا ہے، انگریزوں کے اقتدار کے زمانہ میں پرستارانِ فرنگی کے غضبناک ہجوم کے اندر فریب خوردہ جوشیلے اور نادان مسلمانوں کی مخالفت کے طوفان میں گھس کر حق کہنا اور پھر سب کے دلوں کو فتح کر لینا شاہ جی پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم تھا، کہیں کھانا دیر سے ملا۔ کہیں آرام کی جگہ نہیں۔ کہیں گرمی نے ستایا۔ اور کہیں روحانی اذیت پیش آئی۔ کبھی گرفتاری کا خطرہ لاحق ہوا اور کبھی جیل جانا پڑا کوئی بات ان کو راہ حق سے ہٹا نہ سکی۔

قدردانی :

حضرت شاہ جی میں ایک خاص وصف یہ تھا کہ وہ مظاہر فطرت کے آئینہ جمال قدرت کے جلوے دیکھتے اور ہر صاحب کمال کی قدر کرتے وہ فرعون مزاج فرنگی اور اس کے ایجنٹوں کے سامنے تیغ بے نیام تھے۔ تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں اور عاجز مخلوق کے لئے آنکھیں بچھاتے۔ کمال علم وکمال تقویٰ کی تعظیم میں ان کی کمر جھکی رہتی۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب قدس سرہ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے ملفوظات یا کسی تحقیق کا ذکر آتا تو مجسمہ سکوت وحیرت بن جاتے، کیوں نہ ہو۔ ولی را ولی مے شناسد۔

حضرت شاہ جی خود مجاہد اور احیاء سنت اور تردید شرک وبدعت کے علمبردار تھے۔ وہ ان جبال علم کی بلندیوں سے واقف اور ان کے فیوض باطنی سے لذت آشنا تھے۔ بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے خاندان نے جس نصب العین کو سامنے

رکھ کر جدوجہد شروع کی تھی حضرت شاہ جی نے اس کو سرانجام دینے میں اپنی ساری عمر صرف کر دی۔ اللہ تعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس قبر پر جس میں اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے اللہ کا نام بلند کرتے کرتے جا بسے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی پیروی نصیب کرے۔ (آمین)

علماء وصلحاء کا احترام :

الہ آباد (علاقہ بہاولپور) میں جلسہ ہو رہا ہے شاہ جی اپنی قیام گاہ میں معتقدین کی جھرمٹ میں بیٹھے ہیں۔ مجلس گرم ہے کہ اتنے میں جلسہ گاہ سے قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ مولوی عبدالحق صاحب احمد پوری تقریر فرما رہے تھے۔ شاہ جی آواز پہچان گئے اور حاضرین کو کہا ''میرے پاس بیٹھے کیا لو گے۔ جاؤ ریاست کا محدث بول رہا ہے۔ ان سے کچھ حاصل کر لو''۔

غالباً ۴۲ء کا ذکر ہے۔ پیلی راجن میں جلسہ ہو رہا تھا۔ رہائش گاہ کے اندرونی حصہ میں تشریف فرما تھے۔ کسی نے خبر دی کہ حضرت حافظ کریم بخش صاحب مرحوم بہاولپور گھلواں والے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ پان بنا رہے تھے۔ پان دان کھلا چھوڑ دیا اور اٹھ کھڑے ہوئے مکان سے باہر آئے تو نہر کے کنارے حافظ صاحب مرحوم کا اونٹ بٹھایا جا رہا تھا جلدی سے وہیں پہنچ کر استقبال کیا۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ آپ نے اس قدر تکلیف کیوں کی۔ اس پر شاہ جی نے فرمایا ''میری جدوجہد آپ جیسے بزرگوں کی دعاؤں کا ہی تو نتیجہ ہے۔ اگر آپ کا احترام نہ کروں تو اور کس کا''۔ (بخاری کی باتیں ص:۴۳)

تدبر و بصیرت اور مجسمۂ علم و حکمت :

امین گیلانی لکھتے ہیں :

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب اہلحدیث تھے، اگرچہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ سے پڑھا تھا، امرتسر میں مولانا ثناء اللہ اور ہم ایک ہی محلّہ میں کڑہ بھائی سنت سنگھ میں رہتے تھے اور ان کے پوتوں سے میرا بہت دوستانہ تھا بلکہ ذکاء اللہ مرحوم جو مولانا کا دوسرا پوتا تھا وہ تو مجلس احرار کا رکن بھی تھا۔ اس لئے مولانا مجھ سے ذرا بے تکلف تھے اور ہمیشہ شفقت فرماتے، ایک دن میں نے مولانا سے کہا: میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کی مسجد میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی تقریر کراؤں، مسکرا کر فرمایا: امین! مجھے تو کوئی عذر نہیں مگر کیا شاہ جی میری مسجد میں تقریر کرنے کو تیار ہوں گے، میں نے بڑے اعتماد سے کہا کیوں نہیں، انہیں کیا عذر ہوسکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا: ابھی پوچھ کر تو دیکھو تو میں شاہ جی کے پاس چلا گیا، اور کہا شاہ جی! آپ مولانا ثناء اللہ صاحب کی مسجد میں تقریر کریں گے، شاہ جی نے بھی میرے سوال پر ہنس کر فرمایا: کیا مولانا اپنی مسجد میں میری تقریر کی اجازت دے دیں گے۔ میں نے کہا کیوں نہیں؟ میری ان سے بات ہوئی تھی، انہیں تو کوئی عذر نہیں۔ شاہ جی نے کہا: اچھا اگر ایسا ہے تو مولانا سے دن اور وقت مقرر کر کے مجھے اطلاع دو، میں ضرور تقریر کروں گا۔ میں پھر مولانا کے پاس آیا اور ساری بات بتائی۔ مولانا نے فرمایا: یوں کرو فلاں تاریخ کو تاریخ یاد نہیں بس دو تین دن کا وقفہ دیا ہوگا۔ صبح جس وقت میں درس دیا کرتا ہوں میں درس دوں گا وہ آ کر تقریر فرمائیں، میں بھی سنوں گا۔ میں نے یہ بات شاہ جی سے کہہ دی، شاہ جی نے کہا ٹھیک ہے، تم اعلان کرا دینا میں از خود وہاں

پہنچ جاؤں گا، میرا انتظار کرنا۔ غرض اس دن کافی ہجوم ہو گیا۔ مولانا ثناء اللہ صاحب نے یہ کہہ کر آغاز کیا کہ جب تک شاہ جی نہیں آتے میں معمول کے مطابق درس دوں گا۔ جب شاہ جیؒ آ گئے میں درس بند کر دوں گا۔ ان کی تقریر ہوگی۔ مولانا نے دس پندرہ منٹ ہی درس دیا ہوگا کہ شاہ جیؒ تشریف لے آئے اور مسجد میں داخل ہوتے ہی جھک کر فوراً جہاں جگہ ملی بیٹھ گئے۔ مولانا نے انہیں دیکھا تو درس بند کر دیا اور فرمایا: آیئے شاہ صاحب! آپ کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔ شاہ جی نے کھڑے ہو کر کہا حضرت! آپ درس جاری رکھیں، تاکہ میں بھی کچھ علم کے موتی سمیٹ لوں، پھر بعد [illegible] بیان کر دوں گا، مولانا نہ مانے اور شاہ جی کو تقریر کے لئے کھڑا کر دیا گیا۔ پھر تقریر [illegible] جلسہ برخواست ہو گیا۔ اب مسجد کے اندر محراب کے پاس مولانا اور شاہ جی [illegible] اور مولانا کے عقیدت مند تھے۔ اب اس نجی گفتگو [illegible] نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ شاہ جی میری مسجد [illegible] خیریت کے بعد مولانا نے فرمایا: شاہ جی! [illegible] کے خلاف کام کیا۔ تحریریں لکھیں، مناظرے کئے مقابلہ کیا [illegible] رہا، آپ نے مجھے قادیان کانفرنس میں کیوں نہیں بلایا؟ مجھے اس بات کا [illegible] ہے، آپ نے میری خدمت کا لحاظ نہ کیا اور اس قدر بے توجہی برتی۔ بات بڑی [illegible] تھی، میں نے بھی دل میں مولانا کو اس سوال پر برحق سمجھا اور خیال کیا، دیکھیں شاہ جی کیا وجہ پیش کرتے ہیں؟ مگر شاہ جی کا یہ حال تھا کہ دستی رومال جو ان کے ہاتھ میں تھا [illegible] دونوں ہاتھوں سے مسلتے رہے، اور گردن جھکا کر یہی کہتے رہے حضرت! اس [illegible] پر بہت شرمندہ ہوں، بس کچھ صورتِ حال ہی ایسی تھی کہ میں معافی کا خواستگار ہوں اور پوری جماعت کی طرف سے اس کوتاہی پر معافی چاہتا ہوں، آپ ہمارے بزرگ ہیں'

اس غلطی کو نظر انداز فرمائیں، آپ کی اس سلسلہ میں خدمات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں، بس بھول ہوگئی، حضرت معاف فرمائیں، اس بار بار معافی کی التجا پر حضرت مولانا کے چہرہ پر کبیدگی کی جو سلوٹیں تھیں کھلتی گئیں اور آخر چہرہ پر طمانیت وسکون پھر انبساط کی لہر دوڑ گئی۔ شاہ جی نے رخصت چاہی، دونوں بزرگ کشادہ پیشانی سے بغلگیر ہوئے اور شاہ جیؒ واپس ہوئے۔

واپسی پر شاہ جیؒ کے ساتھ تانگے میں بیٹھ گیا اور میں نے کہا: شاہ جی! اصل راز کا مجھے اب پتہ چلا مگر واقعی مجلس احرار سے بڑی چوک ہوگئی کہ مولانا جیسے مشہور عالم شخص کو قادیان میں نہ بلایا۔ اب میرے اس سوال پر؟ شاہ جیؒ نے فرمایا: امین! یہ بات نہ تھی کہ ہم مولانا کو بھول گئے تھے۔ اصل واقعہ اور ہے وہ کانفرنس محض تبلیغی کانفرنس نہ تھی، وہ ایک سخت امتحان کٹھن گھاٹی اور زندگی وموت کا مرحلہ تھا، قید وبند کی مصیبتیں بھی تھیں۔ لاٹھی چارج، زدوکوب کرنے کا امکان بھی تھا، گولی چل جانے کا خطرہ بھی لاحق تھا۔ قادیان میں کانفرنس تو دشمن کے قلعہ پر نہتوں کے حملہ کے مترادف تھا، وہاں میں نے صرف انہی حضرات کو دعوت دی تھی جو ان مراحل میں ہمارے آزمائے ہوئے تھے۔ مولانا عمر رسیدہ بھی تھے اور کبھی ان مراحل میں سے گزرے بھی نہیں تھے۔ ہمیں ان کے متعلق کوئی تجربہ نہیں تھا کہ کسی کڑی آزمائش سے عہدہ برا ہوسکتے ہیں کہ نہیں بیشک مولانا کی قابلِ قدر خدمات اور مناظرانہ صلاحیتوں کا ہمیں اعتراف ہے مگر ہمارا راستہ خطرناک راستہ تھا، خدانہ کرے اگر مولانا اس پر پورے نہ اُتر سکتے تو یہ نہ صرف ہماری بلکہ تمام اہلِ حق کے لئے ندامت کا سبب بنتا، اس لئے احتیاط اسی میں دیکھی کہ مولانا کو ایسے موقع پر تکلیف نہ دی جائے، مگر ایسی بات میں انہیں منہ پر تو نہیں کہہ سکتا تھا، بزرگ ہیں، عالمِ دین ہیں، بہرحال ہمیں ان کا ادب

ملحوظ ہے، اس لئے معافی ہی مانگ کر ان کو راضی کر لیا۔ (بخاری کی باتیں ص ۱۳۱ تا ۱۳۴)

شیخ پر آنچ نہ آنے پائے :

تقسیم سے قبل لاہور دہلی دروازہ کے باہر جمعیت علماءِ ہند کی عظیم الشان کانفرنس شروع تھی۔ تمام انتظامی اُمور احراری رضا کاروں کے سپرد تھے۔ حضرت شاہ جی بھی تشریف فرما تھے۔ جب حضرت مدنیؒ تقریر کے لئے کھڑے ہوئے حضرت مدنیؒ کی تقریر کے آغاز ہی میں مخالفین یک دم مخالفانہ نعرے لگاتے ہوئے اُٹھے اور گروہ در گروہ اسٹیج کی طرف بڑھنے لگے۔ شاہ جیؒ نے یہ نقشہ دیکھا تو فوراً ابھر کر کھڑے ہو گئے، ہاتھ میں کلہاڑی تھی، حضرت مدنیؒ کی حفاظت میں کبھی دائیں کبھی بائیں کھڑے ہو کر مخالفین کی حرکات کا اندازہ کرتے رہے اور پکار پکار کر انہیں شرارت سے باز رہنے کی تلقین کی، مگر فسادی تھے کہ جیسے فیصلہ کر کے آئے ہوئے تھے کہ کسی کی نہیں سنیں گے اور کام کر کے جائیں گے۔ جب شاہ جی نے یہ دیکھ لیا کہ شرارت پسند حضرت کے قریب ہوتے جا رہے ہیں، تو بڑھ کر حضرت کے آگے سینہ سپر ہوئے اور مائیک پر نہایت پُر جوش انداز میں فرمایا :

''احرار کے جانباز رضا کارو ! میں جان گیا ہوں کہ ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں، میں نے تمہیں آج کے دن کے لئے جمع کیا تھا، دیکھنا شیخ پر آنچ نہ آنے پائے''۔

احراری جانباز پہلے ہی سے اشارے کے منتظر تھے، شاہ جی کا حکم پاتے ہی رضا کاروں نے دلیری کے وہ جوہر دکھائے کہ دس منٹ میں شر پسند عناصر سے پنڈال خالی ہو گیا۔ حضرت مدنیؒ نے تقریر فرمائی، کسی کو شرارت کی جرأت نہ ہوئی۔

دیانتداری کا فیصلہ :

تقسیم سے قبل مولانا شبیر احمد عثمانی نے باقاعدہ مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان فرمایا تو شاہ جی نے ایک جلسے میں فرمایا :

"سنو! کوئی دل میں یہ خیال نہ کرے کہ حضرتؒ نے تمام ساتھی علماء کو کسی خاص بنا پر چھوڑ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی ہے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ حضرتؒ کا یہ دیانتداری کا فیصلہ ہے، اب اِن کی رائے صحیح ہے یا دوسرے علماءِ کرام کی، یہ الگ بحث ہے، مگر جو شخص حضرتؒ پر بدیانتی کا الزام لگائے گا، یا انہیں بُرا کہے گا میں اس کے منہ میں خاک جھونک دوں گا"۔ (بخاری کی باتیں، ص: ۷۷)

تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا :

بہاولپور میں مقیم تھے۔ مولوی جمیل الدین صاحب انسپکٹر مدارس عربیہ تشریف لائے اور بتایا کہ ان کے استاد محترم قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی مرحوم (والد مولوی عبدالرحیم معلم جامعہ عباسیہ) بہاولپور میں رہائش پذیر ہیں اور شاہ جی سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔ لیکن صاحبِ فراش ہونے کے باعث قیام گاہ تک نہیں آسکتے۔ شاہ جی کے پاس وقت بہت تھوڑا تھا تاہم اسی وقت تیار ہو گئے اور کوچہ گل حسن میں قاری صاحب مرحوم کی فرودگاہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت قاری صاحب مرحوم بہت کمزور تھے شاہ جی کو دیکھ کر ان کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ کافی دیر تک بھولی بسری باتیں یاد دلاتے رہے۔ اور شاہ جی پر دعاؤں کے گجرے نچھاور کرتے رہے۔ جب شاہ جی نے اجازت طلب کی تو قاری صاحب مرحوم نے پانچ روپے کا نوٹ سرہانے کے نیچے سے نکال کر شاہ جی کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا شاہ جی نے معذرت کی اور فرمایا کہ

آپ جیسے بزرگوں کی خدمت تو مجھے کرنی چاہیے۔ آپ کیوں تکلیف فرمائیں۔ لیکن قاری صاحب مرحوم مصر رہے۔ اور اپنی بات منوا کے چھوڑی۔ ایک ساتھی نے جھٹ اپنی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکالا اور پورے ادب واحترام کے ساتھ حضرت قاری صاحب مرحوم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جوانہوں نے قبول فرمالیا۔ شاہ جی کے چہرے پر مسکراہٹ کے آثار ہویدا ہوگئے اور باہر آکر فرمایا: ''تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا''۔

تقویٰ:

سید امین گیلانی فرماتے ہیں:

فالج کے پہلے حملہ کے بعد جب شاہ جی کی طبیعت کچھ سنبھل چکی تھی۔ میں ملتان خدمت میں حاضر ہوا تو چارپائی سے اتر کر فرش پر آبیٹھے۔ اشعار سنتے رہے اور سناتے بھی رہے۔ پھر باتوں سے باتیں نکلتی رہیں۔ قرآن وحدیث، تاریخ وادب، لطائف وظرائف غرض محفل خوب جمی ہوئی تھی کہ اتنے میں ڈاکیہ آیا اور ڈاک دے گیا شاہ جی نے اپنے دوسرے فرزند مولانا سید عطاء المحسن بخاری سے کہا بیٹا تم پڑھ کر سناتے جاؤ بھائی عطاء المحسن نے جب ایک خط کے اس فقرہ کو ختم کیا کہ:

''آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ یہ رقم کیسی ہے؟ یہ روپیہ زکوٰۃ کا ہے جس جگہ مناسب ہو دیدیں''۔

یہ فقرہ سن کر شاہ جی نے بے ساختہ کہا الحمدللہ، الحمدللہ۔ میں کچھ چونکا کہ یہ زکوٰۃ کے روپے پر الحمدللہ کیسی؟ جب ڈاک سن کر فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا شاہ جی! یہ زکوٰۃ کے روپیہ پر الحمدللہ سمجھ میں نہیں آئی فرمایا کچھ دن ہوئے میرے نام ایک سو روپیہ کا منی آرڈر آیا تھا جس میں تفصیل کچھ نہ تھی کہ یہ روپیہ جماعت کے لئے ہے یا

میری ذات کے لئے ہے۔ پھر کچھ دوست مجھ پر اعتماد کرتے ہوئے صدقات اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی بھیج دیتے ہیں میں وہ روپیہ انہی حدود شرعی میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ مگر ان صاحب نے کچھ بھی تو نہ لکھا۔ پوچھا تو پتہ چلا کہ زکوٰۃ تھی۔ پھر اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر صدری کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ روپیہ میرے پاس محفوظ ہے۔ اس لئے الحمد للہ کہا میرا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ ساری عمر انگریز کی مشینری کانگرس اور سکھوں سے روپیہ لینے کا الزام شاہ جی پر لگاتی رہی۔ کوئی ان سے پوچھے کہ اس روپے کا کسے علم تھا، جس کی شاہ جی نے اتنی تحقیق اور فکر کی ہو۔ (بخاری کی باتیں ص:۶۲)

تصویر اور آواز :

۱۹۳۰ء میں پہلی مرتبہ حضرت امیر شریعتؒ کی تصویر اخبارات میں شائع ہوئی۔ ممبئی کانگریس میں مس سروجنی نائیڈو کی تقریر سن رہے تھے کہ کیمرے کی آنکھ نے انہیں غافل پاکر فوٹو چوری کرلیا۔ اور پھر یہی تصویر متحدہ ہندوستان کے ہفتہ وار انگریزی اخبار ''ممبئی کرانیکل'' اور روزنامہ ''امرت بازار پتریکا'' میں شائع ہوئی۔ دوسری تصویر ''ڈمڈم'' کے جیل خانہ میں کشمیر کے کیپٹن عبدالرشید کے ساتھ ان کے اصرار پر بنگالی نوجوانوں نے اتاری، جو ملاقات کے لئے آئے تھے۔

امیر شریعتؒ بذات خود تصویر کے خلاف تھے، اس کے باوجود ان کی تصویریں گاہے گاہے دیکھنے میں آئیں۔ مگر یہ واقعہ ہے کہ ان میں ان کی رضا شامل نہ تھی۔ ۱۹۳۵ء میں ملتان کے مشہور عکاس چودھری بشیر احمد نے چوک حسین آگاہی میں جب اپنا نگار خانہ ترتیب دیا تو کسی بہانے حضرت امیر شریعتؒ کو وہاں لے گیا۔ چوہدری بشیر احمد کے والد ڈاکٹر رحیم بخش مرحوم کی تصویر وہاں آویزاں تھی۔ مرحوم

اگر چہ حضرت امیر شریعتؒ کے مرید نہیں تھے، پھر بھی انہیں حضرت امیر شریعتؒ سے بڑی عقیدت تھی، حضرت امیر شریعتؒ کی نظر بے اختیار ان پر جا پڑی اور کچھ دیر تک تصویر کو دیکھتے رہے۔ اس موقعہ پر کیمرہ مین نے بڑی حکمت سے کیمرہ کو تصویر کی پناہ میں رکھ کر وقت کا تعین کر دیا تھا۔ اچانک ٹک کی آواز پر امیر شریعتؒ چونک پڑے، اور بڑی حیرت سے پوچھا ''یہ کیا؟'' آخر انہیں پتہ چل گیا کہ میری تصویر اتار لی گئی ہے۔ اس پر سخت ناراض ہوئے، اور فوٹو گرافر سے وعدہ لیا، یا تو اسے ضائع کر دینا یا عام نہ کرنا، لیکن اس کے باوجود یہ تصویر اخبار والوں کے ہاتھ آ گئی، اور یہ وہی تصویر ہے جو اخبارات میں عام شائع ہوتی رہتی ہے، اس پر حضرت امیر شریعتؒ جب بھی فوٹو گرافر سے ملتے تو اسے ''میرے آذر'' کہہ کر پکارتے۔

۱۹۵۷ء میں روزنامہ ''آزاد'' کے لئے حضرت امیر شریعتؒ کی تصویر بنانی چاہی، لیکن انہیں پتہ چل گیا اور اس قدر بگڑے کہ دو سال تک تصویر بنانے والے سے بات نہیں کی۔

اپنی تقریر پر استغفار :

۱۹۴۲ء یا ۱۹۴۴ء میں مظفر گڑھ کے ڈپٹی کمشنر مسٹر مسعود (موجودہ ایڈمنسٹریٹر محکمہ اوقاف) کی خواہش پر مولانا مجاہد الحسینی نے ایک اجتماع میں ٹیپ ریکارڈ لگا دیا، تا کہ امیر شریعتؒ کی تقریر ریکارڈ کی جا سکے۔ اس جلسے کی صدارت بھی ڈپٹی کمشنر ہی کر رہے تھے اور ٹیپ ریکارڈ بھی انہی کا تھا۔ ان دنوں مسٹر مسعود شاید واحد آدمی تھے جن کے پاس یہ آلہ تھا۔ مسٹر مسعود باوجود سرکاری گزٹیڈ آفیسر ہونے کے ہمیشہ کھدر پوش رہے اور ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امیر شریعتؒ نے ہمیشہ ان سے محبت کی۔

تقریر کے دوسرے دن انہوں نے امیر شریعتؒ کو چائے پر بلایا اور دوسرے کمرے میں تقریر کا ریکارڈ لگایا۔ امیر شریعتؒ نے اپنی آواز پہچان لی اور بڑے حیران ہوئے، جب انہیں اس نئی ایجاد کا علم ہوا، تو اسے بڑا پسند کیا، اس پر گھر میں آ کر کہا:

''آج میں نے اپنی تقریر سنی ہے، میں بہت اچھا بول لیتا ہوں''

یہ کہہ کر استغفر اللہ پڑھا اور رونے لگ گئے۔

میری تصویر میرے افکار ہیں:

شورش کاشمیری رقم طراز ہیں:

''ایک دفعہ کسی فوٹو گرافر نے ان کی تصویر لینا چاہی تو چہرے پر رومال ڈال لیا اور اُسے ڈانٹ کر بٹھا دیا۔ کیا کرتے ہو میاں؟ میری تصویر بنا کر کیا کرو گے؟ میری تصویر میرے افکار ہیں، میرے خیالات کو اُتار سکتے ہو تو دل کے فوکس میں اُتار لو، یہ سب سے اچھی تصویر ہوگی۔ دنیا میں نہ سہی عاقبت میں کام آئے گی اور ہاں میری تصویر....؟''

میری تصویر میرا یہ بیٹا ہے:

بیٹا پاس بیٹھا ہوتا تو اس سے کہتے کھڑے ہو جاؤ شاہ جی۔ فوٹو گرافر سے مخاطب ہو کر....میری تصویر میرا یہ بیٹا ہے، اس کو دیکھ لو۔ اور ہاں میری نظر سے دیکھنا۔ کتنی اچھی تصویر ہے۔

سیاست میں مقلد تھا شریعت میں نہیں:

شاہ جی کو مصوری اور عکاسی کی خلقی اور غیر خلقی بحثوں سے کوئی واسطہ نہ

تھا۔ وہ انہیں کٹ حجتی سمجھتے کسی نے عرض کیا۔ فلاں فلاں بزرگ کی تصویر بن چکی ہے۔ مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد کی۔ جن سے شاہ جی کو خصوصی ارادت تھی۔ شاہ جی فرماتے تم ٹھیک کہتے ہو لیکن میں سیاست میں ان کا (مولانا آزاد کا) مقلد تھا شریعت میں نہیں۔ میرے لئے ان کا کوئی فعل حجت نہیں۔ بابو! میرے میاں ﷺ نے فوٹو کھینچوانے سے منع فرمایا ہے ان کے قول کے بعد سب اقوال ہیچ ہیں۔ (سوانح افکار ص ۱۹)

چوک میں رکھ کر جوتے مارنا :

خان لیاقت علی خان مرحوم کے دور میں جب انتخابات میں کوئی مرزائی الیکشن میں کامیاب نہ ہوسکا بلکہ جتنے مرزائی اُمیدوار تھے، مجلس تحفظ ختم نبوت نے ان کے علقوں میں ایسے ڈیرے لگائے کہ سب کی ضمانتیں ضبط ہوئیں۔ پھر مجلس کی طرف سے لاہور میں یوم تشکر منایا گیا۔ شاہ جی کی وہ تقریر بڑی معرکۃ الآراء تھی جب تقریر کررہے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چہرہ کے گرد نور کا ہالہ ہے، کسی اخبار کے کیمرہ مین نے تصویر اُتاری تو کیمرہ کے فلش کے چمکنے سے شاہ جی سمجھ گئے کہ اس نے تصویر اُتاری ہے، جھٹ فرمایا: ''کر گئے اپنا کام''۔ پھر گرج کر عوام سے کہا :

> ''جب صبح کے اخبار میں میری تصویر چھپ کر آئے تو تمہیں خدا کی قسم ہے چوک میں رکھ کر جوتے مارنا اس کسرنفی پر تمام مجمع حیران رہ گیا''۔ (بخاری کی باتیں، ص:۱۲۸)

غالباً اشارہ اس طرف تھا کہ فوٹو اور تصویر کا اہتمام بت پرستی اور شرک کا موہم ہے۔ دوسرا اشارہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خطیب کی کوتاہی اور غفلت کے نتیجے میں میری تصویر کھینچ گئی۔ لہٰذا اس کی توقیر نہیں بلکہ تحقیر کرنی چاہیے۔

اگر ہم دنیا میں عزت چاہتے ہیں، مال و دولت چاہتے ہیں، جائز شہرت چاہتے ہیں۔ خدا اور اس کی مخلوق کی رضا چاہتے ہیں تو ہمیں خلق خدا کی بھلائی کے کام کرنا ہوں گے۔ مسکینوں کی امداد کرنا ہوگی۔ عجز کا رویہ اختیار کرنا ہوگا تقوٰی اور خشیت الٰہی کو شکار بنانا ہوگا ہر بھلے اور اچھے کام پر دوام اختیار کرنا ہوگا تب کہیں جا کر گوہر مقصود ہاتھ آئے گا۔



باب چہارم

قرآن سے محبت، انگریز سے نفرت

سراپا علم وعمل

قرآن مجید سے امیر شریعتؒ کو بے پناہ محبت تھی۔ فرمایا کرتے دوستو! قرآن کریم کو جب سے پڑھا ہے کوئی اور کتاب پڑھنے کو دل نہیں کرتا۔ قرآن شریف خود بولتا ہے کہ میں محمدؐ پر اتارا گیا ہوں۔ ایسی ہستی اس کتاب کو لے کر آئی جو امانت دار ہے اللہ اللہ ایسی کتاب کی بلاغت کے صدقے جایئے جس کے چیلنج کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا۔ امیر شریعتؒ کے والد محترم ضیاء الدین صاحب قرآن مجید کے پختہ حافظ تھے۔ ان کی آغوشِ تربیت ہی میں شاہ جی نے چھوٹی عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا۔

قاری عمر عاصمؒ سے تلمذ :

شاہ صاحب اٹھارہ سال کے پیٹے میں تھے۔ محمد عمر عاصم نامی کویت کا ایک شخص جو سلطان عبد الحمید والئی ترکی کے بچوں کو قرآن کریم پڑھانے پر مامور تھا۔

سلطان کی اس سے قدرے ناراضگی ہوگئی اور وہ ترکی چھوڑ کر ہندوستان کی سیاحت کے لئے نکل آیا۔ سیر وتفریح کے دوران جب وہ پٹنہ آیا تو یہاں کی آب وہوا نے اسے متاثر کیا اور ایک مدت وہ یہیں رہا۔ قدرت نے اس کے گلے میں رس اور آواز میں سوز عنایت کیا تھا۔ وہ جب کبھی موج میں آکر قرآن کریم پڑھتا تو غیر مسلم بھی مسجد کے گرد جمع ہو جاتے۔

شاہ جیؒ کو اخذِ فن میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ وہ اکثر محمد عمر عاصم کے لہجہ میں قرآن کریم پڑھتے۔ ایک دن شاہ جی ان کی نقل کر رہے تھے کہ ان کی نگاہ میں آگئے۔ وہ بہت خوش ہوئے اور شاہ جیؒ کو فنِ قرأت سکھانے کے لئے اپنے تلمذ میں لے لیا۔ نتیجۃً شاہ جی قرأتِ قرآن میں یکتا ہوگئے۔ قاری محمد عمر عاصم کچھ عرصہ بعد کویت لوٹ گئے۔ ایک زمانہ میں امرتسر کے مولوی عبداللہ کویت گئے تو قاری صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی۔ قاری صاحب نے ان سے پوچھا ایک نوجوان سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مجھ سے قرآن پڑھا کرتا تھا۔ اس سے واقف ہو؟ مولوی صاحب موصوف نے قاری عمر عاصم کو بتایا کہ وہ عطاء اللہ شاہ اب ملک گیر شہرت کا مالک ہے۔ پورا ہندوستان اس کا شیدائی ہے۔ قاری عمر عاصم یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

(سوانح وافکار ص: ۴۵)

قرآن کا اعجاز:

شاہ جی فرمایا کرتے میں قرآن مجید کے علاوہ کوئی دوسری کتاب پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں۔ جو کچھ ہے قرآن وسنت اور فقہ میں ہے۔ جو کچھ اس کے باہر ہے وہ باطل ہے اور ایک باطل شے کے مطالعہ کے لئے میرے پاس وقت

نہیں ہے۔ آج دنیا قرآن کو چھوڑ کر دوسری کتابوں کی طرف نگاہ کر سکتی ہے تو میں کیوں نہ دوسری کتابوں سے روگردانی کر کے اپنی تمام تر توجہ قرآن پر مرتکز کروں۔ میں تو قرآن کا مبلغ ہوں۔ میری باتوں میں اگر تاثیر ہے تو صرف قرآن کی وجہ سے ہے۔ جو چیز مجھے قرآن سے الگ کردے اُسے آگ لگادوں۔

قرآن کریم کا اعجاز تھا کہ حضرت امیر شریعتؒ ماحول پر چھا جاتے تھے اور مومن وکافر دوست دشمن اور اپنے پرائے سب کے سب اعتراف حق سے گردنیں جھکا لیتے۔ آپ قرآن کریم کے ترجمہ کے لئے حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمہ کو اولیت دیتے اسی کو بیان فرماتے اسی کی تلقین کیا کرتے اور اس ترجمہ کی خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔

شاہ عبدالقادرؒ کا ترجمہ قرآن :

شاہ صاحب کے ترجمہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ مفرد کا مفرد سے اور جمع کا جمع سے اور محاوراتِ عرب کا ہندی محاوروں سے ترجمہ فرماتے اگر قرآن ہندوستان میں اور اردو زبان میں نازل ہوتا کم وبیش وہی زبان ہوتی جو شاہ عبدالقادر نے لکھی ہے"۔

قارئین کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ ولی اللہی خاندان کے لعلِ جہاں تاب تھے آپ نے قرآن کریم کا ترجمہ چالیس برس میں مکمل کیا اور غالباً روزے بھی مسلسل رکھتے تھے مشہور ہے کہ دلی کی جامع مسجد میں پتھر سے ٹیک لگا کر آپ ترجمہ لکھا کرتے تھے وہ پتھر بھی درمیان سے گھس گیا تھا (اللہ اکبر)

حضرت امیر شریعتؒ کی روح اور وجدان قرآن کریم میں رچ بس گیا تھا۔

بعض آیات کا ترجمہ تو ایسا بھی کرتے جو مکتوب ومنقول نہ ہوتا مگر ماحول، واقعات اور طبقات کی مناسبت سے ایسا فٹ بیٹھتا کہ علماء بھی عش عش کر اٹھتے اور داد وتحسین میں بے اختیار ہو جاتے۔

ایک مجلس میں جو علماء سے کچھا کھچ بھری ہوئی تھی۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہ تشریف فرما تھے۔ گفتگو کے دوران اچانک حضرت شاہ صاحب نے علماء سے پوچھا کہ آپ لوگ ذی علم ہیں درس وتدریس آپ کا شغل ہے۔

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔ (مؤمن:۵۰)

کا ترجمہ کیا کریں گے؟ تمام علماء نے وہی جو مکتوب ومروج ترجمہ ہے اسی کا اشارہ کیا ہے لیکن حضرت امیر شریعتؒ نے فرمایا: میرے نزدیک یہاں "ما" نافیہ ہے اور ترجمہ یوں ہوگا: "نہیں پکار کافروں کی مگر بھونک"۔

حضرت لاہوری قدس سرہٗ نے سن کر خوب داد دی۔

علماءٔ خدا کی رحمت :

شاہ جیؒ کے صاحبزادے مولانا عطاء المحسن لکھتے ہیں :

غالباً سن ۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ تقسیم اسناد پر ملک بھر سے آئے ہوئے علماء حضرات شیخ الحدیث مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) حضرت مولانا محمد یوسف بنوری حضرت مولانا محمد عبداللہ رائے پوری اور دیگر اکابر علماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی معیت میں حضرت امیر شریعتؒ کی عیادت کے لئے ان کے دولت کدہ پر تشریف لائے راقم الحروف (عطاء المحسن) بھی موجود تھا۔ حضرات کی خدمت پر مامور تھا۔ چائے لایا اور ماحضر بھی، چائے نوشی اور بیمار پرسی کے بعد واپسی کے لئے حضرات نے اجازت چاہی تو فرمایا "میں کیسے کہوں کہ رحمت

میرے گھر سے چلی جائے آپ کا یوں تشریف لانا مجھ ناکارہ پر اللہ کا کرم ہے اور جی تو یہ چاہتا ہے کہ آپ یونہی بیٹھے رہیں اور میں رحمتوں کی بارش میں لطف وکیف سرمدی پاتا رہوں''۔

محفل عشاق :

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ نے اکوڑہ خٹک واپس جانا تھا۔ انہوں نے بڑی معذرت کے ساتھ فرمایا: جی تو ہمارا بھی آپ سے جدا ہونے کو نہیں چاہتا حضرت بنوری نے بھی بڑی عذر خواہی سے رخصت چاہی تو حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔ دعا فرمائیں جب دعا ہو چکی تو آپ نے فرمایا: وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَار۔ اور ساتھ ہی ترجمہ یوں فرما دیا (پنجابی میں) (تے پوری پا ساڈی نال نیکاں دے)

حضرت الاستاد مولانا خیر محمد نے اس ترجمہ کی اتنی داد دی کہ مجمع حیران ہو گیا۔ آپ اس قدر داد وتحسین کے عادی نہ تھے لیکن میں نے دیکھا کہ مولانا کا چہرہ تمتما اٹھا اور خوشی سے باچھیں تک کھل گئیں اور آپ بار بار فرماتے ماشاء اللہ ماشاء اللہ اور فرماتے ''اس سے بہتر لفظی ترجمہ اور ہو نہیں سکتا ماشاء اللہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے''۔ اس پر حضرت امیر شریعتؒ نے فرمایا کہ اس ترجمہ سے غلام احمد قادیانی کی توفی کی رگ بھی کٹ جاتی ہے کہ توفی کا معنی موت نہیں یوں ہی اس نے کھینچ تان کر توفی کو مُردوں پر فٹ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس پر پھر حضرت مولانا اور تمام علماء نے خوب داد دی اور یوں یہ محفل عشاق امید فردا پر برخاست ہوئی...... ع اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخ زیبا لیکر

حضرت رائے پوریؒ کی شہادت :

حضرت امیر شریعتؒ کی تلاوت قرآن اور بیان وتبیان قرآن کی تعریف مرشد

احرار حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ ضریحہ سے خود راقم نے یوں سنی۔ جس کا مفہوم یوں ہے :

''اجی ہمارے حضرت شاہ صاحب جیسا کون ہوگا ایسے جذبوں اور عمل والا شخص تو ہم نے دیکھا ہی کم ہے آپ آیت من آیات اللہ تھے''۔

''اگر شاہ صاحب چاہتے تو دنیا میں بادشاہی کرتے لیکن آپ نے تو حضور ﷺ کی اتباع میں قرآن اور فقر اختیاری کو زینتِ دنیا اور تفاخر پر ہمیشہ ترجیح دی ہمارے شاہ صاحب بے مثال انسان ہیں۔آپ نے قرآن کی خدمت سے وہ مقام حاصل کیا جو بڑے بڑوں کے نصیب نہ ہوا۔ان کی باتیں تو عطاالٰہی ہوتی ہیں''۔

(امیر شریعت نمبر ص:۲۷۲)

گل وبلبل :

جانباز مرزا بیان کرتے ہیں :

حضرت امیر شریعتؒ اور احرار گل وبلبل کی طرح لازم وملزوم ہیں شاہ جی کا ذکر خیر احرار کے ذکر کے بغیر ادھورا اور احرار کا ذکر شاہ جی کے بغیر بیکارِ محض ہے۔آپ نے چونکہ اپنی ملی زندگی مجلس احرار اسلام کے پلیٹ فارم پر ہی بتادی اور اسی پلیٹ فارم سے آپ نے دشمنِ دین وایمان فرنگی سامراج، اس کے خود کاشتہ پودے مرزائیت اور فرنگی کے ٹوڈیوں کو پورے ہندوستان میں للکارا اور ان کی دنیاوی حیثیت کو لتاڑا اور بیچ چوراہے میں انہیں پچھاڑا۔ پیرانِ تسمہ پا اور علماء سوء کے پیچ در پیچ بدرنگ عماموں کے پیچ وخم کھولے ان کی قباء زور کو تار تار کیا اور ان کی گدیوں کی چولیں ڈھیلی کر دیں آپ رمایا کرتے تھے۔

مجھے قرآن کے سوا کچھ نہیں آتا :

''علماء کرام، پیران عظام ! میں نے قرآن کی ایک آیت پڑھی تو اس نے مجھے چین سے نہ بیٹھنے دیا میں اللہ کے سب سے بڑے دشمن سے لڑ گیا اور اپنی زندگی کے حسین گیارہ سال جیل میں گزار دیئے زندگی سفر میں کٹ گئی۔ لاکھوں انسانوں کے دل سے فرنگی کا خوف دور کیا لیکن قربان جاؤں تمہارے ہاضمہ کے آپ پورا قرآن کریم اور لاکھوں احادیث ہضم کر گئے مگر ٹس سے مس نہ ہوئے''

ان زخم خوردہ لوگوں کے حاشیہ نشین شاہ صاحب کے تابڑ توڑ عوامی حملوں سے بہت مضطرب ہوئے تو ایک ''کرنٹے'' نے کہا عطاء اللہ شاہ کو قرآن کے سوا کیا آتا ہے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

''ہاں بھائی واقعی مجھے قرآن کے سوا کچھ نہیں آتا۔ الحمد للہ، الحمد للہ، ثم الحمد للہ! کہ مجھے قرآن کے سوا کچھ نہیں آتا۔ میری دعا ہے کہ قرآن کے سوا مجھے کچھ بھی نہ آئے۔ لیکن یہ صاحب جو مجھے طعنہ دیتے ہیں ان کا یہ عالم ہے کہ خود انہیں قرآن ہی نہیں آتا۔

ایک دفعہ لاہور دفتر احرار میں چند نوجوان آئے اور انہوں نے قرآن اور دیگر کتابوں کے موازنہ کی گفتگو کی تو آپ نے فرمایا :

''میاں تم قرآن کریم کو الہامی کتاب مان کر نہ پڑھو عربی ادب عالیہ کی کتاب سمجھ کر ہی پڑھ لو تو تمہاری روح پاک ہو جائے گی''۔

حضرت امیر شریعتؒ کا یہ قول بہت مشہور ہے کہ آپ نے ''یونیورسٹائزڈ'' طبقہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

''بابو لوگو! قرآن کریم ہماری طرح نہ سہی اقبال کی طرح پڑھ لو! دیکھو اقبال

نے قرآن ڈوب کر پڑھا تو تہذیب فرنگ پر ہلہ بول دیا''۔

قرآن سے محبت انگریز سے نفرت :

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ ہے قرآن۔ اور مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز۔ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کردی ہے۔ محبت اور نفرت کے یہ دو زاویئے ایسے ہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو ان کے لئے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے۔ جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے اور کبھی جستجوئے منزل کا تقاضا پہنچادیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اب جیل خانے کی ''آبرو'' پر بوالہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے۔ اور ع جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

زمانۂ تحریکِ خلافت کی یادیں :

لیکن ۲۱ء کے تحریک خلافت کے زمانہ قید پر جب غور کرتا ہوں تو نگاہوں میں ایک تصویر سی کھینچ جاتی ہے۔ میانوالی ڈسٹرکٹ جیل میں احباب کی ایک یادگار بزم، سب اہل ذوق، اہل نظر، اہل دل اور اہل علم جمع تھے۔ مولانا احمد سعید دہلوی حدیث پڑھایا کرتے۔ عبدالمجید سالک دربار اکبری کا سبق دیتے، مولوی لقاء اللہ کی تلی تلی باتیں گفتگو میں رس پیدا کرتیں۔ صوفی اقبال پانی پتی کے ''اشقلے'' خدا کی پناہ! عبداللہ چوڑی والے کی ٹکسالی گالیاں تبرک کی طرح تقسیم ہوتیں اور آصف علی کھلتے تو پھولوں کے تختے بچھ جاتے۔ جی خوش کرنے کے لئے مشاعروں کا اہتمام ہوتا۔ کبھی

سالک صدر ہوتا کبھی آصف اور کبھی ..... ع قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

اختر علی نے ایک دفعہ معرکہ کی غزل سنائی۔ سب لوٹ پوٹ ہو گئے۔ میرا ماتھا ٹھنکا کچھ یاد سا آ گیا۔ میں نے اختر سے کہا۔ میاں مقطع کہو۔ وہ کسی قدر جھینپا میں نے کہا تو لو پھر مجھ سے سنو مقطع یہ تھا ...... ۔

جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو
امیر مسجد جامع میں آج امام نہیں

(حیات امیر شریعت ص ۸۔)

لعنت بر پدرِ فرنگ :

شورش کاشمیری بیان کرتے ہیں۔

ایک دفعہ میں نے ان کے بچوں کے متعلق عرض کیا۔ شاہ جی! انہیں انگریزی پڑھائیے۔ انگریزی مدرسوں میں بھیجئے اور ممکن ہو تو وکیل بنائیے۔ آئندہ معاشرے کی باگ ڈور قانون دانوں کے ہاتھ میں ہے۔ بس اس پر بگڑ گئے۔ تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ انہیں زندہ دفنا دو۔ لعنت بر پدر فرنگ۔

فرنگی بابا :

میاں یہ سب کچھ میں نے بھی پڑھا ہے تم فرنگی بابا کو نہیں جانتے اس نے روحیں قتل کر دی ہیں، روحیں۔ اسلام اٹھ گیا مسلمان رہ گئے۔ ہائے اکبر کس وقت یاد آیا ہے ...... ۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

میرا ایک ہی دشمن ہے انگریز :

فرمایا۔ یہ فیصلہ تو آپ کیجئے کہ میری کنٹری بیوشن (انگلش سپیل) کیا ہے میں تو یہ جانتا ہوں کہ میں نے لاکھوں ہندوستانیوں کے ذہن سے انگریز کو نکال پھینکا ہے میں نے کلکتہ سے خیبر تک اور سرینگر سے راس کماری تک دوڑ لگائی ہے وہاں پہنچا ہوں جہاں دھرتی پانی نہیں دیتی۔ ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ غیر ملکی طاقت سے گلوخلاصی حاصل ہو۔ اس ملک سے انگریز نکلیں، نکلیں کیا، نکالے جائیں۔ تب دیکھا جائے گا کہ آزادی کے خطوط کیا ہوں گے؟ آپ تو نکاح سے پہلے چھوہارے باٹنا چاہتے ہیں۔ پھر میں کوئی دستوری نہیں، سپاہی ہوں۔ تمام عمر انگریز سے لڑتا رہا اور لڑتا رہوں گا۔ اگر اس مہم میں سور بھی میری مدد کریں تو میں ان کا منہ چوم لوں گا۔ میں تو ان چونٹیوں کو شکر کھلانے کے لئے تیار ہوں جو صاحب بہادر کو کاٹ کھائیں خدا کی قسم! میرا ایک ہی دشمن ہے۔ انگریز۔ اس ظالم نے نہ صرف مسلمان ملکوں کی اینٹ سے اینٹ بجائی بلکہ ہمیں غلام رکھا۔ مسلمانوں میں جعلی نبی پیدا کئے۔ پھر اس خود کاشتہ پودے کی آبیاری کی اور اب اس کو چہیتے بچے کی طرح پال رہا ہے۔ (سوانح وافکار ص ۲۲۔۲۷)

میرا ملک چھوڑ کر تشریف لے جائیے :

یہ ۱۹۳۰ء کا اواخر ہے شاہ جی جیل میں ہیں۔ ایک اعلیٰ انگریز حاکم معائنے کے لئے آتا ہے۔ اور امیر شریعتؒ سے مخاطب ہوتا ہے۔

کہیئے کیا حال ہے آپ کا؟

اللہ کا شکر ہے۔ بے نیازانہ جواب ملتا ہے۔

کوئی سوال؟ بااختیار حاکم دوبارہ پوچھتا ہے۔

میں صرف اللہ سے سوال کرتا ہوں۔

نہیں میرا مطلب ہے کہ کوئی خدمت ہو تو بتائیں۔

شاہ جی سر اٹھا کر پورے وقار اور متانت سے جواب دیتے ہیں۔

جی ہاں! آپ میرا ملک چھوڑ کر تشریف لے جائیے۔

حاکم خاموش ہو کر آگے بڑھ جاتا ہے۔

انگریز اور مرزائی :

ایک محفل میں شاہ جی نے فرمایا: ''میری دوستی اور دشمنی صرف ایک ہی دفعہ ہوتی ہے''۔ اس پر ایک شعر پڑھا ......

دل نیست کبوتر کہ پرد و باز نشیند
از گوشہ بامے کہ پریدیم پریدیم

بس اسے کنارہ کشی سمجھئے یا دشمنی۔ میری طرف سے صرف اتنا ہوتا ہے الحمد للہ کہ میں نے آج تک نہ کسی کے متعلق برا سوچا ہے اور نہ ہی برا کیا ہے۔ ہاں انگریز اور مرزائی کے متعلق جہاں تک بس چلا برا سوچا اور کیا بھی۔

اس پر مولانا یاسین نے کہا یہ تو پھر ضد ہے۔ امیر شریعتؒ نے پھر فرمایا:

''جاہل! یہ ضد نہیں ایمان ہے حدیث میں کیا پڑھا ہے... کہ مومن کو دو مرتبہ ایک ہی سوراخ سے ڈسا نہیں جا سکتا''۔ (حیات امیر شریعت ص ۴۳۲)

اب یہ ٹوپی نہیں اُترے گی :

ایک دفعہ شاہ جیؒ نے ڈم ڈم جیل کا قصہ سنایا کہ انگریز کے خلاف تحریک میں

ڈم ڈم جیل میں بہت سے قومی رضا کار بھی تھے اور حضرت مدنیؒ بھی تھے مگر ہم اکٹھے نہ تھے۔ حضرت مدنیؒ مجھ سے الگ دوسرے احاطہ میں بند تھے۔ ایک روز میں نے اڑتی اڑتی یہ خبر سنی کہ ''انسپکٹر جیل خانہ جات آیا ہے اس کا نام سمن تھا (یہ انگریز آخر کار بنگال میں انقلاب پسندوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا) اور جن رضا کاروں کے سر پر گاندھی ٹوپی دیکھتا ہے اسے وہ خود اتار کر پاؤں میں مسل دیتا ہے۔ شاہ جی فرمانے لگے، اس خبر سے میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ میں نے کہا، اچھا اگر میری طرف آ گیا تو اس کی خیر نہیں اور میں نے سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں نے کہا اگر شرافت سے پیش آیا تو شرافت سے جواب دوں گا، اگر اس نے میری ٹوپی پر ہاتھ بڑھایا تو میں بھی اسے گرا کر شہ رگ ایسی کاٹوں گا کہ بچ نہ سکے۔ شاہ جی نے فرمایا: آخر وہ وقت آ گیا، میں احاطہ میں ٹہل رہا تھا کہ احاطہ کا دروازہ کھلا ''انسپکٹر جیل خانہ جات'' داروغہ جیل جو ہندو تھا اور چند جیل وارڈن دیکھے کہ میری طرف آ رہے ہیں۔ اس انگریز نے آتے ہی کہا، یہ ٹوپی اتار دو، میں نے بے باکی سے جواب دیا نہیں اُتاروں گا۔ وہ غصے میں آگے بڑھا اور ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ میری ٹوپی اُتارے میں نے پہلے ہی پینترا جمایا ہوا تھا۔ (اس موقع پر شاہ جی نے اُٹھ کر وہ نقشہ عملاً ظاہر فرمایا) فوراً دایاں ہاتھ اس کے دائیں ہاتھ کی کلائی پر ڈال کر ایسا جھٹکا دیا کہ اس کے حواس خطا ہو گئے اور یکدم نرمی اختیار کر لی۔ ادھر داروغہ جیل نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔

شاہ جیؒ فرمانے لگے : اگر وہ اب بھی باز نہ آتا تو میرا پکا ارادہ یہی تھا کہ میرے پاس اور تو کچھ ہے ہی نہیں اس کی شہ رگ دانتوں سے کاٹ دوں گا، مگر وہ میرے تیور پہچان کر یکدم نرمی اختیار کر گیا، اور کہنے لگا کہ آپ کو اس ٹوپی کا احترام

کیوں ہے؟ یہ تو گاندھی جو ایک ہندو ہے اس کی ٹوپی ہے۔ شاہ جیؒ نے کہا یہ غلط ہے یہ اجمل کیپ ہے اسے حامد کیپ بھی کہتے ہیں۔ امروہہ مراد آباد اور یوپی کے بہت مقامات میں اس کو اکثر مسلمان شرفاء پہنتے ہیں۔ اس نے کہا بہرحال آپ یہ ٹوپی میرے کہنے پر اُتار دیں۔ میں نے جیل میں سب کی ٹوپیاں اُتروادی ہیں۔

شاہ جی! فرمانے لگے میں نے کہا مگر یہ ٹوپی تمہارے کہنے سے نہیں اُتاروں گا جب تک تن پر گردن موجود ہے ٹوپی سر سے نہیں اُترے گی۔ اس نے کہا: اگر میرے کہنے پر نہیں اُتاریں گے تو اور کس کا حکم مانیں گے۔ میں نے کہا: ہاں! حکم دینے والا اس جیل میں ایک ہی شخص ہے وہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ ہیں، اگر وہ حکم دیں کہ ٹوپی اُتاردو تو فوراً اُتاردوں گا۔

شاہ جیؒ فرماتے ہیں ادھر حضرت شیخ کو بھی تمام کیفیت کا پتہ لگ چکا تھا۔ حضرت نے سر سے پگڑی اُتار کر اس کے شملے کو پھاڑ کر جلدی جلدی دو چار ٹانکے بھرے، ادھر سے یہ انگریز پہنچا، ادھر حضرت نے ٹوپی بنا کر سرِ اقدس پر رکھ لی۔ اس انگریز نے جب حضرت سے یہ سوال کیا تو حضرت نے فرمایا: میں نے ہمیشہ پگڑی ہی باندھی ہے مگر جب مجھے پتہ چلا کہ تم نے جیل میں ٹوپیاں اُتارنے کی مہم شروع کی ہوئی ہے تو پگڑی سے کپڑا کاٹ کر ٹوپی بنا کر سر پر رکھ لی ہے۔ یہ ٹوپی بیشک اسلام کا نشان نہیں لیکن جب تم اسے دیکھ کر چڑتے ہو، اور جیل کے رضا کاروں سے تمہاری زیادتی کا علم ہوا تو میں نے تمہیں چڑانا اور رضا کاروں کے ساتھ ہمنوائی اور ہمدردی کرنا ضروری سمجھا۔ اب یہ ٹوپی نہیں اُترے گی نہ کسی کو اُتارنے کے لئے کہوں گا۔ [illegible] انگریز ناکام و نامراد بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ [illegible]

کسی اور ڈبے میں جاؤ :

بھائی عطاء المؤمن بخاری نے راقم الحروف (امین گیلانی) کو یہ واقعہ سنایا جو انہوں نے اپنے والد گرامی قدر (شاہ صاحبؒ) سے خود سنا تھا۔ شاہ جی نے فرما متحدہ ہندوستان میں ایک دفعہ کہیں جا رہا تھا۔ اپنا سامان گاڑی کے ایک ڈبہ میں رکھ کر کسی ضرورت کے لئے پلیٹ فارم پر آیا تو دیکھا کہ ایک چھوٹے سے ڈبہ میں صرف دو انگریز نوجوان دروازے میں کھڑے ہیں جو مسافر اس ڈبے پر سوار ہونے لگتا ہے وہ اسے دھکے دے کر اور ٹھوکریں مار کر بھگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کسی اور ڈبے میں جاؤ۔ یہ صورت دیکھ کر مجھے بہت طیش آیا کہ یہ ہندوستانیوں کو اس قدر ذلیل سمجھتے ہیں۔ اگرچہ میرا سامان دوسرے ڈبے میں تھا مگر میں نے سوچ لیا کہ ان کو ان کی فرعونیت کا مزا چکھانا چاہیے۔ گاڑی نے وِسل دے دیا اور بعض مسافر ابھی جگہ نہ ملنے کے باعث پریشانی میں بھاگ دوڑ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے دو تین مسافروں کو جب گاڑی نے حرکت کی اس ڈبے میں دھکیل دیا اور خود بھی چھلانگ لگا کر داخل ہو گیا۔ قبل اس کے کہ وہ گورے کوئی حرکت کرتے میں نے دونوں کے منہ پر زناٹے کے دو دو تھپڑ رسید کر دیئے اور ایک کو اُٹھا کر ایک کونے میں پھینک کر دو اور جڑ دیں۔ دوسرا خود بخود ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گیا، اور پھر دونوں ایسے دبکے جیسے ڈبے میں موجود ہی نہیں ہیں۔ اگلے اسٹیشن پر جب کچھ لوگ اور اس ڈبے میں سوار ہو گئے تو میں اُتر کر اپنے سامان کے پاس چلا گیا اور پورے سفر میں دھیان رکھا مگر وہ گورے اب سکون سے سفر کر رہے تھے۔

دوستوں کے لئے معمہ :

راقم الحروف (امین گیلانی) نے یہ واقعہ خود بھی شاہ جی سے سنا اور بڈھے شاہ کو بھی دیکھا ہے، اور اس واقعہ سے امرتسر کے اکثر احباب آگاہ ہیں۔

شاہ جی خیر الدین کی مسجد میں جمعہ پڑھنے یا پڑھانے جاتے۔ جب وہ دروازے پر پہنچتے تو خان بہادر دروازے پر کھڑے ہوتے اور جھک جھک کر سلام کرتے۔ شاہ صاحبؒ نے سلام کا جواب کبھی نہ دیا۔ چپ چاپ اندر چلے جاتے، شاہ صاحبؒ کا انداز تھا کہ وہ اپنے قاتلوں کو بھی بخش دیتے تھے۔ ان جیسے عفو درگزر کے عادی اور ہنستے بولتے شخص کا رویہ دوستوں کے لئے معمہ تھا۔ خان بہادر نے اس روش کے باوجود سلام کرنا ترک نہ کیا۔ شاہ جی نے بھی قبول کے لئے کبھی نہ ہاتھ ہلایا نہ زبان اور نہ اس کی طرف آنکھیں اُٹھا کر دیکھا۔

ایک دن نیازمندوں میں سے ایک نے سوال کیا۔ شاہ جی! خان بہادر صاحب آپ کو سلام کرتے ہیں۔ آپ جواب نہیں دیتے، وجہ کیا ہے؟ فرمایا کوئی بات نہیں، کبھی گھر میں ہوں تو پوچھ لینا، بات آئی گئی ہوگئی۔ کچھ دن بعد گھر میں تنہا تشریف فرما تھے، کسی طرح خان بہادر کا ذکر چھڑ گیا تو واقعہ بھی یاد آ گیا۔ فرمایا: کوئی بات نہیں۔ میں اس شخص کا دوست ہی نہیں ہو سکتا جسے انگریز دوست رکھتا ہو، یا جو انگریز کو دوست سمجھتا ہے۔ اصرار پر واقعہ بیان کیا کہ امرتسر کے مارشل لاء میں نیشنل بینک کے فرنگی منیجر کو مشتعل ہجوم میں سے کسی شخص نے چھت سے گرا کر ہلاک کر دیا۔ پولیس نے بہتیرا تلاش کیا لیکن مجرم کا سراغ نہ ملا۔ مقتول کی بیوی نے ملزموں کو پکڑ کر کیفر کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے انعامی اشتہار نکالا کہ جو شخص ملزم کا پتہ دے گا، اس کو

اتنے ہزار روپے نقد انعام دیا جائے گا۔ ڈپٹی کمشنر نے نجی طور پر بعض معززین سے یہ بھی کہا کہ ان کی وفاداری کا امتحان ہے، اگر انہوں نے مجرم کو پکڑوانے میں مدد کی تو موجودہ انعام کے علاوہ خطاب بھی دیا جائے اور آنریری مجسٹریٹ بھی۔

بڑھیا جھانسے میں آ گئی :

مجرم نہ ملا ...... ان خان بہادر صاحب جو اس وقت تک خان بہادر نہ تھے، محض علاقائی تھانیدار کے معاون ہی تھے، اپنے محلے کی ایک غریب الحال بیوہ کے پاس گئے، جس کا ایک ہی نوجوان بچہ تھا۔ اس سے کہو تم اپنے بچے سے کہو کہ وہ پولیس میں بیان دے دے کہ میں نے بینک کے منیجر کو کوٹھے سے گرایا ہے۔ تم سے حلفاً وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے بچہ کو دو ماہ کے اندر رہا کرالوں گا، ورنہ حکومت سختی پر تلی ہوئی ہے۔ تمہارے بچے کا نام لیا جا رہا ہے۔ پولیس نے پکڑ لیا تو رہائی ناممکن ہے۔ وہ جھوٹے گواہ ڈال کر بھی پھانسی پر لٹکوا دے گی۔ بڑھیا جھانسے میں آ گئی، نوجوان بھی بے پڑھا لکھا اور بیمار و لاغر تھا۔ فریب میں پھنس گیا۔ خان بہادر نے قرآن مجید پر حلف اُٹھایا کہ دو ماہ تک ضرور ہی رہا کرا دوں گا۔ غرض نوجوان مذکور نے خان بہادر کی مخبری پر اپنے آپ کو پولیس کے حوالہ کر دیا، پھر جیسا کہ اسے کہا گیا تھا، اس نے اعتراف بھی کر لیا۔ مقدمہ چلا، چٹ منگنی پٹ بیاہ موت کی سزا ہو گئی جو اسے آخر کار تختہ دار پر لے گئی۔ بڑھیا نے خان بہادر کا دامن پکڑا۔ خان بہادر اثنائے مقدمہ سے لے کر سزائے موت کے اعلان تک یہی کہتا رہا کہ فکر نہ کرو تمہارا بیٹا رہا ہو جائیگا۔ یہ صرف قانون کی کارروائی ہے۔ گورنر صاحب نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے، شور نہ کرو، وہ رہا ہو جائے گا، ضرور گھر آ جائے گا، میں لے کر آ جاؤں گا۔ بڑھیا ان طفل تسلیوں پر چلتی رہی۔ آخر ایک

دن بیٹا پھانسی پاکر گھر آ گیا۔

خان بہادر صاحب پھانسی کے دن تک یہی تسلیاں دیتے رہے کہ فکر نہ کرو، تمہارا بیٹا ضرور گھر آئے گا اور بیٹا آ گیا۔ بڑھیا نے بیٹے کی لاش دیکھی تو سر پیٹ لیا، چلا اُٹھی، ہاہا کار مچ گئی تب افشائے راز سے بھی کچھ نہ بنتا تھا۔

خان صاحب تصویر عبرت بن گئے :

خان بہادر صاحب انعام و خطاب پا گئے۔ آنریری مجسٹریٹی مل گئی۔ جائیداد بھی ہاتھ آ گئی۔ غرض سرکاری دوائر میں ان کا طوطی بولنے لگا، لیکن اس بڑھیا کا بیٹا واپس نہ آیا۔ البتہ ایک دن ماں خود اس کے پاس پہنچ گئی۔ قدرت کا غائبانہ ہاتھ کام کرتا رہا۔ مکافات نے بہت دنوں کا چکر کاٹا، خان بہادر کا ایک نوجوان بیٹا اوباش لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ آنریری مجسٹریٹی کو ایک ڈپٹی کمشنر کی ناراضی نے ہضم کرلیا کارخانہ کو آگ لگ گئی، خود کی ٹانگ ٹوٹی اور تصویر عبرت ہو کر موت کی گود میں چلا گیا۔

شاہ جی نے کہا: جب یہ شخص میرے سامنے آتا تو اس کی ضمیر میں اسی کانٹے کی چبھن ہوتی ہے۔ خدا کا خوف نہیں۔ میرے سامنے اس بچے کی تصویر آ جاتی ہے، جیسے وہ اس کی گردن مارنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا رہا ہو، اور میں منہ پھیر لیتا ہوں کیونکہ مجھے اس کی جھریوں میں اس کی ماں کے آنسوؤں کی تہیں جمع ہوتی نظر آتی ہیں اور وہ بال کھولے چلا رہی ہے ....

ذرا اس کی سخت بیوئی ہے ۔۔۔۔ برا ہے احتساب اس کا

یہ واقعہ سنا کر شاہ جی کانپنے لگے کہ اس دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے اور جب انگریزوں کے لئے غریبوں کے بچے کٹوانے والے ہمیں غدار کہتے ہیں تو فطرت بھی

سرکوبی کے لئے ہاتھ اُٹھالیتی ہے۔ (بخاری کی باتیں ص:۶۸ تا ۷۰)

یہ وظیفہ پہلے کیوں نہ بتادیا ؟

ایک روز گھر میں نشست جمی ہوئی تھی، باتوں میں سے باتیں نکل رہی تھیں، فرمایا (پاکستان بننے سے پہلے) میں بس میں کسی گاؤں تقریر کرنے جارہا تھا۔ راستے میں بس ایک جگہ ٹھہری تو پھر سٹارٹ نہیں ہوتی تھی، کنڈکٹر نے نوجوان مسافروں سے کہا وہ اُتر کر دھکا لگادیں تاکہ بس سٹارٹ ہوجائے، آٹھ دس جوان اُترے دھکا لگایا مگر وہ سٹارٹ ہونے کا نام نہیں لیتی تھی، وہ بے چارے دھکے لگا لگا کر ہانپ گئے۔ مسافر بھی پریشان تھے کہ کیا ہوگا؟ میں اچانک اُترا اور ان نوجوانوں سے کہا کہ تم میرے ساتھ مل کر یہ نعرہ لگاؤ لعنت بر پدر فرنگ اور پھر مل کر دھکا لگاتے ہیں، چنانچہ ہم نے لعنت بر پدر فرنگ کہہ کر دھکا لگایا تو بس سٹارٹ ہوگئی، اور سب مسافر خوش ہوکر کہنے لگے، آپ نے یہ وظیفہ پہلے کیوں نہ بتادیا۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۶۲)

نوکری چھڑوانے والا پیر :

ایک عقیدت مند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ کہیں ملازمت کا اُمیدوار تھا۔ اس نے اپنی آمد کا مقصد عرض کیا اور ایک آفیسر کے نام سفارشی مکتوب کی خواہش کا اظہار کیا۔ جواباً شاہ صاحب نے فرمایا :

''بھائی ! میں تو نوکریاں چھڑوانے والا پیر ہوں، اگر ملازمت کے لئے سفارش کی ضرورت ہے تو کسی سجادہ نشین یا کسی مخدوم یا کسی بڑے لیڈر کے پاس جاؤ، ہماری آشنا نوازی کا یہ عالم ہے کہ اگر آپ کہیں ملازم ہوں اور آپ کے اعلیٰ افسر کو معلوم ہوجائے کہ یہ عطاء اللہ کا ملنے والا ہے، تو فوراً آپ پر کوئی آفت پڑے گی، اور

آپ ملازمت سے سبکدوش ہوکر آرام سے بیٹھے رہیں گے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا بھانجا فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اس کی والدہ کو ملنے کے لئے گیا جو میری پھوپھی زاد بہن تھی اور اپنے بیٹے کے غم میں رو رہی تھی، میں نے اسے کہا دیکھو بہن! اگر تیرا بیٹا ہفتے کے اندر واپس آوے تو میرا کیا انعام؟ کچھ انعام طے پا گیا، میں نے اس روز اس کو ایک خط لکھا وہ اس وقت بنگال کی کسی چھاؤنی میں تھا۔

''عزیزم آپ بڑی مناسب جگہ پہنچ گئے ہیں، اپنے کام کی رفتار سے مجھے مطلع کرتے رہنا وغیرہ وغیرہ''۔

نیچے میں نے اپنے دستخط کئے (سید عطاء اللہ شاہ بخاری)

خط سنسر ہو کر اس یونٹ کے انگریز افسر کو پہنچا، اس نے فوراً میرے بھانجے کو بلایا اور پوچھا کون ہے عطاء اللہ شاہ۔ اس نے بتایا تو کرنل نے اسے واپس بلکہ اس کا سامان وغیرہ منگوا کر فوراً ہی چھاؤنی سے نکل جانے کا حکم دیا۔

اس کے بعد سفارشی مکتوب لینے والے کو فرمایا: بھائی! ہمارا نام تو اس کام کے لئے ہے، اگر کہیں ملازم ہو جاؤ تو پھر میری خدمات حاضر ہیں ......

اے ہم نفساں! آتشم از من بگر یزید
ہر کس کہ شود ہمرہ من دشمن خویش است

(بخاری باتیں ص: ۹۵)

آپ جیسے محسن کو کیسے بھول جاتا؟

شاہ جیؒ شیخوپورہ تشریف لائے ہوئے تھے کہ سید امیر شاہ صاحب ریٹائرڈ

سب انسپکٹر پولیس جو ریاست ''لوہارو'' کے باشندے تھے اور پاکستان کے قیام کے بعد شیخوپورہ میں رہائش اختیار کر چکے تھے، تشریف لے آئے، شاہ جی اُٹھ کر تپاک سے ملے۔ انہوں نے پوچھا شاہ صاحب آپ نے مجھے پہچان لیا۔ شاہ جی نے فرمایا اوہو آپ نے مجھے احسان فراموش سمجھا کہ آپ جیسے محسن کو بھول جاتا جس نے میرے لئے اتنی مصیبت اُٹھائی، پھر شاہ جی نے ان کے سامنے یہ داستان سنائی، فرمایا:

''جب قادیان کانفرنس کی تقریر پر جی ڈی کھوسلہ کی عدالت میں پہلی ہی پیشی ہوئی، تو کارروائی سننے کے لئے بے پناہ ہجوم تھا۔ یہ بہ حیثیت سب انسپکٹر انتظام درست کرنے پر بمعہ گارڈ کے مامور تھے۔ ادھر میں نے بطورِ گواہ صفائی مرزا محمود کو بھی عدالت میں بلوایا ہوا تھا۔ عدالت نے مرزا محمود کو بیٹھنے کے لئے کرسی دی، میں نے احتجاج کیا کہ خلافِ معمول و آئین اسے عدالت کے اندر کرسی کیوں دی گئی۔ مختصراً یہ کہ عدالت کو مجبور کر دیا گیا، کرسی اُٹھائی گئی اور اسے باقاعدہ کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑا۔

اس پہلی کامیابی پر ہی مجمع خوشی سے اچھل پڑا اور نعرہ ہائے تکبیر گونجنے لگے۔ ہمارے تھانیدار صاحب آخر مسلمان تھے۔ پھر سید بھی' کیا ہوا اگرچہ سرکاری ملازم تھے اور وردی پہنی ہوئی تھی۔ یہ بھی اتنے خوش ہوئے کہ اپنے اس وقت کے منصب اور مقام کو بھول گئے۔ جس وقت میں عدالت کے دروازے کے باہر کھڑا۔ اس کامیابی پر پُر امن رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔ تو یہ مجمع کو چیرتے ہوئے آئے اور مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ فرطِ محبت سے میرے ہاتھ چوم لئے، وہاں پولیس پر بھی نگران پولیس موجود تھی، فوراً اطلاع ہوگئی کہ متعینہ سب انسپکٹر نے یہ حرکت کی ہے۔ ایس پی صاحب نے فوراً طلب کر لیا کہ حاضر ہو کر جواب دو۔ اب تھانیدار صاحب کو خیال آیا کہ اوہو کام تو

بگڑ گیا، مگر حواس قابو میں رکھے اور لکھ کر جواب دیا۔ میں اس وقت اہم ڈیوٹی پر ہوں، فارغ ہو کر حاضر ہو جاؤں گا۔

گورنمنٹ کے باغی سے مصافحہ :

ایس پی نے دوسرے سب انسپکٹر کی ڈیوٹی لگا دی اور انہیں کہا فوراً حاضر ہو جاؤ۔ قہر درویش بر جان درویش حاضر ہو گئے۔ اس نے پوچھا کہ آپ نے سرکاری ڈیوٹی پر ہوتے ہوئے ایسا کام کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ سرکاری ڈیوٹی میں تو میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اتنے ہجوم اور پھر مشتعل ہجوم کو قابو میں رکھا، اگر شاہ صاحب سے میں نے مصافحہ اور معانقہ کیا تو وہ اس حیثیت سے کہ وہ ایک مسلمان عالم اور سید ہیں اور ہر مسلمان کو ہر عالم اور سادات سے عقیدت ہونا لازمی ہے۔ اس میں مجھ پر گورنمنٹ کے ساتھ کسی قسم کی غداری کا الزام نہیں آتا، مگر یہ عذر مسموع نہ ہوا، اور صاحب بہادر نے پیٹی اُتر والی اور باقاعدہ کارروائی شروع ہوگئی۔ یہ حضرت ہم سے ملے کہ شاہ جی آپ کی محبت نے تو ہمیں بے کار کر دیا۔ شاہ جی نے ہنس کر فرمایا: مگر ہم بھی وفادار تھے وہ گر بتائے کہ خدا نے کامیاب کر دیا۔ جب افسرانِ بالا کے ہاں پھر پیشی ہوئی اور انہوں نے کہا کہ آپ نے گورنمنٹ کے ایک باغی سے برسرعام باوردی ہو کر اور ڈیوٹی کے وقت اس جرم کا ارتکاب کیوں کیا تو ہمارے تھانیدار صاحب نے چپکے سے ایک تصویر نکال کر میز پر رکھ دی، وہ تصویر اس وقت اُتاری گئی تھی جب لندن میں دربار کے اندر خود شہنشاہِ برطانیہ مہاتما گاندھی سے ہاتھ ملا رہے ہیں، یہ تصویر دیکھ کر انہوں نے سوال کیا، آپ کا مطلب؟ انہوں نے کہا کہ حضور اگر خود شہنشاہِ برطانیہ ہندوستان کے سب سے بڑے باغی کے ساتھ انہیں اپنے دربار میں بلا کر ہاتھ ملا سکتے ہیں اور

دربارِ عالیہ میں کرسی دے سکتے ہیں، تو میں بحیثیت ایک ادنیٰ ملازم ہونے کے بخاری صاحب سے انہیں عالم دین اور سید سمجھ کر اور ساتھ ہی مشتعل عوام کے دل قابو میں لینے کے لئے تاکہ انتظامی اُمور سے اچھی طرح عہدہ براہوسکیں، مصافحہ اور معانقہ کر کے کیسے مجرم ہوگیا۔اس دلیل سے انگریز افسران ششدر رہ گئے اور معمولی ہدایت کر کے عہدہ پر بحال کر دیا۔ (ماخوذ از بخاری کی باتیں ص:۷۶ تا ۷۷)

ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص نے دوستی اور دشمنی خدا کے لئے کی اس کا ایمان کامل ہے۔شاہ جی کی دوستی اور دشمنی بھی خدا کے لئے تھی۔انگریز سے ان کو کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی اور قرآن سے دوستی اور محبت بھی اس لئے تھی کہ قرآن خدا کا کلام ہے دوست اور دشمن سفرِ حیات کا لازمہ ہیں دوستوں کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیے اور یہ دوستی خالص اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے ہو۔مولانا آزاد فرماتے تھے دوستوں کے انتخاب میں احتیاط کرو، بھیڑ جمع نہ کرو، ہر شخص دوستی کا اہل نہیں ہوتا، لیکن دوست نہ ہو تو زندگی اجاڑ محسوس ہوتی ہے۔



باب پنجم

اخلاص وللّٰہیت، زہد واستغناء

اور اصول پسندی

دین اگر اخلاص کا نام ہے، للّٰہیت کا نام ہے، اللہ کی رضا جوئی کا نام ہے، ایثار اور قربانی کا نام ہے اور زہد واستغناء کا نام ہے تو اس مفہوم کی رو سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ بہت بڑے دیندار بزرگ تھے۔ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، ان کو دیکھ کر اخلاص یاد آتا تھا، ان کو دیکھ کر تقویٰ وخشیت کا مفہوم سمجھ میں آتا تھا۔ شاہ جی فقرِ غیور اور زہد واستغناء کا پیکرِ مجسم تھے۔ فقر واستغناء یہ نہیں کہ خانقاہ بنا کر درویش کہلائیں یا شیخ ہو جائیں اور مریدوں پر ظاہر کریں کہ وہ علائق دنیا سے بے نیاز ہیں۔ اس دنیا کو بدلنا، اس کے علائق سے لڑنا اور دل کا غِنا حاصل کرنا ہی صحیح استغناء ہے۔

حدیث شریف میں محمد عربی ﷺ نے فرمایا: ''غنی ہونا تو دل کا ہے، جس کا دل غنی ہے، وہ اصل غنی ہے، اس کی نظروں میں دنیا ومافیہا نہیں جچتی''۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ جیؒ کو قلبی غِنا عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے وہ ساری دنیا سے مستغنی تھے، نہ صاحبِ

جائیداد تھے نہ موٹر اور بنگلہ کے مالک، لیکن امیروں سے بڑھ کر امیر تھے۔

شاہ جیؒ کے کثیر التعداد مرید تھے۔ وفادار دوستوں کا حلقہ اتنا وسیع تھا کہ شاید وباید بعض بڑے بڑے نواب اور زمیندار بھی خدام میں شامل تھے۔ مگر کیا مجال کہ شاہ جیؒ نے کسی کے سامنے اپنی حاجت پیش کی ہو البتہ جو شخص از خود خدمت کرتا اس کو رد نہ فرماتے۔

کھوٹے مرید:

ایک بار ایبٹ آباد میں دوستوں کے حلقہ میں فرمایا کہ ایک مرید نے سولہ (۱۶) روپے کا ہدیہ پیش کیا میں نے لے لیا۔ جب دیکھا تو سب کے سب کھوٹے تھے۔ فرمایا ایسے کھوٹے مرید بھی ہوتے ہیں۔

تم پیسے بتاؤ میں قیمتی بات بتاؤں گا:

بابو بشیر احمد صاحب چوہان (لاہور) نے بتایا کہ میں شاہ جیؒ کی عیادت کے لئے ملتان گیا۔ حسبِ عادت خوشی سے ملے، چائے پلائی، کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا اچھا شاہ جیؒ! میں ذرا گھوم پھر آؤں، کچھ اشیاء خریدلوں۔ فرمایا: بازار جارہے ہو تو میرے لئے ایک جوڑا جراب لیتے آنا، ذرا مضبوط ہو، میں بہت خوش ہوا کہ زندگی میں پہلی دفعہ آج شاہ جیؒ نے فرمائش کی۔ واپسی پر میں نے جرابیں لاکر پیش کر دیں۔ شاہ جی نے پسند فرمائیں، پوچھا کتنے کی آئی ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت! آپ پیسے رہنے دیں، لیکن شاہ صاحب مصر ہوئے اور فرمایا: تم پیسے بتاؤ، میں تمہیں ایک قیمتی بات بتاؤں گا۔ میں نے ناچار قیمت بتادی، آپ نے وہ قیمت میری جیب میں ڈال کر فرمایا: اب سنو! جس شخص کے پاس کوئی ہدیہ لائے اور وہ شخص ہدیہ رکھ کر پھر اس کی

قیمت اسے ادا کرے، وہ بھی بڑا کمینہ ہے اور جو شخص کسی سے کہہ کر اپنے لئے کوئی چیز منگوائے اور پھر اس کی قیمت ادا نہ کرے وہ بھی بڑا کمینہ ہے۔ (بخاری کی باتیں ص ۱۶)

ایصالِ ثواب یوں ہوتا ہے :

مولانا محمد شریف صاحب بہاولپوری بیان کرتے ہیں کہ (گھلواں) بہاولپور کے ایک بڑے زمیندار حاجی پیر بخش صاحب جو نوجوانی میں شاہ صاحب کے مرید ہو چکے تھے، ان کی والدہ صاحبہ فوت ہوئیں تو غالباً تیسرے روز حضرت شاہ صاحب تعزیت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت وہاں علاقہ کے مقتدر زمیندار حاجی چھٹن صاحب وغیرہ بھی موجود تھے۔ شاہ جی نے فاتحہ کہی، دعائے مغفرت کی، بعد ازاں انہوں نے اپنے رواج کے مطابق کہ ہمارے مرشد آئے ہیں۔ کئی جوڑے پارچات اور قریباً چار سیر چاندی کے زیورات شاہ جی کی نذر کئے۔ جب وہ ڈھیر سامنے پڑا تھا تو شاہ جی نے ان سے پوچھا، یہاں ''گھلواں'' میں کوئی بیوہ یتیم مسکین نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں، فرمایا: جن جن کا علم ہے انہیں بلوالو۔ ایک گھنٹے کے بعد کچھ عورتیں اور بچے آ گئے۔ شاہ جی وہ پارچات اور زیورات اُٹھا اُٹھا کر دیتے جاتے اور ساتھ ساتھ فرماتے جاتے یہ ان کا حق ہے۔ ایصالِ ثواب یوں ہوتا ہے۔ سب زمیندار حیران دیکھتے رہے اور لینے والے دُعائیں دیتے چلے گئے۔ (بخاری کی باتیں ص ۲۳)

فقیر کا ڈیرہ :

سائیں محمد حیات پسروری نے بتایا کہ غالباً ۱۹۵۰ء میں ایبٹ آباد میں جلسہ تھا، میں بھی شاہ جیؒ کے ہمراہ تھا، جب ایبٹ آباد پہنچے تو شہر کے متعدد علماء احباب استقبال کے لئے آئے۔ شاہ جیؒ سب سے ملے، سامان کار میں رکھوا دیا، اتنے میں ہجوم

کو چیرتے ہوئے ایک پھٹے پرانے کپڑوں والا سادہ سا شخص شاہ جی سے السلام علیکم کہہ کر لپٹ گیا اور کہا شاہ جی! آپ جیل کے غریب ساتھی کو چھوڑ کر کار میں جا رہے ہیں۔ وہ دیکھئے سرائے میں میری کٹیا نزدیک ہے۔ شاہ جی نے پھر اسے سینے سے لگا لیا اور فرمایا نہیں، اب تو ہم تمہارے ہی مہمان ہوں گے اور ساتھیوں سے فرمایا، میرا سامان کار سے اُتار کر ان کے سرائے میں لے چلو، اب فقیر کا ڈیرہ فقیر ہی کے پاس رہے گا۔ غرض شاہ جیؒ کے قیام تک وہ سرائے خواص و عوام کی مرجع بنی رہی۔

(بخاری کی باتیں [illegible])

[illegible]

[illegible]

ہوں۔ ایک سفر میں میرے جی میں آیا کہ آج شاہ صاحب کو آزمائیں۔ شاہ جی نے سفر میں وضو کے لئے کوٹ اُتار کر رکھا تو میں نے دس دس کے دو نوٹ کھسکا لئے، سفر ختم ہو گیا مگر شاہ جیؒ نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ اب مجھے شرم آئے کہ نوٹ واپس کروں گا تو شاہ جی کہیں گے کہ تم نے یہ کیا حرکت کی، کچھ عرصہ میں خاموش رہا، بالآخر ایک روز شاہ صاحب کے مکان پر ملتان میں جی کڑا کر کے وہ دونوں نوٹ شاہ جی کی طرف بڑھا دیئے۔ فرمایا یہ کیسے ہیں؟ میں نے بات گول کرنے کے لئے صرف اتنا کہا کہ یہ آپ رکھ لیں۔ شاہ جی نے اصرار سے پوچھا کہ حضرت سخی سرور صاحب! بتائیں تو سہی یہ روپے کیوں دیئے جا رہے ہیں۔ میں نے مجبوراً سارا قصہ کہہ سنایا ہنس کر فرمایا: میانوی

تو ہمیں کب تک آ زماتا رہے گا اور مذاق سے فرمایا: اب یہ چوری کا مال خود ہی رکھ یہ نہیں لیتا اور نہیں لیتے۔ (بخاری کی باتیں ص ۴۰)

پروردگار کی گدا نوازیاں [illegible]

رفیق احمد صاحب (مبارک چوک) تحریر کرتے ہیں:

ہم تین ساتھی شاہ جی کی خدمت میں ملتان گئے۔ دوپہر کا وقت تھا، بیٹھ گئے [illegible]

جی اور قاضی احسان احمد شجاع آبادی [illegible] تھے [illegible]

[illegible] تھا کھانا [illegible]

[illegible]

سامان خوردنی [illegible]

ہمیشہ اس نافرمان کی لاج رکھ لیتا ہے۔ مجھ جیسے گنہگار پر تیرے یہ کرم اے اللہ! میں تو فقط گندگی کا ڈھیر ہوں جس پر تیرے یہ احسان ہیں۔ عجیب کیفیت میں دیر تک کھڑے اپنی عاجزی اور اللہ کے شکر کا اظہار کرتے رہے۔ ہم کھانے میں مشغول ہو گئے، تو فرمایا: اب سناؤں اصل بات میں جب کھانا لینے کے لئے اندر گیا تو اندر سے صاف جواب ملا کہ اب تو کچھ ہے نہیں کہ مہمانوں کو کھلا سکیں۔ پریشان ہو کر جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ دیکھوں دُکان سے بھی آ سکتا ہے کہ نہیں اتنے میں قاضی! تو نے آواز دے دی، جب دیکھا تو پروردگار نے خود بندوبست کر دیا تھا، یہ اس کی گدا نوازیاں ہیں۔ (بخاری کی باتیں ص: ۴۷)

غیبی فتوحات اور شاہ جیؒ کی نیاز مندیاں :

ایک دفعہ راقم الحروف (امین گیلانی) ملتان گیا، دفتر مجلس ختم نبوت میں قیام کیا۔ علی الصبح ناشتہ سے فارغ ہو کر شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ چارپائی پر تشریف فرما تھے، اُٹھ کر ملے، پھر فرش پر ہی نشست جمالی۔ فرمایا: بہت اچھا ہوا تم آ گئے، کچھ وقت اچھا گزرے گا۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہو رہی تھیں کہ تھوڑی دیر کے بعد کچھ اور لوگ بھی آئے۔ برادرم عطاء المحسن بخاری نے مجھ سے کہا: بھائی جان! اب تو کچھ سنا دو۔ شاہ جی نے مسکرا کر فرمایا: بھائی! اسی خاطر تو میں اس کی طبیعت کو تیار کر رہا تھا، تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ ہاں گیلانی! کوئی غزل ہو جائے۔ خیر میں تعمیل ارشاد میں کافی دیر تک غزلیں سناتا رہا۔ شاہ جی دل کھول کر داد دیتے رہے اور خود بھی اردو، فارسی اور عربی کے اشعار موقع و مناسبت سے ارشاد فرماتے رہے۔ اسی دھن میں کافی وقت گذر گیا۔ بھائی عطاء المحسن بخاری کو کسی کام کے لئے کچہری جانا تھا، وہ اُٹھ کر چلے گئے۔ شاہ جی نے معاً فرمایا: بھائی گیلانی! تم اچھے آئے (گھڑی دیکھ کر) گیارہ بجنے کو آ گئے اور میں نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا، نہ تمہیں ہی پوچھا۔ یہ کہہ کر اندر آواز دی، ایک بچہ آیا (گلی کے اکثر بچے اماں جی سے قرآنِ پاک پڑھنے گھر آتے ہیں، اس سے فرمایا بیٹا! اندر جا کر کہو، کہ آج ہمیں کچھ ناشتہ کے لئے نہیں ملا۔ ہم نے مانگا نہیں تو انہوں نے بھیجا بھی نہیں۔ دیکھنا کہہ دینا شیخوپورہ سے گیلانی آئے ہوئے ہیں۔ بچہ تھوڑی دیر کے بعد چائے لے کر آ گیا۔ شاہ جی نے کپڑا اُٹھایا تو صرف چائے تھی۔ کھانے کو ساتھ کچھ نہیں تھا۔ فرمایا: بیٹا! کھانے کو کچھ نہیں۔ بچہ چلا گیا اور واپس آ کر جواب دیا کہ کھانے کو تو کچھ موجود ہی نہیں۔ فرمایا: بیٹا! ان سے کہو رات

کا تھوڑا سا باسی ٹکڑا ہو تو وہی بھجوا دیں۔ لڑکا پھر خالی ہاتھ آیا اور کہا وہ بھی نہیں ہے۔ اب شاہ جی نے اچھا بھائی کہہ کر قہوہ پیالی میں انڈیلا ہی تھا کہ اچانک ایک بوڑھا شخص میلے اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے وارد ہوئے۔ ہاتھ میں ایک کپڑے میں کچھ لپٹا ہوا تھا، وہ آتے ہی شاہ جی کے حوالے کر دیا۔ شاہ جی نے کھولا تو کھجوریں تھیں، سامنے رکھ لیں، پھر ریش مبارک کو ہاتھ میں پکڑا اور آبدیدہ ہو کر فرمایا: کھا او کتے کھا۔ اتنی جلدی مایوس ہو جاتا ہے، اگر اندر کا دروازہ بند ہو گیا تھا باہر کا تو کھلا تھا۔ شاہ جی کے اس انداز کو دیکھ کر میرے بھی آنسو نکل پڑے، پھر کچھ کھجوریں رکھ کر باقی اندر بجھوا دیں۔ شاہ جی نے بابا سے پوچھا سائیں چائے پیو گے، انہوں نے ملتانی زبان میں کہا ضرور پیوں گا۔ شاہ جی نے چائے بنا کر دی، وہ پی رہے تھے' اتنے میں کھجوروں والا کپڑا اندر سے خالی ہو کر آ گیا۔ شاہ نے کپڑا لے کر اس کے چاروں کونوں کو ٹٹولا، پھر بابا سے مخاطب ہو کر پوچھا آج کچھ نہیں تھا۔ بابا نے کہا کیوں کچھ چاہئے فرمایا نہیں۔ میں نے اس لئے پوچھ لیا کہ کہیں آپ پھر خفا نہ ہو جائیں۔ بابا لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔ بابے نے چائے پی لی اور فوراً اُٹھ کھڑا ہوا، اور کہا لو اب میں جاتا ہوں۔ شاہ جیؒ نے کہا دُعا کیجئے تو وہ بابا شاہ جیؒ کی پشت کی طرف ہو کر کہنے لگے کہ ہاں ہاں ضرور، پھر اپنی ملتانی زبان میں ہی کہا، رسول اللہ کے دربار میں عرض کروں گا۔ میں یہ تمام کارروائی دیکھ رہا تھا۔ جب بابا جی چلے گئے تو میں نے عرض کیا، شاہ جی یہ راز داری کی باتیں کیا تھیں۔ آپ نے رومال کو ٹٹول کر کیا پوچھا تھا۔ فرمایا: چند دن ہوئے یہ بابا اسی طرح میرے لئے کچھ لائے تھے، میں نے وہ چیز رکھ لی اور رومال واپس کر دیا، تو رومال لے کر ناراضی کے لہجہ میں کہا یہ کیوں نہیں رکھے۔ میں نے دیکھا تو اس کے کونے میں کچھ بندھا ہوا تھا۔ میں نے

رومال نے لے کر کھولا تو ساڑھے تین آنے تھے، وہ بھی میں نے رکھ لئے، پھر اندر کی واسکٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: وہ اب بھی میرے پاس موجود ہیں۔ پہلے بھی کچھ پیسے بابا لوگوں کے دیئے ہوئے رکھے ہوئے ہیں۔ میں وہ خرچ نہیں کرتا۔ اس لئے میں نے آج رومال کے کونے دیکھ لئے تھے، اور مزید پوچھ بھی لیا تھا کہ کہیں پھر ناراض نہ ہو۔ میں نے مزید پوچھا کہ یہ بابا جی ہیں کون؟ فرمایا: گیلانی بھائی! یہ بابا لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، ان کا اتہ پتہ کسے معلوم، بس مجھ پر مہربان ہیں، کبھی کبھی اس طرح زیارت ہو جاتی ہے۔

جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان سے کہہ دیتا ہوں :

تقسیم کے بعد ایک دفعہ شیخوپورہ تشریف لائے۔ ایک جگہ صبح چائے کی دعوت تھی۔ میں، مولانا محمد علی صاحب جالندھری، ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری، مولانا غلام غوث ہزاروی بھی موجود تھے۔ ملک محمد انور صاحب ایڈووکیٹ جو کچھ عرصہ گورنر پنجاب کے مشیر اعلیٰ رہ چکے ہیں، وہ بھی اچانک آ گئے اور شاہ جی سے کہا کہ حضرت! میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ شاہ جی سمجھ گئے کہ یہ کچھ سیاسی جوڑ توڑ کی بات کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ ملک صاحب خان ممدوٹ کی پارٹی کے معروف رُکن تھے اور ان دنوں میاں ممتاز دولتانہ اور خان ممدوٹ میں بُری طرح چل رہی تھی۔ اس لئے شاہ جی نے گریز کرتے ہوئے فرمایا: ملک صاحب اگر کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو مولانا غلام غوث اور مولانا محمد علی جیسے علماء بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھ لیجئے، اگر کوئی سیاسی بات ہے تو ہمارے صدر ماسٹر تاج الدین انصاری بیٹھے ہوئے ہیں ان سے کیجئے، میں نہ تو عالم ہوں نہ لیڈر۔ ملک صاحب نے اصرار فرمایا کہ جناب میں کچھ آپ ہی سے عرض کرنا

چاہتا ہوں اور کچھ آپ کا نظریہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ شاہ جی نے فرمایا فقیر کا نظریہ وہی ہے جو رات سٹیج پر بیان کر چکا ہوں۔

ملک صاحب چونکہ مزاج شناس نہ تھے ان کے منہ سے یہ جملہ نکل گیا کہ شاہ صاحب! سٹیج کی بات کچھ اور ہوتی ہے۔ میں کچھ حقیقتاً بات کرنا چاہتا ہوں۔ ملک صاحب کا اتنا کہنا تھا کہ شاہ جیؒ کا چہرہ غیرت سے سرخ ہو گیا اور فوراً فرمایا: ملک صاحب! خدا نہ کرے میں بھی کوئی وکیل بنوں کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ۔ ان لوگوں پر خدا کی پھٹکار ہے جو دل میں کچھ رکھتے ہیں اور زبان سے کچھ کہتے ہیں۔ میرے دل میں جو کچھ ہوتا ہے وہی زبان سے کہہ دیتا ہوں۔ یہی میرے میاں ﷺ کی سنت ہے۔ ملک صاحب بیچارے پسینہ پسینہ ہو گئے۔ اس حال میں دیکھ کر ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری نے انہیں اپنی طرف مخاطب کر لیا۔ (بخاری کی باتیں ص ۶۳)

بھئی اپنی ضرورت پر خرچ کر لینا:

ایک دفعہ مکان پر چند احباب کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ایک عقیدتمند آیا، کچھ دیر بیٹھا، جاتے دفعہ مصافحہ کرتے ہوئے کچھ رقم تھما دی۔ شاہ جی نے فوراً مٹھی کھول دی، فرمایا: بھئی! یہ اپنی ضرورت پر خرچ کر لینا۔ اس نے بہت اصرار کیا، مگر شاہ جی نہ مانے، وہ بے چارہ افسردہ ہو کر واپس ہوا۔ عرض کیا شاہ جی آپ نذرانہ قبول فرما لیتے' فرمایا: میرے کون سے کارخانے چلتے ہیں، مگر میں دینے والے کی حیثیت دیکھ لیتا ہوں۔ ان لوگوں میں رسم ہے کہ پیر کے پاس خالی نہ جائیں، چاہے گھر کا برتن بیچ دیں، پیر کو نذرانہ ضرور دیتے ہیں، دینے والا محبت سے دے اور مناسب دے تو قبول کر لیتا ہوں رفتہ رفتہ بات توکل پر آ گئی۔

فرشتہ یا انسان :

اس ضمن میں شاہ جیؒ نے فرمایا کہ :

ایک دفعہ امرتسر میں پیچش سے دربستر تھا، محض کھچڑی اور دہی کسی وقت کھا لیتا، ایک روز شام کے قریب گھر سے اطلاع ملی کہ آٹا ختم ہے۔ میں نے کہا صبر کرو حسبِ معمول شام کو ایک ہمسایہ عورت جو عقیدت اور محبت کے باعث آ کر گھر کا کام کاج کر جاتی تھی، وہ آئی اور سیدھا جا کر آٹے کے مٹکے کا ڈھکنا اُٹھایا کہ (بی بی) کو آٹا گوندھ کر دے تو مٹکا خالی تھا۔ پوچھا بی بی جی! آٹا تو ہے نہیں۔ (بی بی) نے کہہ دیا: ''ہاں! اس وقت آٹا گوندھنے کی ضرورت نہیں رہنے دو ضرورت ہوگی تو دیکھا جائے گا''۔ وہ عورت سمجھدار تھی، سمجھ گئی، خاموشی سے چلی گئی اور ضرورت کے مطابق گھر سے آٹا گوندھ کر روٹیاں پکا کر لے آئی۔ بہرحال رات گزر گئی۔ صبح نماز سے فارغ ہو کر چارپائی پر ہی پڑا ہوا تھا کہ منہ اندھیرے ہی کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے؟ تو کوئی جواب نہ ملا، میں چونکہ کئی دن سے پیچش کا مریض تھا، اُٹھنے کو جی نہین چاہتا تھا، مگر مجبوراً اُٹھنا پڑا، اور طبیعت پر گراں گذرا کہ یہ کون ہے؟ میری آواز کا جواب ہی نہیں دیتا۔ جب دروازہ کھولا' تو ایک نوجوان تھڑے پر ایک پوری بوری آٹے کی رکھے کھڑا ہے۔ سلام علیکم وعلیکم السلام کے بعد میں نے اُسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور پوچھا تو فرشتہ ہے یا انسان؟ وہ ہنس پڑا اور کہا شاہ جی! ہوں تو انسان ہی، میں نے کہا یہ اندھیرے میں کیا سوجھی کہ آٹے کی بوری اُٹھا لائے، تمہیں کسی نے کہا تھا؟ اس نے کہا شاہ جی! مین آپ کا ادنیٰ عقید تمند ہوں، میں نے فلاں بازار مین نئی آٹا پیسنے کی چکی لگائی ہے۔ میں نے منت مانی ہوئی تھی کہ سب سے پہلی ایک بوری

گندم شاہ جی کی نذر کروں گا۔ رات چکی نصب کی تھی، جب کام مکمل ہو گیا تو اسی وقت آپ کے لئے آٹا پیس کر رکھ لیا تھا اور اب لے آیا ہوں، پھر فرمایا: وہ ہمیشہ اس نافرمان اور ناکارہ کی آبرو رکھ لیتا ہے۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے' ورنہ میں اس لائق کہاں ہوں۔ (بخاری کی باتیں ص ۷۳)

یاروں نے ''کوٹھے'' سے ''کوٹھی'' بنالی :

روزنامہ نوائے وقت کے مشہور کالم نگار جناب عطاء الحق صاحب قاسمی کے والد گرامی مولانا سید بہاؤ الحق صاحب قاسمی کا وقت کے جید علماء اور مجلس احرار الاسلام کے زعماء میں شمار ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنا پہلا رہائشی مکان فروخت کرنا چاہا۔ میرے والدگرامی سید نصیر الدین گیلانی نے شاہ صاحب کو وہ مکان خریدنے پر آمادہ کرنا چاہا تو شاہ صاحب نے عذر کیا کہ میرے پاس رقم نہیں، غالباً دو ڈھائی ہزار روپے مالیت کا مکان تھا۔ میرے والد صاحب نے کہا کہ آپ کا مکان کرائے کا ہے اور آپ اکثر جیل میں رہتے ہیں اور اہل وعیال کرایہ ادا کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، بہتر ہے کہ کسی نہ کسی طرح یہ کڑوا گھونٹ حلق سے اُتار لیں۔ تاکہ بچے بے فکر ہو کر اپنے گھر میں رہ سکیں، خیر انہوں نے شاہ صاحب کو قائل کر لیا اور مولانا کا مکان شاہ صاحب نے خرید لیا۔ انگریز کے ایجنٹوں کو موقع ہاتھ لگا۔

سرکاری روزناموں میں خبر آ گئی کہ عطاء اللہ شاہ بخاری نے ایک شاندار کوٹھی خرید لی ہے، کچھ دنوں کے بعد مسجد خیر الدین ہال بازار امرتسر میں جلسہ ہوا، تو دوران تقریر شاہ صاحب کی نظر والد صاحب پر پڑ گئی، ہنس کر فرمایا: بھائی نصیر الدین! آپ نے میری بیوی کا زیور بکوا کر مقروض کر کے جو کوٹھا لے کر دیا تھا، دیکھ لیا یاروں نے اسے

کوٹھی بنا دیا۔ (بخاری کی باتیں ص: ۱۵۱)

مغربی مصنوعات سے اجتناب :

شاہ جیؒ ہمیشہ ہی موٹا جھوٹا پہنتے، گھر میں بھی یہی حال تھا فقر و استغناء کی سچی تصویر تھے۔ مغربی تہذیب کے خفی وجلی اثرات کا سایہ بھی ان سے میلوں دور رہتا۔ میں نے ان کے گھر میں مغربی مصنوعات مغربی تصورات اور مغربی نظریات کا گزر تک نہیں پایا۔ ان کی فرنگ دشمنی اور یورپ بیزاری کا یہ عالم تھا کہ بس میں ہوتا تو اپنے گھر میں بجلی اور پنکھا بھی نہ لگواتے۔ ان دو چیزوں کے سوا میں نے ان کے ہاں کبھی کوئی یورپی چیز نہ دیکھی۔ ریڈیو کے وہ اتنے مخالف تھے کہ سینکڑوں مرید تھے جنہوں نے ریڈیو سیٹ پیش کرنا چاہا۔ مگر جھنجلا کر انکار فرما دیا اور فرمایا: گھر میں استاد جی لانا چاہتے ہو؟

صبح وشام دو روٹیاں مل جاتی ہیں :

شاہ جی ایک مرتبہ بہاولپور پہنچے نواب بہاولپور کو معلوم ہوا تو اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو ڈیرہ نواب صاحب سے شاہ جی کے پاس بھیجا اور ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ شاہ جی نے جواب دیا! فقیر بادشاہوں کے دربار میں نہیں جایا کرتے۔ پھر ہنس کر کہا ''اب تو میں یوں بھی اس ریاست میں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا ہوں۔ یہ معزز میزبان کا کام ہے کہ مہمان کی عزت افزائی میں پیش قدمی کرے''۔ سیکرٹری واپس چلا گیا۔ اگلے دن نواب صاحب بنفسِ نفیس ملنے آئے اور دس ہزار روپے بطور نذرانہ پیش کیے۔ لیکن شاہ جی نے نہایت بے نیازی سے یہ رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کا جواب تھا ''فقیر کو اللہ کے فضل وکرم سے صبح وشام دو روٹیاں مل جاتی ہیں اس سے زیادہ کی خواہش نہیں''۔

صدر سکندر مرزا کی خواہش :

جانباز مرزا لکھتے ہیں : ۹ مئی ۱۹۵۸ء کو صدر پاکستان میجر جنرل سکندر مرزا ملتان آئے تو انہوں نے امیر شریعت سے ملاقات کی خواہش کی۔ اس ملاقات کے مہتمم شیعہ رہنما مظفر علی شمسی تھے، جب امیر شریعت کو اس کی اطلاع ہوئی کہ گیلانیوں کی دعوت کے موقع پر صدر مملکت مجھ سے ملنا چاہتے ہیں اور جب شمسی صاحب امیر شریعتؒ کو لینے آئے تو امیر شریعت نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا!

شمسی ! تم میرے عزیز ہو میں تمہارا حکم ٹال نہیں سکتا لیکن یہ سوچ لو کہ تم دونوں کی پوزیشن کو خطرے میں ڈال رہے ہو۔ سکندر مرزا ملک کے صدر ہیں اگر وہ فقیر کے جھونپڑے میں آئیں تو یہ ان کی حیثیت کے خلاف ہے اور اگر میں انہیں ملنے جاؤں تو عمر بھر کی کمائی برباد کر بیٹھوں گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ میری طرف سے معذرت کر دو۔

(حیات امیر شریعت ص ۴۲۹)

لندن آنے کی دعوت :

ضابطہ حیات کی طرح اصولِ آدمی بھی ایک آئین ہے۔ جسے انسان احساس کے سانچے میں ڈھالتا ہے، اگر یہ سانچہ ٹوٹ جائے تو آدمیت داغ دار ہو جاتی ہے۔

۱۹۵۸ء کے آخر میں انٹرنیشنل تبلیغی مشن لندن کے سیکرٹری راؤ شیر علی نے حضرت امیر شریعتؒ اور حضرت مولانا لاہوریؒ کو لندن آنے کی دعوت دی، اور اس کے لئے تمام امکانی سہولتیں بہم پہنچانے کا وعدہ کیا، یہاں تک کہ خود انجمن کے افراد بھی لندن سے دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن حضرت امیر شریعتؒ نے ان حضرات کی درخواست کے جواب میں فرمایا :

''بھائی! اول تو میں اپنی صحت کے پیش نظر اس سفر کے قابل نہیں ہوں۔ اگر ہوتا بھی تو جس (انگریز) نے ڈیڑھ سو برس میرے ملک کو غلام رکھا، اس کا خون چوسا، اور جاتی دفعہ فتنہ وفساد کا ایسا تخم چھوڑ گیا کہ برصغیر پاک وہند کے انسانوں کے مابین کبھی امن قائم ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسرا میں نے اپنی زندگی کے قریباً چالیس (۴۰) برس ان کی مخالفت کی ہے اس بنا پر میرا ضمیر اس ملک میں جانے کی اجازت نہیں دیتا''۔

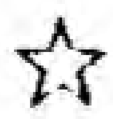
اس پر جب ان لوگوں نے مزید اصرار کیا، تو فرمایا:

''بھائی! میں اصول کا آدمی ہوں، اور اسی اصول پر زندگی کے چالیس برس گزارے ہیں''۔

حضرت لاہوریؒ کو جب امیر شریعتؒ کی اس رائے اور فیصلے کا علم ہوا، تو انہوں نے بھی اسی قسم کا جواب دیا۔ (حیاتِ امیر شریعت ص:۴۳۹)

حضرت امیر شریعتؒ کی شخصیت وکردار، سوانح وخدمات، اوصاف وکمالات، اخلاص وللّٰہیت، زہد واستغناء، صبر وتحمل، عفو ودرگزر اور آثار وافکار کے حوالہ سے جتنا بھی تحریری کام کیا گیا ہے وہ اس جامع الصفات شخصیت کی ہمہ جہتی خدمات کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ شاہ جی کے کردار وعمل سے بھرپور زندگی کے ہر پہلو کو ضبط تحریر میں لانے کے لئے کئی دفتر درکار ہیں۔ ان ابواب میں تو شاہ جی کی زندگی کے اہم پہلو کے اجمالی خاکے اور ان کی ایمان افروز زندگی کا ایک عکس جمیل پیش کیا گیا ہے، تا کہ ہم بھی اس زُہد وتقویٰ کی زندگی کو اپنا شعار بنا کر دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جائیں ......

ع شاید کہ تیرے دل میں اُتر جائے میری بات



باب ششم

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اتباع سنت

ذاتِ کون ومکاں ہے جذبہ عشق رسولؐ
کچھ نہیں ہوتا یہاں بے گرمی سوزِ بلالؓ

رب کائنات کی اس دھرتی پر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ایک ایسی ہستی ہے جس سے محبت، والہیت، عقیدت وارفتگی اور عشق عین ایمان ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نعمت بھی ہے اور قوت بھی، دولت بھی ہے اور حشمت بھی، شوکت بھی ہے اور صولت بھی، عشق محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم غیرت بھی ہے اور حمیت بھی۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ عشق ومحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی اپنی مثال آپ تھے عشقِ رسول میں اُن کا دل آب آب رہتا تھا' ذکرِ رسول آیا اور ان کی آنکھوں کے کٹورے لبالب بھر گئے یہ منظر کئی ساتھیوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، وہ خود بھی نظم اور نثر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کیا کرتے تھے۔ اُن کے نعتیہ اشعار ان کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں جب وہ اپنی نعت کے یہ اشعار پڑھتے تو اُن کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ....

مقام و مہبطِ قرآن وانبیاء گردید

بہ مشت خاک بنازم چہ رتبۂ خاک است

یتیم مکہ محمدؐ کہ آبروئے خدا است

کسیکہ خاک رہش نیست بر سرش خاک است

چمن چمن گل و نسریں زعکس رخ ریزد

سپید سپید گل خنداں زراہِ مے چکدش

(سواطع الالہام ص:۱۴۲)

اور نبی کے [illegible] ملاحظہ ہو

[illegible]

قرآن ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لزوم اور شان وعظمت دیکھیے امیر شریعتؒ نے کیسے بیان فرمایا .... ؎

لولاک ذرۂ ز جہاں محمدؐ است

سبحان من یراہ چہ شان محمدؐ است

نازد بنام پاک محمدؐ کلام پاک

نازم بآں کلام کہ جان محمدؐ است

(سواطع الالہام ص:۷۲)

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

محبتِ رسولؐ ہر مومن کے ایمان کی اساس اور بنیاد ہے۔ مگر آپ کے قلبِ

اقدس میں محبت رسول ﷺ کا جو بحر ناپیدا کنار متلاطم تھا اس کی نظیر [illegible]

سکے گی لیکن موجودہ دور میں ڈھونڈنے سے [illegible] جذبہ محبت [illegible]

ﷺ کا دل میں اس قدر وفور تھا کہ جہاں بھی [illegible] کریم ﷺ [illegible]

آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اور جب بھی عزت و ناموس [illegible]

آپ اپنے آپ کو بھول کر میدان جہاد میں اتر آئے اور بڑی سے بڑی قربانی دینے

سے دریغ نہ کیا۔

مرزائیت سے آپ کو جو دلی نفرت [illegible]

استقلال [illegible] کے بعد تردید مرزائیت [illegible]

[illegible]

عالم پیری میں ضعف و نقاہت اور مرض و علالت کے باوجود [illegible]

فرماتے ہوئے جیل گئے اور سال بھر سے زیادہ مدت تک [illegible]

پیشانی اور صبر و ثبات سے برداشت کیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً [illegible]

تبلیغ دین سے شغف وانہماک :

نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد ابلاغ و تبلیغ دین ہے۔ حضور ﷺ سے [illegible]

عقیدت اور صحیح محبت یہی ہے کہ آپ کے نصب العین کی خدمت و تکمیل کے لئے ہر ممکن

سعی کی جائے۔ چنانچہ اس محافظِ ناموسِ رسول ﷺ کی حیات مقدسہ حضور ﷺ کے اس

پاک مشن کی خدمت میں گزر گئی۔

آپ کو تبلیغِ دین اور اشاعت اسلام سے جو شغف وانہماک تھا اور آپ کا قلبِ اقدس جس طرح آٹھوں پہر جذبۂ تبلیغ کے لئے مضطرب اور بے قرار رہتا تھا۔ اس کی نظیر تلاش وتجسس کے باوجود نہیں مل سکتی۔ فرنگی اقتدار کی مخالفت اور استخلاصِ وطن کے لئے بلاشبہ آپ نے زریں کارنامے انجام دیئے۔ لیکن یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ کا اوڑھنا بچھونا تبلیغ دین تھی۔ آپ فطرتاً مبلغ تھے اور قدرت نے آپ کو پیدا ہی تبلیغ واشاعت اسلام کے لئے کیا تھا۔

معاملہ عقل وخرد کا نہیں عشق کا ہے :

شاہ جی اکثر فرمایا کرتے تھے : ''خدا کی عبادت، رسول کی اطاعت اور انگریز سے بغاوت'' یہ میرا ایمان ہے اور رہے گا۔ خدا معبود ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ محبوب اور انگریز مغضوبِ خدا کو جو جی چاہے کہو اس کا محاسبہ وہ خود کرے گا۔ مگر محمد ﷺ کے متعلق سوچ لینا یہ عقل وخرد کا کام نہیں ہے یہ عشق کا ہے۔ عشق پر زور نہیں ہوتا نہ اپنے پر اختیار۔ یہ نہیں سوچا جائے گا کہ قانون کیا کہتا ہے۔ پھر جو ہونا ہوگا ہو جائے گا اور جو ہوگا دیکھا جائے گا...... ع باخدا دیوانہ باش وبا محمدؐ ہوشیار

حضور ﷺ کی قدم بوسی کی سعادت :

غازی سلطان محمود صاحب (شیخوپورہ) اپنے علاقہ کے مشہور احراری کارکن تھے۔ انہوں نے قریباً ہر ملکی اور مذہبی تحریک میں حصہ لیا اور عمر کا بیشتر حصہ جیلوں میں گذار دیا۔

وہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ ہوا میں نے ایک رات ایک طویل خواب دیکھا

جس میں آنحضورﷺ کی زیارت ہوئی۔ اجمالاً وہ خواب یوں تھا جیسے ایک وسیع جگہ پر آنحضورﷺ دائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے ہیں۔ چہرہ اقدس قبلہ کی طرف ہے۔ حضور علیہ السلام کے سامنے اس زمانہ کے کئی سو علماء کھڑے ہیں۔ پہلی صف کی درمیان سے حضرت مدنیؒ نکل کر حضورﷺ کے قریب جا کر دوزانو بیٹھ جاتے ہیں۔ باقی سب علماء اپنی اپنی جگہ باادب کھڑے ہیں اور حضرت مدنیؒ سے کچھ باتیں کر رہے ہیں اور حضورﷺ کے پاؤں مبارک کی طرف ایک صاحب فوجی وردی پہنے لیٹ کر حضورﷺ کا تلوہ زبان سے چاٹ رہے ہیں۔ حضورﷺ نے دوسرا پاؤں اس شخص کے سر پر رکھا ہوا ہے۔ وہ ایک کیف ومستی کے عالم میں حضورﷺ کے قدم مبارک چاٹ رہے ہیں اور حضورﷺ مسکرا مسکرا دیکھتے ہیں۔ میں غور سے دیکھتا ہوں تا کہ پہچانوں یہ خوش قسمت کون ہے؟ تو چہرہ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہیں۔ مختصر یہ کہ غازی صاحب کہتے ہیں، صبح میں نے یہ خواب مِن وعَن لکھ کر شاہ جیؒ کو امرتسر بھیج دیا اور میں خواب کے اس کیف اور سرور میں کچھ ایسا کھویا ہوا تھا کہ شاہ جی کا خواب میں جو منظر تھا اس کو یوں لکھ گیا کہ آنحضورﷺ کا ایک پاؤں آپ کے سر پر تھا اور دوسرا پاؤں آپ کتے کی طرح چاٹ رہے تھے۔

وہی خواب اب زبانی سناؤ:

کافی دن گزر گئے تو ایک جلسہ میں تقریر کے بعد شاہ جی سے ملاقات ہوئی، کچھ اور لوگ بھی شاہ صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ جب مجھے دیکھا تو حسب دستور بڑی محبت سے ملے، پھر فرمایا: وہی خواب اب زبانی سناؤ۔ میں نے سنایا تو جب آپ کے ذکر تک آیا تو میں نے کہا کہ آپ آنحضورﷺ کا پاؤں مبارک چاٹ رہے

تھے۔ میری طرف دیکھ کر پوچھا کس طرح؟ میں نے کہا: ''زبان سے'' فرمایا: نہیں جیسا خط میں لکھا تھا ویسے بتاؤ تو معاً مجھے یاد آ گیا کہ خط میں تو میں نے تشبیہ کسی اور طرح لکھی تھی، لیکن اب منہ پر مجھے شرم آتی تھی، لیکن شاہ جی نے باصرار مجھے کہلوایا کہ آپ حضور ﷺ کا پاؤں کتے کی طرح چاٹ رہے تھے، سن کو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور پھر خود ہی یہ فقرہ بار بار دُہراتے رہے۔ (بخاری کی باتیں ص: ۲۷، ۲۸)

لگتی ہیں گالیاں بھی تیرے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ دے اسی طرح

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ایک پیر صاحب کے مرید حج پر جا رہے تھے، پیر نے عرض کیا، حضورِ اقدس ﷺ کی بارگاہ میں میرا اسلام پیش کرنا۔ سلام پیش کیا حضور ﷺ مرید کو خواب میں آئے اور فرمایا: اپنے بدعتی پیر سے میرا بھی سلام کہنا۔ پیر کو اِن الفاظ کی خواب میں اطلاع کر دی گئی۔ مرید نے واپس آ کر عرض کیا: حضور ﷺ نے خواب میں آپ کو سلام کہے ہیں، پیر نے کہا جو حضور ﷺ نے فرمایا اسی طرح کہو۔ چنانچہ مرید نے کہا حضور ﷺ نے فرمایا: اپنے بدعتی پیر سے میرا سلام کہنا ....

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ　　　ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے

عشق است ہزار بدگمانی:

حضرت علامہ دوست محمد قریشیؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ راجن پور میں شاہ جی کی تقریر تھی، شاہ جی نے تقریر کرتے ہوئے آنحضور ﷺ کے زمانہ شباب سے قبل کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے عوام کو سمجھانے کے لئے فرمایا: حضور ﷺ جب ابھی سنِ

بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ ابھی جوانی میں قدم نہیں رکھا تھا، اپنی پنجابی میں یوں سمجھو، حضور ابھی ''چھوہر'' تھے، منڈے ہی تھے خیر تقریر ختم ہوگئی۔

جب تقریر کے بعد شاہ جی قیام پر پہنچے نصف رات ہو چکی تھی، کچھ لوگ شاہ جی کے ساتھ قیام گاہ پر آ گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا: شاہ جیؒ! ماشاء اللہ تقریر تو خوب ہوئی، مگر ایک بات آپ نے غلط کی ہے، شاہ جیؒ نے پوچھا کیا: اُس شخص نے کہا آپ نے حضور ﷺ کو ''منڈا'' کہا۔

ہمارے ہاں لفظ ''منڈا'' اچھے معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔ یہاں تو آزاد و عیاش کو عموماً منڈا کہتے ہیں۔ شاہ جی نے سنا تو تڑپ اُٹھے۔ فرمایا: اچھا آپ نے مجھے وہیں کیوں نہ ٹوک دیا۔ استغفر اللہ استغفر اللہ یہ بہت بُرا ہوا۔ ہمارے ہاں تو منڈا لڑکے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مجھے کیا خبر تھی میری توبہ۔ شاہ جی کی طبیعت نہایت افسردہ اور پریشان ہوگئی۔ وہ لوگ آخر اُٹھ کر چلے گئے۔ میرا قیام بھی حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ہی تھا۔ تمام رات شاہ جی بے چین رہے۔ کبھی لیٹ جاتے، کبھی اُٹھ بیٹھتے اور بار بار فرماتے الٰہی میری توبہ، اللہ تو جانتا ہے میں نے حضور ﷺ کی توہین نہیں کی۔ جب اسی بے چینی میں کافی وقت گزر گیا تو میں نے عرض کی، شاہ جی! آپ اطمینان رکھیں، اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں جانتے ہیں۔ خدا نہ کرے آپ کی نیت تو حضور ﷺ کی توہین کی نہیں تھی۔ آپ اب آرام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائیں، شاہ جی نے فرمایا: مولانا! یہ ٹھیک ہے، مگر مجھے چین نہیں آتا۔ مجھے کیا خبر تھی یہاں اس لفظ کا مفہوم ہی کچھ اور ہے۔ میں نے بہت تسلی دینے کی کوشش کی مگر شاہ صاحب رات بھر تڑپتے اور لوٹتے رہے اور بار بار آہیں بھرتے اور استغفار کرتے رہے، صبح ہوئی تو میزبان آئے۔ ان سے فرمایا: آج پھر میری تقریر کا اعلان کردو۔

لوگو! گواہ رہو میں نے توہین نہیں کی:

تقریر کا اعلان ہو گیا۔ شاہ جی جب تقریر فرمانے کے لئے چلے تو ہاتھ میں معمولی اور نا کارہ سی لکڑی کا ایک ٹکڑا لے لیا۔ اسی طرح اسٹیج پر تشریف لے گئے اور لکڑی میز پر رکھ دی۔ میں حیران تھا کہ شاہ جی نے یہ لکڑی کیوں ساتھ رکھی ہے۔ بہر حال تقریر فرمائی اور تقریر فرماتے ہوئے رات والے لفظ پر آ گئے کہ رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لڑکپن سمجھانے کے لئے جس لفظ کا استعمال کیا، ہمارے ہاں اس کے معنی یہی ہیں، پھر وہ لکڑی ہاتھ میں لے کر فرمایا: آپ کے قصبہ میں اس کو کیا کہتے ہیں؟ لوگوں نے بتایا: پھر فرمایا کہ یہاں سے دور فلاں جگہ ہے وہاں کے لوگ آئے ہوں گے، ہاتھ اُٹھائیں، پھر ان سے پوچھا آپ اس کو کیا کہتے ہیں، انہوں نے کچھ اور ہی نام بتایا۔ اسی طرح کئی علاقوں اور قصبوں کے آدمیوں سے پوچھا، تو اس مجمع میں اس لکڑی کے پانچ چھ نام لئے گئے، پھر آپ نے سمجھایا کہ اسی طرح میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لڑکپن کو کئی زبانوں میں سمجھانا چاہا تھا، اگر سمجھاتے ہوئے ایک لفظ کے معنی آپ کے ہاں ''ناشائستہ سے'' ہیں تو میں نے دانستہ ایسا نہیں کیا، میں نے صرف آپ کو سمجھانے کی خاطر کیا تھا۔ آپ اس لفظ کے معنی وہی لیں جو میری مراد تھی، ورنہ عطاء اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی توبہ ہے توبہ ہے۔ اس وقت شاہ صاحب پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی، گرج کر فرمایا: لوگو! گواہ رہو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں کی، پھر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: یہ الفاظ ایسی کیفیت میں دہرائے کہ تمام مجمع چیخنے لگا، شاہ جی کے رُخساروں پر آنسو ڈھلک آئے اور مجمع کے روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۰۶)

اگر معراج کی رات میں ہوتا ؟

ایک مرتبہ شاہ صاحب نے کسی مجلس میں فرمایا: نبی کریم ﷺ جب معراج پر تشریف لے گئے تو آپ کے دائیں بائیں اوپر نیچے نوریوں کی بارات تھی تاکہ اس مجلس میں ابلیس کا دخل نہ ہو۔ اس طرح چلتے چلتے ہر آسمان پر فرشتے رُکتے گئے۔ حتیٰ کہ ساتویں ''آسماں پر سدرۃ المنتہیٰ'' کے قریب جبرئیلؑ بھی رُک گئے، اب نبی ﷺ نے کہا: جبرائیل آ گے؟ فرمایا: حضور ﷺ! یہ میری انتہا ہے۔ پتہ چلا کہ جہاں نوریوں کی انتہاء ہے، وہاں سے آمنہ کے لعل بشر کی ابتداء ہے۔ تو فرمایا شاہ صاحب نے کہ جبرائیل نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اگر میں ہوتا تو ساتھ جاتا۔ میرا ایمان ہے کہ جہاں رحمت ہو وہاں عذاب کا کیا کام اور جس کے ساتھ رحمت اللعالمین ہوں اس کے پر جلنے کا پھر کیا خدشہ اور ویسے بھی فرمانِ خداوندی ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ (التوبۃ)۔ ترجمہ: اللہ کو یہ مناسب نہیں کہ جن میں آپ ہوں ان کو عذاب ہو۔ (بخاری کی باتیں ص: ۱۵۳)

یہ نعلین سر پر رکھنے کے قابل ہیں :

مولانا سید محمد طیب ہمدانی (قصور) فرماتے ہیں کہ ہمارا ایک بھائی گونگا تھا۔ اس لئے ہم نے اسے کوئی ہنر سکھانا چاہا تو اس نے ''جوتا سازی'' کے فن کو پسند کیا اور اس میں خوب مہارت حاصل کر لی۔ اس نے ایک دفعہ آنحضور ﷺ کے نعلین مبارک کی تصویر دیکھی تو مجھ سے کہا کہ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے نعلین کی طرح نعلین بنا سکتا ہوں، پھر ایک روز وہ اسی نقشہ کے مطابق نعلین بنا کر لے آیا، اور مجھے پہنا دیئے اور بہت خوش

ہوا کچھ روز کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ قصور تشریف لائے تو ہمارے ہاں قیام فرمایا۔

اسی دوران انہیں غسل خانہ جانے کی ضرورت پڑی تو میں نے وہی جوتے ان کے آگے کر دیئے۔ جوتے دیکھتے ہی ٹھٹھک گئے اور فرمایا: ہمدانی یہ تو بالکل میاں صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کے نقشہ کے مطابق ہیں۔ میں نے ساری بات بتا دی، فوراً جھکے اور نعلین اُٹھا لئے، فرمایا: ظالم یہ نعلین پاؤں میں پہننے کے لئے نہیں یہ کہہ کر وہ نعلین اپنے سر پر رکھ لئے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بار بار کہتے جا رہے تھے، یہ سر پر رکھنے کے قابل ہیں۔

پھر غسل خانہ میں جا کر ان جوتوں کو اپنے ہاتھوں سے خوب دھو کر صاف کیا، ان پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی، کہنے لگے ہمدانی! یہ جوتے مجھے دے دو۔ میں نے عرض کیا ضرور شاہ جی! بلکہ یہ تو مجھ پر احسان ہوگا۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۵۴)

عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

ابتدا میں شاہ جی کو روحانی فیض اپنے والد ماجد قدس سرہ کی نظرِ التفات اور خاص توجہ سے ملا۔ شاہ جی نے ایک روز فرمایا تھا۔ جب وہ چلتے تو درخت اور دیواریں انہیں پیچھے ہٹتی ہوئی معلوم ہوتیں اور بھی روحانی کمالات کا تذکرہ کیا۔ شاہ جی کی ساری زندگی تقویٰ، پرہیز گاری، درویشی اور توکل پر گزری، اللہ تعالیٰ نے ظاہری حسن و جمال کے ساتھ حسنِ سیرت سے بھی نوازا تھا۔ ان کی طبیعت دنیا کی طرف کبھی راغب نہ ہوئی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خواہش سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ان کو اگر دھن تھی تو یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام زندگی جو ابدی نجات کا ذریعہ ہے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک

پہنچادیں۔اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے ہزاروں تقریریں کیں۔حضور اکرم ﷺ کے لاکھوں شیدائیوں کو حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف پہلوؤں سے روشناس کرایا۔حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ناموس اور تحفظ ختم نبوت پر جہاد باللسان کیا۔ حضرت سید محمد انور شاہ کاشمیری نے جس مشن کے لئے آپ کا انتخاب کیا تھا اس کو تمام عمر بطریق احسن پورا کیا۔شاہ جی نے ایک دفعہ فرمایا کہ ہم نے انگریزوں کے خلاف اس وقت علم بغاوت بلند کیا جب مائیں اپنے بچوں کو انگریز کا نام لے کر ڈرایا کرتی تھیں۔اس حق گوئی وجذبہ حریت کی پاداش میں انہیں بارہا جیل جانا پڑا۔مقدمات چلے۔مگر انہوں نے ہزاروں کے مجمع میں انگریز کے خلاف تقاریر کیں ......

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

شاہ جی سے لاکھوں انسانوں کو بے پناہ عقیدت تھی۔شاہ جی کا نام ان کے دل کی دھڑکنوں میں بس گیا تھا۔شاہ جی کے لئے ہزاروں دلوں سے دعائیں نکلتی تھیں۔ اس ضمن میں ایک واقعہ یاد آ گیا جو شاہ جی کی زبانی سنا تھا۔

لدھا رام کی گواہی :

لدھا رام حکومت کا رپورٹر تھا سر سکندر حیات کی حکومت نے شاہ جی کی تقریر کے متن کو مسخ کرا کے لدھا رام سے نئی رپورٹ لکھوائی یہ بہت بڑا مقدمہ تھا۔اس مقدمے میں شاہ جی کو بڑی سے بڑی سزا دی جا سکتی تھی۔آخری پیشی کے وقت لدھا رام نے شاہ جی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔لدھا رام کا مردہ ضمیر جاگ اٹھا۔اس نے برسرِ عدالت حقیقت کا انکشاف کر دیا اور عدالت میں بیان دیا کہ شاہ جی کی تقریر کے

متن کو مسخ کر کے اس سے دوبارہ یہ رپورٹ تیار کرائی گئی ہے۔ جو الزامات شاہ جی پر لگائے گئے ہیں وہ بے بنیاد، فرضی اور بعید از حقیقت ہیں۔ اس طرح شاہ جی تختہ دار تک پہنچ کر واپس آ گئے۔ (مقدمہ سے باعزت بری کر دیئے گئے) یہ ان دعاؤں کا نتیجہ تھا جو لاکھوں انسانوں نے بارگاہ رب العزت میں کی تھیں۔ (حیاتِ امیر شریعت ص:۲۳۳)

ضعیفہ کی دعائیں:

شاہ جی نے فرمایا میں ایک جلسے میں تقریر کر کے سٹیج سے نیچے اترا تو ایک ضعیفہ لاٹھی سے ٹیک لگائے راستے میں کھڑی تھی۔ جونہی میں اس کے پاس سے گزرا اس نے میرا نام لیکر مجھے پکارا۔ میرے قدم یکدم رک گئے۔ میں اس عفیفہ ضعیفہ کے قریب گیا۔ ادب سے سلام کیا۔ بڑھیا کہنے لگی عطاء اللہ شاہ تیرا نام ہے۔ ادب سے کہا کہ اس گنہگار ہی کو عطاء اللہ کہتے ہیں۔ بے شمار دعائیں دیں کہنے لگی کہ اس بوڑھی جان کے ساتھ سینکڑوں نفل پڑھ کر تیرے لئے دعائیں کی ہیں کہ اے خدا اس نے تیرے حبیب کے ناموس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی ہے یہ حق کے لئے لڑ رہا ہے۔ اس کو سلامت رکھنا۔ اس کو دشمنوں پر فتح نصیب کرنا۔ بڑھیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ میں اس کیفیت کو بیان نہیں کر سکتا جو اس وقت مجھ پر طاری ہوئی۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے کرم کے انداز ہیں۔

شاہ جی کی صحبتیں:

امین گیلانی راوی ہیں:

شاہ جی کی صحبتوں کا ایک ایک لمحہ علم وادب کے چراغ روشن کرتا رہا۔ شعر وادب کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ مذہب کے بہت سے گوشے بے نقاب ہوئے۔

سیاست کے عروج وزوال کی داستانیں سنیں، بزرگوں کی روحانی درجات کے واقعات نے ذہن میں اجالا کیا۔ علمائے کرام کے تقویٰ، پرہیزگاری، ان کے علمی مقامات اور ان کی بے نفسی وخدا ترسی کے بہت سے قصے سنے۔ ملتان کے دوسال کے قیام کے دوران دل ونظر کی تربیت کے بے شمار مواقع میسر آئے۔

خالصہ کالج میں داڑھی رکھنا آسان ہے :

کالج کے نوجوان طبقہ سے شاہ جی بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ پروفیسر صاحبان کالج کے طلباء اور نوجوان اکثر شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ شاہ جی کی تبلیغ کا انداز منفرد تھا وہ نوجوانوں پر کفر کے فتوے لگانے، انہیں مذہب سے دور رکھنے کے حق میں نہ تھے۔ نوجوان شاہ جی کی گفتگو سے لطف اندوز ہونے کے لئے آتے۔ حالاتِ حاضرہ پر باتیں ہوتیں۔ سیاست زیر بحث آتی۔ ملکی معاملات پر تبادلہ خیال ہوتا۔

ایک روز اسلامیہ کالج کے چند طلباء شاہ جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ باتوں باتوں میں انہوں نے کہا کہ شاہ جیؒ! کالج کا ماحول ہی ایسا ہوتا ہے جہاں داڑھی رکھنا بہت مشکل ہے۔ شاہ جی نے داڑھی رکھنے کے جواز میں نہ کوئی حدیث پڑھی اور نہ ہی کلام پاک کی کسی آیت کی تلاوت کی۔ فرمایا! آپ نے ٹھیک فرمایا: ”خالصہ کالج (سکھوں کا کالج) میں داڑھی رکھنا آسان ہے اسلامیہ کالج میں واقعی بہت مشکل ہے“ اس جواب سے ان کے چہرے زرد پڑ گئے۔ انتہائی شرمندہ ہوئے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ شاہ جی ایسا جواب دیں گے۔ (بخاری کی باتیں ص:۸۹)

مسلک کی پابندی :

کون نہیں جانتا کہ شاہ جی اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور تادم

آخر اسی مذہب پر قائم رہے۔ ائمہ اربعہ میں جب بھی کسی کا نام آیا تو آپ نے کمال عقیدت اور احترام سے ذکر کیا۔ لیکن تقلید حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی کرتے تھے۔ اور بالخصوص اپنے امام کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ آپ نے جو مسلک اختیار کیا تھا اس پر کس حد تک پابند تھے۔ چند ایک واقعات اس سلسلہ میں جو مشاہدہ میں آئے ان کا ذکر خالی از منفعت نہ ہوگا۔

بہاولپور میں قیام تھا۔ نماز ظہر کے وقت محلہ کی مسجد میں تشریف لے گئے۔ جب جماعت کھڑی ہونے لگی اور امامت کے لئے ہر مقتدی کی نگاہ حضرت شاہ جی کی طرف اٹھی تو آپ نے دریافت کیا کہ امام نہیں ہے؟ جواباً امام صاحب نے شاہ جی کی خدمت میں نماز پڑھانے کی استدعا کی جس پر شاہ جی نے اپنے سفر کا حوالہ دیتے ہوئے معذرت کی۔ اس پر محلے کے ایک معتبر بزرگ نے کہا کہ دو رکعت بقیہ ہم خود پڑھ لیں گے شاہ جی نے مصلے پر تشریف لے جا کر امامت سے قبل مقتدیوں کو مخاطب کر کے دریافت فرمایا کہ اچھا بتایئے آپ دو رکعت میں کیا پڑھیں گے؟ اس پر جلدی سے ایک معمر اور تعلیم یافتہ بزرگ نے جواب دیا کہ الحمد پڑھ لیں گے اور حسب دستور نماز پوری کریں گے اس پر آپ نے پوچھا کہ کس امام کے مقلد ہیں۔ سبھی نے بیک زبان جواب دیا کہ ہم حنفی ہیں۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا ''اگر آپ حنفی المذہب ہیں تو خوب یاد رکھیں کہ اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدیوں کی آخری دو رکعت بھی امام کی اقتداء میں سمجھی جائے گی اور انہیں ان دو رکعتوں میں بھی وہی کچھ پڑھنا ہوگا جو امام کے اقتداء میں پڑھا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ لوگ بجائے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے خاموشی کے ساتھ انداز قرأت کے وقت کے اندازے کے برابر قیام کر کے رکوع میں چلے جائیں گے''۔

سنت کا اہتمام :

بہاولپور میں شاہ جیؒ ارشد صاحب کے مکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہوگیا۔ سات آٹھ آدمی نماز پڑھنے والے موجود تھے۔ اس لئے جماعت کے لئے استدعا کی گئی۔ سب لوگوں نے وضو کرلیا صف بندی ہوگئی اور شاہ جی مصلے کی طرف بڑھے تو کسی نے اقامت کہنی شروع کردی۔ آپ نے روک کر دریافت فرمایا کہا اذان کہہ دی؟ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ :

''ترکِ سنت کو عادت نہ بناؤ بلکہ بھولی بسری سنتوں کو زندہ کر کے اپنا گھر بہشت میں بنالو۔ اذان کہنا سنت ہے۔ اس لئے پہلے اذان کہہ دو''۔

چنانچہ پہلے اذان کہی گئی اور پھر جماعت کھڑی ہوئی۔

جامع مسجد بہاولپور میں مجلس حزب اللہ کے زیر اہتمام مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی مرحوم اور شاہ جی کی تقاریر کا پروگرام تھا۔ خطبہ جمعہ شاہ جی نے اپنے مخصوص زوردار انداز میں پڑھا۔ بعد نماز تقریر کے دوران فرمایا۔ ''میں نے خطبہ کے دوران میں دیکھا کہ بعض لوگوں نے دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جہاں تک فقہ حنفی کا تعلق ہے، دو خطبوں کے درمیان دعا کی اجازت نہیں ہے۔ خطبہ دو رکعت فرض کا قائم مقام ہے۔ اور اس کو خاموشی سے سننے کا حکم ہے (نماز کے وقت صفوں میں چھوٹے چھوٹے بچے موجود تھے) اچھی طرح سمجھ لو کہ نابالغوں کے لئے علیحدہ صف بندی کا تاکیدی حکم ہے۔ نابالغوں کا بالغوں کی صف میں نماز ادا کرنا تنقیص [illegible] ت کا موجب ہے۔ علماء کرام موجود ہیں اگر میں کوئی غلط بات کہوں تو

ٹوک دیں"۔(امیر شریعت نمبر ص:۵۰۸تا۵۱۰)

بیٹی کی سنت کے مطابق شادی :

جانباز مرزا لکھتے ہیں :

امیر شریعت نے اپنی عزیز بیٹی کو سنت رسول ﷺ کی چادر میں لپیٹ کر گھر سے رخصت کیا۔ انصاف کلاتھ ہاؤس (فیصل آباد) کے مالک شیخ گلزار کا بیان ہے کہ "شاہ جی اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں کراچی آئے اور کہا تمہاری ہمشیرہ کی شادی کے لئے کپڑا خریدنا ہے۔ بازار چلو۔ میں ہزار روپیہ جیب میں ڈال کر شاہ جی کے ساتھ ہولیا۔ جب پانچ سو سے کچھ کم کا کپڑا خرید چکے تو کہا بس بیٹا۔ میں نے عرض کیا حضرت! یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔ جواب میں کہا بیٹا میری گرہ (جیب) اس قدر اجازت دیتی ہے"۔ اس پر میں نے عرض کیا۔ حضرت پیسے بہت ہیں۔

آنسو کے زیورات :

فرمایا : نہیں میرے عزیز ! میں تمہیں اپنے ساتھ اس لئے نہیں لایا کہ تمہارے پیسے بہت ہیں۔ بلکہ مجھے اس کپڑے کی پہچان نہیں اور دوسرا تمہارے ساتھ ہونے سے کچھ رعایت ہوگئی ہے۔ چنانچہ شاہ جی نے تمام رقم اپنی گرہ سے ادا کی۔

رسم نکاح مخدوم ومحترم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نے ادا فرمائی اور اس طرح مارچ کے آخر یا اپریل ۱۹۵۲ء کے شروع میں امیر شریعتؒ نے اپنے جگر گوشے کو آنسوؤں کے زیودات سے آراستہ کر کے گھر سے رخصت کیا۔

(حیات امیر شریعت ص۳۳۹)

بعد از مرگ احتساب :

القاسم اکیڈمی کے رکن محمد شفیق عالم کشمیری نے ایک واقعہ بیان کیا کہ :

گزشتہ سال احقر کو سب انجینئر الطاف اکبر بلوچ اور چند ساتھیوں کی معیت میں حضرت امیر شریعتؒ کے مزار اقدس پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ چار دیواری کے اندر داخلہ کے لئے ایک گیٹ لگا ہوا تھا جو مقفل تھا سامنے فٹ پاتھ پر ایک حجام چٹائی ڈالے اپنے کام میں مصروف تھا ہمیں مسافر سمجھ کر پاس آیا اور تالا کھولنے لگا ہمارے استفسار پر بتایا کہ میں حضرت امیر شریعتؒ کا دیرینہ خدمت گار ہوں اور کافی عرصہ حضرت کی خدمت میں رہا اب ان کی زیارت کے لئے آنے جانے والوں کی خدمت کر کے روحانی تسکین حاصل کرتا ہوں۔ کہا کہ شاہ جی نے مجھے خواب میں متنبہ کیا کہ اگر لوگوں کی شیو (داڑھی منڈانا) بند نہیں کرو گے تو آئندہ میری قبر پہ مت آنا۔ اس دن سے میں نے شیو بنانا بند کر دیا ہے۔ اب صرف سر کے بال درست کرتا ہوں۔ وہ حجام آج بھی بخاری صاحب کے مزار اقدس کے سامنے بیٹھا نظر آتا ہے ....۔

جس زمیں پر ہو عطاء اللہ کا نقش قدم
ذرہ ذرہ اس زمیں کا آسماں پیدا کرے

علم دین سے قلبی وابستگی :

آپ کی کتاب زندگی فضائل ومناقب کا ایک درخشاں باب ہے ''علم دین سے قلبی وابستگی''۔ جہاں آج بڑے بڑے دیندار علماء کے بچے دینی علم سے بے بہرہ

اور کالج کی فضاؤں میں پلتے نظر آتے ہیں۔ وہاں حضرتؒ نے اپنے کسی بچے کو سکول اور کالج میں نہیں جانے دیا۔ سب کو مکتب ہی میں بٹھایا۔ سب سے پہلے اللہ کا قرآن پڑھایا۔ قرآن کریم کا حافظ بنایا اور علم دین ہی پڑھایا۔ اس زمانے میں اور تہذیب وترقی کے اس دور میں حضرت کا علم دین سے یہ دلی ربط و تعلق اور قلبی وابستگی اگر غور وتعمق سے دیکھا جائے تو بہت ہی بڑی بات۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ماشاء اللہ آپ کے چاروں فرزندان گرامی قرآن کریم کے حافظ ہوئے۔ دین کے عالم ہوئے اور اپنے عظیم والد کے جانشین اور علوم ومعارف کے وارث وامین بنے۔

اولاد کی تربیت :

حضرتؒ نے اپنی اولاد کی تربیت میں کتنی دلچسپی لی اور اس میں کہاں تک کامیاب ہوئے۔ اس کا علم مجھے تو حضرت کے وصال کے دن ہوا۔ جب دیکھا کہ اس حادثہ کبریٰ سے ہزاروں آنکھیں اشکبار ہیں۔ اور ہزاروں دل سوگوار ہیں مگر ایک ابوذر بخاری ہیں کہ صبر وضبط کا پیکر نظر آرہے ہیں۔ تجہیز وتکفین کی نگرانی خود کررہے ہیں۔ حتیٰ کہ صحیح اسلامی احکام کی تعمیل میں حضرت کا جنازہ بھی خود پڑھاتے ہیں۔

ایک بیٹے کے لئے اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانا کوئی معمولی کام نہیں بڑے۔ بڑے دل گردے کا کام ہے پھر نہ کوئی اضطراب ہے نہ پریشانی۔ آواز میں نہ پستی ہے نہ انحطاط۔

حضرت امیر شریعتؒ کی نگاہ میں علماء کا مقام :

۱۳۷۲ھ، ۱۹۵۲ء میں قصبہ قائم پور ضلع بہاولپور میں ''معراج النبی'' ﷺ

کے موضوع پر احرار اسلام کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی سرپرستی اور صدارت حاصل پور اور قائم پور کی معروف شخصیت حضرت سید محمد عبداللہ شاہ صاحب فرما رہے تھے۔ سٹیج پر باوقار مذہبی رہنما اور علماء کرام اور اور کارکنان موجود تھے۔ حضرت شاہ جی اپنے پاکیزہ خطاب کو خطبہ مسنونہ سے شروع فرما چکے تھے کہ سٹیج کے پیچھے مفتی غلام قادر صاحب تشریف لائے۔ شاہ جی اپنے خطاب ہی میں مفتی صاحب کو معانقہ ومصافحہ سے ملے اور قریباً پندرہ منٹ (۱۵) تک تمام علماء اور خصوصاً مفتی صاحب کی تعریف کرتے رہے۔ مفتی صاحب کے لئے فرمانے لگے کہ "دیکھو یہ مولوی مجھ سے قد میں چھوٹا ہے اور عمر میں بھی کم ہے۔ لیکن اس کا علم مجھ سے کہیں زیادہ ہے" اور کسر نفسی کی حد کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ "اگر میں کافی وقت علم کے حصول میں صرف کروں تو مفتی غلام قادر صاحب کے پایہ تک نہیں پہنچ سکتا"۔ اور ساتھ ہی مفتی غلام قادر صاحب کے لئے دعا فرمائی۔ قدر افزائی کی یہ صفت شاہ جی کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ودیعت فرمائی تھی کہ جہاں شاہ جی تشریف لے جاتے وہاں کے مقامی علماء کے عزت وشان بنا کر آتے تھے۔ اور یہی سنت ہے انبیاء علیہ السلام کی۔ ہر پیغمبر تشریف لاکر پہلے اپنے سے قبل یا ہم زمانہ نبی کی تعریف وتصدیق کرتا۔ جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اپنے زمانہ میں رحمت دو عالم حضرت محمد ﷺ کی خوشخبری دیتے تھے اور نبی ﷺ نے تشریف لانے کے بعد جملہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق فرماتے ہوئے امت کو تعلیم دی کہ ہم تمام سابقہ انبیاء علیہم السلام کو برحق سمجھتے ہیں۔ اور سب صحف وکتب سماویہ کو سچا مانتے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا۔

آمنت باللہ و ملائکتہ و کتبہ ورسلہ۔

حضرت رائے پوریؒ اور شاہ جیؒ :

حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ، بزگان رائے پور کے پاکباز وارث تھے۔آپ ولایت کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھےاور برصغیر کے بیشتر علماء حق ان کے دستِ حق پرست پر بیعت تھے۔جن میں حضرت امیر شریعت۔شیخ حسام الدین۔مولانا ابوالحسن علی ندوی۔مولانا محمد علی جالندھری۔مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی۔مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی۔مولانا عزیز الرحمٰن لدھیانوی ایسے اکابر شامل تھے۔حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری قدسرہٗ کی روحانی منزلت اور مقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بزگان دیوبند بالخصوص حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت قاری محمد طیب، بزرگان سہارنپور، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا، حضرت مولانا خلیل احمد، بزرگان جمعیت، مولانا حفظ الرحمٰن سیوھاروی اور مولانا عتیق الرحمٰن ....اجتماعی طور پر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے عقیدت مند تھے۔اور اپنی دینی وسیاسی جدوجہد میں انہیں اپنا سر پرست تسلیم کر تے تھے۔فی الحقیقت حضرت شاہ عبدالقادر کاروان علماء حق کی جدوجہد حریت کے امام تھے۔اور تمام بزرگوں کو اپنے قیمتی مشوروں اور دعاؤں سے نوازا کرتے تھے۔

گوحضرت امیر شریعت حضرت رائے پوری کے مرید تھے۔مگر حضرت رائے پوری ان کو بڑا اہم مقام دیتے تھے۔اور امیر شریعت کے ساتھ انہیں خصوصی محبت اور لگاؤ تھا۔حضرت امیر شریعت فرمایا کرتے تھے کہ جدوجہد آزادی میں کئی ایسے مشکل مقام آئے جہاں زندگی اور موت میں بہت تھوڑا فاصلہ رہ جاتا تھا۔مگر حضرت رائے پوری کی خاص روحانی توجہ سے وہ مرحلے بہ آسانی طے ہوجاتے۔شاہ صاحب کو جب

کبھی فرصت ملتی تو وہ حضرت کی خدمت میں رائے پور تشریف لے جاتے۔ اور ان کے فیضان نظر سے مستفید ہوتے رہتے۔

جب ۱۹۶۰ء میں حضرت رائے پوری بیماری کی حالت میں بغرض علاج لاہور تشریف لائے۔ تو شاہ جی بھی ملتان سے لاہور پہنچ گئے۔ اور شب و روز حضرت رائے پوری کی خدمت میں رہنے لگے۔ حضرت رائے پوری اکثر انہیں دعا کے لئے کہتے اور شاہ جی نظریں جھکا لیتے۔ میں ان دنوں لائل پور تعینات تھا۔ ایک دن قاضی جی (قاضی احسان احمد شجاع آبادی) بھاگے بھاگے آئے۔ فرمانے لگے لاہور چلنا ہے۔ حضرت رائے پوری کی حالت تشویشناک [illegible] ہم بذریعہ کار لاہور پہنچے۔ حضرت کا قیام [illegible] روڈ کے قریب اپنے ایک [illegible] عبدالمتین کے ہاں تھا۔ ہم وہاں [illegible] حضرت چارپائی پر لیٹے [illegible] قاری عبدالحمید [illegible] وہاں [illegible] کر رہے تھے۔ ساتھ کے [illegible] آغا شورش کاشمیری، [illegible] جناب عبدالرحید وزیر مغربی پاکستان [illegible] جنرل حق نواز، مولانا احتشام الحق تھانوی، مولانا عبید اللہ انور، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عزیز الرحمٰن لدھیانوی اور دہلی سے آئے ہوئے کچھ بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔

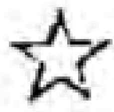
مسلمانوں کا اصل دشمن :

مختلف الخیال فرقوں کے اختلافات اور تنازعات کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ :

''شیعہ، سنی، حنفی، وہابی، چشتی، سہروردی وغیرہ کی جنگ رقابت اور محبت کی

جنگ ہے۔ ہر فرقہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کا جانثار ثابت کرنا چاہتا ہے۔ مگر فرقہ مرزائیہ سرے سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت ہی کو مٹانے کے درپے ہے۔

فرمایا! اس لئے ہمیں اپنے اصل دشمن کو پہچاننا چاہیے اور دشمن کے خلاف تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں کو متحدہ جدوجہد میں شریک ہونا چاہیے تاکہ انگریز کے اس خود کاشتہ پودے کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا جاسکے۔ (مختصر سوانح از غازی خان ص:۱۰۵)



باب ہفتم

مسئلہ ختم نبوت سے والہانہ عقیدت

اور فرق باطلہ کا تعاقب

[illegible] پیدا ہونے والے بے شمار انسانوں میں سے بہت کم ایسے انسان [illegible] جو انسان بہت تھوڑے ہوتے ہیں جو ماحول، حالات اور غالب نظام زندگی کے پرزور دھارے کے خلاف ایک اعلیٰ نصب العین قبول کر کے زمانے کا رخ بدل دینے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ....

ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانے نے تجھے
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

حضرت امیر شریعت انسانوں کی اس قلیل تعداد میں سے تھے جو [illegible] [illegible] حیثیت اور ہستی کے ساتھ اس کی پشت پناہی کے لئے اٹھ کھڑے [illegible] ہے۔ [illegible] امیر شریعت اللہ کے دین کی حمایت، رسول اللہ کی محبت اور مسئلہ ختم نبوت [illegible] ایک [illegible] تھے جنہیں ان کی کتاب زندگی [illegible]

نے انہیں ناموس رسالت، تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت میں اس طرح غرق پایا کہ ان کے ہاں اور کسی چیز کو بھی مقصد کے آگے کوئی اہمیت حاصل نہ تھی وہ بیوی بچے اور دوست واحباب رکھتے تھے لیکن تحفظ ختم نبوت کے نصب العین کے مقابلے میں بیوی بچوں اور دوست واحباب کو پرِ کاہ کے برابر حیثیت بھی نہیں دیتے تھے۔ ختم نبوت کا مسئلہ ۱۹۷۴ء میں حل ہو گیا تھا لیکن اس کو منطقی انجام تک پہنچانے میں امیر شریعتؒ کا سب سے زیادہ کردار ہے۔ آپ نے عوام وخواص میں مرزائیت کو گالی بنا دیا۔ آپ کو سوائے ختم نبوت کے کچھ کام نہیں تھا کچھ یاد نہ تھا۔ حتیٰ کہ آپ نے انتہائی ضعف کی حالت میں چارپائی پر لیٹے لیٹے اس مشن کی خاطر تقریریں کیں۔ یہ حضرت امیر شریعتؒ کی لگائی ہوئی آگ تھی جس میں انگریز کا خود کاشتہ پودا مرزا غلام احمد قادیانی اپنی نبوت خبیثہ سمیت جل کر راکھ ہو گیا۔

شاہ جی فرمایا کرتے: میں نے سن ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ایٹم بم رکھ دیا ہے جو اپنے وقت پر پھٹے گا اور مرزائیت کے قلعے کو تہس نہس کر دے گا۔ قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید کے تحت شاہ جی کے قول کی اللہ نے لاج رکھی اور ان کا مشن پورا ہو کر رہا۔

اندھیرے چھٹ کے رہیں گے کہ اب نگارِ سحر
ہمارے خواب کی تعبیر بن کے آئی ہے

محافظِ ختم نبوت :

شاہ جی مرحوم کی زندگی کا اہم و اقدم مقصد ختم نبوت تھا۔ جس پر ہمیں تا زیست قائم رہنے کا عہد کرنا ہے۔ امیر شریعت مرحوم کہا کرتے تھے کہ ہماری نماز، حج، روزہ، زکوٰۃ، شریعت، طریقت، حقیقت، تہذیب، معاشرت، تمدن، اخلاق،

مذہب غرض یہ کہ مکمل دین اسلام حضور ﷺ کی ختم المرسلینی کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ یہ عقیدے کی بات ہے کہ اگر کوئی شخص پوری زندگی لا الٰہ الا اللہ کہتا رہے تو وہ مسلمان نہیں کہلائے گا جب تک محمد رسول اللہ ﷺ نہ کہے اور حضور کا اتباع نہ کرے۔

موت کا ذائقہ ہر انسان کو چکھنا ہے۔ اس سے ولی، غوث، قطب، اور نبیوں کو مفر نہیں ہے۔ مگر قابل غور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ تدفین کے بعد بعض کی قبر جنت کا باغیچہ بن جاتی ہے اور بعض کی قبر جہنم کا گڑھا۔ حضرت امیر شریعتؒ کی پوری زندگی مجاہدانہ گزری ہے۔ ان کی کیا تعریف کی جائے وہ ہماری تعریف سے بے نیاز تھے۔ اور ہیں۔ شاہ جی کی زندگی میں ایک شخص نے سٹیج پر آ کر ان کی تعریف کرنا شروع کر دی تو شاہ جی نے اٹھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا گویا وہ اپنی تعریف سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ آج بھی شاہ جی مرحوم کی اس قدر تعریف کرنے کی ضرورت نہیں۔ جتنی کہ ان کے کردار کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ شاہ جی فرمایا کرتے تھے۔ تمام کا تمام دین حضور ﷺ کی ختم المرسلینی سے وابستہ ہے۔ ان کی نبوت کو الگ کر دیا جائے تو باقی کچھ نہیں رہتا۔ لہٰذا میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شاہ جی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جس پر چلتے ہوئے انہوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

امیر شریعتؒ کا اعزاز :

جانباز مرزا رقمطراز ہیں :

امیر شریعتؒ خود امیر شریعت نہیں بن گئے تھے۔ اور نہ ہی چند آدمیوں نے بیٹھ کر انہیں یہ خطاب دے دیا تھا۔ دراصل واقعہ یوں ہے کہ محدث العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری آخری بار لاہور تشریف لائے تو قریباً پانچ صد علماء کا اجتماع ہوا۔

انجمن خدام الدین کا جلسہ تھا۔ اس اجتماع میں علم وفضل کے مالک بڑے بڑے جید علماء اور اکابر موجود تھے۔ جن میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ ایسی ہستیاں بھی شامل تھیں۔ وہاں علامہ انور شاہ نے فرمایا کہ :

''ہم نے جہاد باللسان کرنا ہے۔ کسی کو امیر بنانے کا مسئلہ درپیش ہے۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اس وقت شریعت کی حفاظت کے لئے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نہایت ہی موزوں ہیں اور شاہ جی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اجتماع علماء کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اور کہا کہ میں سب سے اول بیعت کرتا ہوں اور عطاء اللہ شاہ صاحب کو امیر شریعت منتخب کرتا ہوں۔ اس وقت سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم کو امیر شریعتؒ کے خطاب سے یاد کیا جانے لگا''۔

(حیاتِ امیر شریعت ص:۱۳۱)

پانچ صد سالہ تاریخ کی نادر مثال :

ناموس رسول اللہ ﷺ کا سوال اور بخاری کی زبان۔ آپ اندازہ فرمایئے کیا عالم ہوگا۔ شاہ جی فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والی زبان نہ رہے گی یا سننے والے کان نہ رہیں گے۔

حضرت امیر شریعت مرحوم علماء کرام کے محبوب، مزدوروں کے حامی، غریبوں کے دوست، ختم نبوت کے محافظ، صحابہ کرام کے مداح اور بزرگان دین کے متبع تھے۔ شاہ جی نے تحریک ختم نبوت کے دوران تمام دینی جماعتوں اور مختلف مکاتب فکر کے علماء کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ یہ آپ کا عظیم الشان کارنامہ تھا۔ جس کی گزشتہ

پانچ صد سالہ تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔

مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کی حقیقت :

امیر شریعتؒ فرماتے ہیں: ستم دیکھئے یہ لوگ کس قدر بے بصیرت ہیں، کتنے عاقبت نااندیش ہیں کہ لباس نبوت کس کے بدن پر مزین کرنے کی سعی میں مصروف ہیں۔ جسے گڑ اور کلوخ میں تمیز نہیں، جسے جوتا پہننے کا سلیقہ نہیں، دایاں بائیں میں اور بایاں دائیں میں، گڑ سے استنجا کیا جارہا ہے اور مٹی کھائی جارہی ہے۔

دیکھا! میاں ﷺ کی عزت پر ہاتھ ڈالا تو خدائے غیور نے عقل ہی سلب کرلی اور مخبوط الحواس بنادیا۔ تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ مرزا غلام قادیانی میں یہ کمزوریاں اور عیوب تھے۔ اس کے نقوش میں توازن نہ تھا، قدوقامت میں تناسب نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا کریکٹر کی موت تھا، سچ کبھی بولتا نہ تھا، معاملات کا درست نہ تھا، بات کا پکا نہ تھا، بزدل اور ٹوڈی تھا، تقریر وتحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری بھی نہ ہوتی وہ مجسمہ حسن ہوتا، قویٰ میں تناسب ہوتا، چھاتی ۴۵ انچ ہوتی، کمر ایسی کہ سی آئی ڈی کو بھی پتہ نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مرد میداں ہوتا، کریکٹر کا آفتاب ہوتا، خاندان کا ماہتاب ہوتا، شاعر ہوتا، فردوسی وقت ہوتا، ابوالفضل اس کا پانی بھرتا، خیام اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شیکسپیئر اور اردو کا ابوالکلام ہوتا، پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو پھر کیا ہم اسے نبی مان لیتے؟ (بخاری کی باتیں ص:۱۵۶)

تاجِ امامت ورسالت :

میں تو کہتا ہوں کہ اگر خواجہ غریب نواز اجمیریؒ، سید عبدالقادر جیلانیؒ، امام

ابو حنیفہؒ، امام بخاریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، ابن تیمیہؒ، غزالیؒ، حسن بصریؒ بھی نبوت کا دعویٰ کرتے تو کیا ہم انہیں نبی مان لیتے؟ علیؓ دعویٰ کرتے کہ جسے تلوار حق نے دی اور بیٹی نبی نے دی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروقؓ، اور سیدنا عثمان غنیؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انہیں نبی مان لیتا؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ میاں ﷺ کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تخت نبوت پر سج سکے اور تاج امامت ورسالت جس کے سر پر ناز کر سکے وہ ایک ہی ہے جس کے دم قدم سے کائنات میں نبوت سرفراز ہوئی۔

(بخاری کی باتیں ص:۱۵۷)

مرزائیت کے خلاف فتویٰ:

غیر ملکی دور اقتدار کو اپنی زندگی کے لئے جن افراد یا جماعتوں کا سہارا لینا پڑا ان میں آریہ سماج اور قادیانی نمایاں نظر آتے ہیں۔ ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۵ء کے دوران ہندو مسلم کشیدگی نے متحدہ قومیت کا جو حلیہ بگاڑا۔ یورپین سیاست گروں نے اس بساط پر کس کس طرح اور کون کون سے مہرے آگے بڑھائے۔ ہنوز اس مقدمے کا ایک اہم گواہ باقی ہے جس کے بغیر یہ روئداد نامکمل رہے گی اور شاہ جیؒ کی جدوجہد میں ان کے اس کردار کی تعبیر بھی ادھوری سمجھی جائے گی۔

آریہ سماج جب شدھی کی تحریک میں سرگرم تھے، انہی دنوں مرزائیوں نے بعض ایسی کتب شائع کیں جن میں آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند کی زندگی پر رکیک حملے کئے جس کے جواب میں آریہ سماج نے قادیانیوں کے بجائے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو ہدف تنقید بنایا۔ آریہ سماج اور قادیانیوں کی ان مقابلے کی عبارتوں نے طرفین میں جلتی پر تیل چھڑکا اور حالات بد سے بدتر ہو گئے۔

آخر ہندوستان کے علماء نے حکومت سے آریہ سماج کی کتب کی ضبطی کا مطالبہ کیا تو ساتھ ہی مرزائیوں کی کتب کا از سرنو مطالعہ کر کے حسب ذیل فتویٰ دیا:

''مرزا غلام احمد قادیانی نے علی الاعلان دعویٰ نبوت کیا اور دیگر انبیاء کرام کی توہین کی ہے۔ نیز بعض کو گالیاں دیں اور بعض ایسے دعوے کیے کہ جن کی بنا پر وہ خود کافر ہو کر مرا اور اسی طرح اس کے ماننے والے بھی کافر اور مرتد ہیں۔ لہٰذا ان (مرزائیوں) سے ہر قسم کا قطع تعلق کیا جائے، خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی۔''

(امرتسر ۱۹۲۵ء رسالہ ''الفیض'' ایڈیٹر مولانا محمد داؤد پسر مولانا نور احمد)

اس پر شاہ جی کے علاوہ اڑھائی سو سے زائد علماء نے دستخط کیے، جن میں علمائے فرنگی محل، علمائے دیوبند، علمائے بریلوی قابل ذکر ہیں۔ ۱۹۲۰ء کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ شاہ جی نے مرزائیت کے خلاف اپنے دلی احساسات کو کھلم کھلا اُجاگر کر کے مرزائیوں کو بھی اپنے دشمنوں کی صف میں شامل کر لیا۔

مرزائیت کے پنپنے کے وسائل:

جانباز مرزا بیان کرتے ہیں:

۱۸۵۷ء کے بعد غیر ملکی حکمرانوں نے اپنے دائمی استحکام کے لئے ہندوستان کی مختلف اقوام میں منافرت کا جو بیج بویا، اس کے برگ و بار میں مرزائیت ایک ایسی تحریک ثابت ہوئی کہ نہ صرف اسلام کے بنیادی ستون ہی متزلزل ہوئے بلکہ ہندوستان کی غیر ملکی غلامی کی عمر بھی طویل ہوتی چلی گئی۔ جیسے جیسے انگریزی راج کا اقتدار جڑ پکڑتا گیا، اسی رفتار سے مرزائیت کو پنپنے کے وسائل میسر آتے رہے۔

قادیان میں تحریکِ ختم نبوت کے دفتر کا قیام :

اپنی بنیاد کے دو سال بعد مجلسِ احرار نے اس تحریک کے مقابلے کے لئے قادیان میں اپنا دفتر قائم کیا۔ زعمائے احرار کے نزدیک غلامی سے آزادی تک کا راستہ مرزائیت کی موت کے بغیر طے نہیں ہوسکتا تھا۔ جڑ کاٹنے سے پیشتر درخت کے تنے اور شاخیں کاٹنا ضروری ہوتی ہیں۔

۱۹۲۰ء میں امیر شریعت نے مرزا بشیر الدین محمود کو للکارا تھا۔ اس وقت ان کی یہ للکار انفرادی حیثیت رکھتی تھی۔ لیکن ۱۹۳۱ء میں مجلس احرار نے جب مرزائیت کا محاسبہ کیا تو امیر شریعتؒ کے لاکھوں مرید اور ہزاروں رضا کاروں کی فعال جماعت ان کی پشت پناہ تھی۔

بیماری کو بھول گئے :

امیر شریعتؒ کی صحت کی خرابی کی وجہ سے ان کے ذاتی معالج (حکیم عطاء اللہ خان) انہیں کسی قسم کے سفر کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ لیکن توہین خاتم الانبیاء کے باعث امیر شریعتؒ اپنی بیماری کو بھول چکے تھے۔ تحریک راجپال کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا کہ امیر شریعت مرزائیت کے خلاف اس قدر جذباتی ہوگئے تھے کہ اس سے پیشتر انہیں کبھی اتنا متشدد نہیں دیکھا گیا تھا۔

''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے آگے ''لانبی بعدی'' کا جملہ ہر مجمع میں کہتے اور عوام کو تاکید کرتے کہ :

''مقام نبوت ایسے خطرناک موڑ پر آن پہنچا ہے، اگر آج اس کی

حفاظت نہ کی گئی، تو قیامت کے دن ہم سب کی بخششوں کا کوئی امکان نہیں ہوسکتا''۔

یہ فقرہ کہتے ہوئے امیر شریعت کی حالت غیر ہوجایا کرتی تھی، وہ آپے سے باہر ہوکر غصہ میں کانپنے لگتے۔

یوم احتجاج :

مرزائیت کے خلاف تحریک ہنوز تیز نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ امیر شریعتؒ نے مغربی پاکستان کو اپنی تقریروں سے اس قدر مشتعل کردیا تھا کہ تحریک کا سنبھالنا مشکل ہورہا تھا۔ تاہم ایسی بات نہیں تھی کہ حالات کے بگڑنے کا امکان ہو۔ ۱۷۔ ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں چودھری سر ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان نے مرزائیوں کے سالانہ اجتماع میں وزیر اعظم پاکستان کے منع کرنے کے باوجود تقریر کی، جس نے حالات کو زیادہ خراب کردیا۔ لیکن امیر شریعتؒ کی تقریروں نے حالات کو سنبھالا دیتے ہوئے تشدد کی طرف سے رخ موڑ کر محض احتجاجی کردیا۔

انہی دنوں ملتان شہر کے ایک تھانہ (کپ) کے سب انسپکٹر غلام مصطفیٰ نے (جس کے متعلق لوگوں کی رائے تھی کہ یہ مرزائی ہے) ۱۸ جولائی کو عوام کے ایک جلوس پر لاٹھی چارج کیا تھا، عوام نے تھانہ کے سامنے جمع ہوکر اس کے خلاف احتجاج کیا، تو اس مجمع پر بلا وارننگ گولی چلائی گئی۔ دس منٹ تک ستر راؤنڈ چلائے گئے، جس کے نتیجے میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور زخمیوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ اس خونی واردات کے خلاف سارے پاکستان میں یوم احتجاج منایا گیا۔

شہدا کو خراج عقیدت :

۲۵ جولائی ۱۹۵۲ء کو شہدائے ملتان کو شاہ جیؒ نے حسب ذیل الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی :

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْ وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ۔

ترجمہ : کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ محض ایمان لانے سے ہی نجات حاصل کرلیں گے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ حالانکہ وہ تمام لوگ آزمائے جا چکے ہیں، جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور ان لوگوں کو جو کاذب ومفتری ہیں :۔

(آپ نے صدیق اکبرؓ کے زمانہ خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا)

''جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر کے اسلام کے بنیادی عقیدہ کو گزند پہنچانے کی ناپاک کوشش کی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کاذب ومفتری سے کسی قسم کا مناظرہ کر کے دعویٰ نبوت کے جواز میں دلیل طلب نہیں کی۔ اگر کیا تو یہ کہ سات ہزار سے زائد حافظ قرآن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، ناموس رسالتؐ اور تاج وتختِ ختم نبوت پر قربان کردیے۔ اور اس طرح مسلمانوں کی متاع دین وایمان کو ایک عیار اور مکار کی دست بُرد سے بچالیا۔ اور آئندہ کے لئے ملت اسلامیہ کو سبق دیا کہ جو شخص اس قسم کی ناپاک کوشش کرے، اس کے لئے اسلام اور ملت اسلامیہ کا فیصلہ کیا ہے؟

جذبۂ قربانی کو سلام :

ملتان کے غیور اور صاحب ایمان مسلمانوں نے بھی اس دورِ پرآشوب میں

جبکہ کفر وارتداد کی سیاہ گھٹاؤں نے ایمان ویقین کو پریشان کر رکھا ہے اسلام کی لاج رکھ لی، اور اپنے جگر گوشوں کو شمع رسالت پر پروانہ وار نثار کر کے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان آج بھی فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کی خاطر گولیوں کی بارش میں مسکرا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

مرتبہ شہیدِ ناز کا گر جان جایئے
قربان جانے والے کے قربان جایئے

خدا کی نعمتیں نچھاور ہوں تم پر شہیدانِ ناموسِ رسالت [illegible] سلام ہو تم پر [illegible] المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وآبرو پر قربان [illegible] دربارِ رسالت مآب میں [illegible]

یوں تو اس دنیا میں ہزاروں [illegible] موسم کے تھپیڑوں [illegible] راہ میں آئے، حیات جاوداں [illegible]

جو موت آئے تو زندگی میں [illegible]
قضا کی نرالی ادا چاہتا ہوں

مجلس عمل کا قیام:

صدر مملکت بننے کی خواہش میں ملک غلام محمد گورنر جنرل، خواجہ ناظم الدین کی کیبنٹ میں اپنا اثر بڑھا رہے تھے، اور اس میں وہ اچھے خاصے کامیاب رہے۔ کیبنٹ کے پارلیمانی اختیارات آہستہ آہستہ گورنر جنرل کے ہاتھ میں آ گئے اور فیصلوں کی تمام تر ذمہ داری گورنر جنرل کے قبضے میں چلی گئی۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی اس باہم کھینچا

ثانی نے مرزائیت کے خلاف تحریک کو زیادہ ہوا دی۔

پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کی نواب افتخار حسین آف ممدوٹ سے اندرون خانہ چل رہی تھی۔ نواب ممدوٹ نے سرحد کے عبدالقیوم خان سے دولتانہ کے خلاف سمجھوتہ کر لیا تھا۔ دوسری طرف دولتانہ مرکزی حیثیت حاصل کرنے کی غرض سے خواجہ ناظم الدین کے خلاف ابھرتی ہوئی مسلمان ایجی ٹیشن کو ارادتاً نظر انداز کر رہے تھے۔

یہ تھا پس منظر جس نے عوام میں یہ تاثر دیا کہ مرزائیت کے خلاف تحریک دولتانہ کی پیداوار ہے۔ حالانکہ دولتانہ مرکز سے اور نواب ممدوٹ سے اپنا سیاسی انتقام لے رہے تھے۔

لیکن حالات نے مرزائیوں کی بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں نے عوام کو موقعہ دیا کہ وہ حکومت سے مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کریں۔ جہانگیر پارک میں ظفر اللہ خاں کی تقریر کے بعد کراچی میں ۲ جون ۱۹۵۲ء کو آل پاکستان مسلم پارٹیز کنونشن طلب کیا گیا۔ جس میں دو دن کی مسلسل بحث کے بعد حسب ذیل قرارداد کی تشکیل کی گئی۔

(۱) مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

(۲) چودھری ظفر اللہ وزیر خارجہ کو اس کے عہدے سے الگ کر دیا جائے۔

(۳) مرزائیوں کو تمام کلیدی آسامیوں سے ہٹا دیا جائے۔"

ان مطالبات کی تصدیق کے لئے ۱۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو لاہور برکت علی ہال میں آل مسلم پارٹیز کنونشن کا پھر اجلاس ہوا۔ جس میں حسب ذیل حضرات کی ایک

مجلس عمل مرتب کی گئی۔

(۱) مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر جمیعت علمائے پاکستان

(۲) مولانا امین احسن اصلاحی (جماعت اسلامی)

(۳) ماسٹر تاج الدین انصاری (احرار)

(۴) شیخ حسام الدین (احرار)

(۵) مولانا عبدالحلیم قاسمی (جمعیت علمائے اسلام)

(۶) مولانا محمد طفیل (جمعیت علمائے اسلام)

(۷) مولانا محمد بخش مسلم (جمعیت علمائے پاکستان)

(۸) مولانا غلام محمد ترنم (حزب الاحناف)

(۹) [illegible] (حزب الاحناف)

(۱۰) مولانا داؤد غزنوی (جمعیت اہل حدیث)

(۱۱) مولانا اسماعیل اللہ حنیف (جمعیت اہلحدیث)

(۱۲) مولانا نصر اللہ خان عزیز (جماعت اسلامی)

(۱۳) حافظ کفایت الحسین (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ)

(۱۴) مظفر علی شمسی (ادارہ تحفظ حقوق شیعہ)

(۱۵) مولانا نور الحسن شاہ بخاری (تنظیم اہل سنت والجماعت)

(۱۶) صاحبزادہ فیض الحسن (انجمن سجادہ نشیناں پنجاب)

(۱۷) مولانا عبدالغفور ہزاروی (انجمن سجادہ نشیناں پنجاب)

(۱۸) علامہ علاؤ الدین صدیقی (نامزد)

(۱۹) مولانا اختر علی خاں (نامزد)

(۲۰) مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش (نامزد)

مجلس عمل نے ۲۳ جنوری ۱۹۵۳ء کو وزیر اعظم پاکستان سے مل کر انہیں اپنے مطالبات پیش کئے اور ایک ماہ کا نوٹس دے دیا کہ اگر ۲۲ فروری ۱۹۵۳ء تک مجلس عمل کے متذکرہ مطالبات منظور نہ کئے گئے تو مجلس عمل اپنے مطالبات منوانے کے لئے راست اقدام کرنے پر مجبور ہوگی۔

مسئلہ ختم نبوت کی وضاحت :

اس دوران دوسری جماعتوں کے مقررین کے علاوہ امیر شریعتؒ نے پنجاب سندھ اور سرحد میں تقریریں کر کے مسئلہ ختم نبوت کو عوام کے سامنے بڑی وضاحت سے بیان کیا، اس ضمن میں پشاور کے چوک یادگار کی ایک تقریر کے اقتباس خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ مفتی سرحد مولانا عبدالقیوم پوپلزئی کی صدارت میں تقریباً ساٹھ ہزار (۶۰۰۰۰) نفوس کی حاضری میں امیر شریعتؒ نے فرمایا :

"اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کا جہاں ذکر کیا ہے، وہاں ہر نبی کے بعد آنے والے دوسرے نبی کی اطلاع دے دی۔ چنانچہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت دیتے رہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ نبوت خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ تک آپہنچا۔

آپ نے فرمایا : مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ (الاحزاب:۴۰)

حضرت محمد ﷺ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے

رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اگر حضور ﷺ کے بعد کسی اور نبی نے آنا ہوتا اور یہ سلسلہ نبوت جاری رہنا ہوتا تو حضور ﷺ یہ اعلان نہ فرماتے کہ: انا خاتم النبین لانبی بعدی، یعنی میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا یہ تاجدار مدینہ رحمت دوعالم، خاتم الانبیاء ﷺ کی شان اقدس پر انتہائی کمینہ اور گستاخانہ حملہ ہے کہ ایک انگریز کا پروردہ اٹھ کر یہ اعلان کرے۔ کہ ''قرآن پاک کی وحی الہٰی میں میرا نام محمد رکھا گیا اور رسول بھی''۔ امیر شریعت نے فرمایا:

''اگر میں آج اعلان کروں کہ میں قائداعظم ہوں تو کیا تم برداشت کرو گے''؟

سامعین: ''ہرگز نہیں''۔

امیر شریعت: ''اگر تم اپنے ایک دنیوی لیڈر کا مقام کسی دوسرے شخص کو دینے کی اجازت نہیں دیتے تو پھر یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ برطانیہ کا پٹھو، تاجدار مدینہ خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرے کہ میں محمد ہوں۔

اسی اصول اور ضابطے کے مطابق ہم اپنی حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ مرزائیوں نے چونکہ حضور پُرنور ﷺ کے بعد مرزا غلام احمد کو اپنا نبی تسلیم کر کے اپنا تعلق سرکار مدینہ سے توڑ لیا ہے۔ اسلامی آئین کے مطابق حضور کے بعد کسی دوسرے نبی کو ماننے والا مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

امیر شریعتؒ نے قادیانی الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(مرزا بشیر الدین محمود کہتا ہے کہ ''موجودہ ملکی تقسیم غلط ہے، یہ تقسیم ختم کرانے اور دونوں ملکوں کا باہمی افتراق دور کرانے کی وہ ہر ممکن کوشش کرینگے۔ اس عارضی تقسیم

کو کسی نہ کسی طرح ختم کیا جائے گا، اور پاکستان کو پھر اکھنڈ ہندوستان بنایا جائے گا“)

جو آزادی ایک لاکھ ماؤں، بہنوں کی عزت و آبرو قربان کر کے اور دس لاکھ مسلمانوں کا خون بہا کر ایک کروڑ مسلمانوں کی خانہ بربادی کے بعد حاصل کی گئی ہے اس کو عارضی آزادی سمجھنے والا ملک وملت کا بدترین دشمن نہیں تو اور کیا ہے۔

یہ بصیرت افروز تقریر رات ایک بجے تک جاری رہی۔

(ملخص از حیاتِ امیر شریعت ص: ۳۴۰ تا ۳۴۹)

محمد علی بوگرہ کی آمد :

مرزا جانباز مزید حالات لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں :

تحریک ختم نبوت کے باعث پاکستان کی سیاست میں عاجلانہ طور سے اکثر ایسی تبدیلیاں آئیں کہ عوام اور خود حکمران پارٹی کو بھی اس کا یقین نہیں تھا۔ مثلاً صوبہ سرحد کے خان برادران کا وجود مسلم لیگی حکمرانوں کے لئے دشمنی کا انتہائی بلند مقام رکھتا تھا۔ لیکن سیاسی ضرورت نے راتوں رات دشمنی کو دوستی میں بدل دیا۔ ملک غلام محمد گورنر جنرل پاکستان نے اپنی کابینہ کے رکن سکندر مرزا کے مشورے پر ڈاکٹر خان کو حکومت کے قریب کرلیا۔ عبدالقیوم خان پہلے سے ہی محمد علی بوگرہ کی وزارت میں شامل ہو چکے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صوبہ سرحد کی سیاسی چپقلش ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ لیکن پنجاب کے امن کی باگ ڈور تحریک ختم نبوت کے رہنماؤں کے ہاتھ میں تھی۔ اور وہ سب کے سب جیل خانوں میں تھے، چنانچہ اس کام کے لئے گورنر جنرل پاکستان نے اپنے نامزد وزیراعظم کو سکھر جیل میں بھیجا۔

”آپ حضرات اگر اپنی تحریک کے سلسلے میں حکومت کے روبرو معذرت

کردیں تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا۔ میں اسی کام کے لئے آپ سے ملنے آیا ہوں۔

وزیر اعظم پاکستان کے یہ الفاظ حضرت امیر شریعتؒ اور ان کے ہم اسیرانِ قفس کے لئے نئے نہیں تھے، اس سے پیشتر اس قسم کی پیش کش کراچی جیل میں سابق وزیر اعظم کی طرف سے بھی ہو چکی تھی۔

امیر شریعتؒ نے محمد علی بوگرہ کو نہایت مختصر جواب میں فرمایا:

''آپ حضرات کو ہماری اس قدر فکر کیوں ہے؟

صبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا
کئے جاؤ مے خوارو! کام اپنا اپنا

وزیر اعظم پاکستان امیر شریعت کا یہ شعر سن کر تھوڑی دیر ٹھہرے اور واپس چلے گئے۔ (حیات امیر شریعت ص: ۳۶۵)

مؤقف اور اعتماد :

عوامی زندگی میں ہمسفروں پر اعتماد اسی قدر لازمی ہے جس قدر انسانی اعضاء پر بھروسہ کرنا ضروری ہے، ورنہ نہ تو گھر کا نظام چل سکتا ہے اور نہ ہی سیاسی جماعتیں زندہ رہ سکتی ہیں۔

امیر شریعتؒ نے صاحب رائے اور قادر الکلام ہونے کے باوجود بھی زندگی میں رضا کاروں تک کو اپنے بھروسے میں لیا اور قافلۂ ہائے حیات کے ایک ایک فرد پر اعتماد کی ایسی عمارت استوار کی کہ ہر آدمی کو اپنے اعتماد کا وارث قرار دے دیا۔

تحقیقاتی عدالت کے روبرو مجلس احرار اور مجلس تحفظ ختم نبوت کا موقف واضح کرنے کا سوال آیا تو مشترک رہنماؤں کا ایک خصوصی اجلاس جیل میں منعقد ہوا جس

میں مختلف احباب نے اپنا اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے تحقیقاتی کمیشن کے ساتھ تعاون پر زور دیا اجلاس میں دوستوں کی رائے سن کر امیر شریعتؒ نے ایک سرد آہ کے ساتھ فرمایا:

”آپ دوست جو فیصلہ چاہیں کریں میں اس سے انحراف نہیں کروں گا، آپ حضرات کی باتوں نے میرے دماغ کو متاثر کیا ہے، لیکن میں اپنے دل کو کیا کروں، یہ میرا ساتھ نہیں دے رہا، دل گواہی دیتا ہے کہ یہ کمیشن ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گا، بلکہ اربابِ حکومت نے ہمیں رسوا کرنے کے لئے ایک خوبصورت چال چلی ہے۔ اگر میری مانو تو ہمیں کمیشن سے عدم تعاون کا اعلان کر دینا چاہیے، پھر جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

ویسے آپ لوگوں نے شہید گنج اور ۱۹۴۶ء کے انتخاب کے موقع پر بھی میری بات نہیں مانی تھی اور آخر وہی ہو کر رہا جس کا میں نے اظہار کیا تھا، مجھے یقین ہے کہ اب بھی آپ میری بات نہیں مانیں گے، تاہم اگر آپ حضرات اس پر مصر ہیں، تو پھر ہمیں مشروط تعاون پر آمادگی ظاہر کرنی چاہیے کہ ہمارا اصل فریقِ مخالف چونکہ قید و بند سے باہر ہے اس لئے یا تو اسے بھی ہمارے ساتھ یہاں لایا جائے تاکہ مقدمہ کی پیروی کے لئے ہم دونوں کے وسائل اور ذرائع یکساں ہوں، یا پھر ہمیں آزاد کر دیا جائے تاکہ ہم بھی اپنا موقف آزادانہ ماحول میں واضح کر سکیں۔

ایک فریق کو آزاد اور دوسرے کو سلاخوں میں بند کرنا، عملی صورت ہی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اربابِ حکومت اپنا فیصلہ صادر فرما چکے ہیں۔ میری مانو، تو اپنی زندگی کا باقی حصہ قید و بند کی نظر کر دو، اور اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔ وہ بہتر کارساز ہے۔ لیکن اگر آپ حضرات اس کے لئے آمادہ نہ ہو سکیں تو میں آپ کے فیصلے کا

پورا پابند رہوں گا انشاء اللہ اس پر عمل کروں گا۔

''ہمارے ہاں تو جماعت نام ہے چند دوستوں اور ساتھیوں کی رفاقت کا''۔

امیر شریعت کی اس تقریر کے باوجود اجلاس نے فیصلہ کیا کہ مجلس احرار کو متوقع نتائج سے بے پرواہ ہو کر من حیث الجماعت تحقیقاتی عدالت کے سامنے اپنا موقف پیش کر دینا چاہیے۔ (حیاتِ امیر شریعت ص:۳۷۱)

قادیان میں تاریخی تقریر :

قادیان کے گلی کوچوں میں ایک رضا کار ٹین کا کنستر بجا کر اعلان کر رہا تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مسجد شیخاں میں ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کریں گے۔ اس اعلان سے قادیان میں ہڑبونگ مچ گئی۔ بھاگیو، دوڑیو، لیجیو، پکڑیو، پولیس الگ بھاگی پھرتی تھی، مرزائیوں کی سی آئی ڈی الگ پریشان ہو رہی تھی۔

قصر خلافت میں اہم میٹنگ :

اس موقع پر ماسٹر تاج الدین انصاری بھی امیر شریعت کے ہمراہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ مرزا محمود کے قصر خلافت میں کیا مشورہ ہوا مگر جو کچھ میرے سامنے آیا، میری آنکھوں نے جو نظارہ دیکھا اس سے جو نتیجہ اخذ ہو سکتا تھا وہ یہی تھا کہ حضرت شاہ جیؒ کو تقریر کا موقع نہ دیا جائے۔

تقریر کا اعلان :

اعلان ہوتے ہی پولیس گارڈ مسجد شیخان کے موڑ پر پہرا جما کر کھڑی ہو گئی۔

اسے خیال یہ تھا کہ حضرت شاہ جی بازار کے سیدھے راستے مسجد میں تشریف لائیں گے مگر میں کسی اور فکر میں تھا۔ چنانچہ میں نے حضرت شاہ جی سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ آئیں میں آپ کو ایسے راستے سے لے چلوں گا کہ آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔ میں انہیں مرزائیوں کے خاص محلے میں سے گزار کر سیدھا قصر خلافت کی جانب لے گیا۔ مرزا محمود کے محل کے پاس سے ایک چھوٹی سی گلی سے نکل کر ہم مسجد شیخاں میں بخیریت پہنچ گئے۔ کس قدر خطرناک راستہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال تھا۔ کسی شخص کو کوئی شرارت نہ سوجھی اور نہ کسی نے ہم سے تعرض کیا۔

حضرت شاہ جی منبر پر کھڑے ہوئے تقریر سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی۔ اتنے میں مرزائی رضا کار جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں مسجد میں داخل ہوئے قادیان کے ایک جیالے مسلمان نے مرزائیوں کے داخلے پر احتجاج کرنا چاہا مگر حضرت شاہ جی نے اسے ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور فرمایا یہ نوجوان ہمارے مہمان ہیں اور یہ خانہ خدا ہے اس میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہے اس کے بعد مرزائی نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آؤ میرے عزیزو! آگے آ کر بیٹھو ہٹو بھئی ان کو جگہ دو وہ لوگ آگے آ کر بیٹھ گئے۔ حضرت شاہ جی نے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کی آیت درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے تلاوت کی اور اس کے بعد مسئلہ ختم نبوت پر مثبت انداز میں تقریر فرمائی۔ تقریر کیا تھی جادو تھا، سحر تھا، پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ تقریر کا ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا۔ خدا جانے کیا ہوا حاضرین سانس بھی آہستہ لیتے تھے۔ شاہ جی نے اس مسئلے پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ دوران تقریر وہ دریافت بھی کرتے گئے کہ مسئلہ ٹھیک طرح سمجھ میں آ گیا

ہے سب لوگ مع مرزائیوں کے اقرار کر رہے تھے۔ جھوم رہے تھے۔ فرطِ عقیدت سے بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تقریر کے بعد جب شاہ جی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو مرزائی نوجوانوں نے ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا مگر انہیں بھی ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا پڑی۔ اپنے عقیدت مندوں کے مجمع میں تقریر کر کے واہ واہ کرالینا کچھ مشکل کام نہیں مگر جو لوگ بدترین مخالف ہوں جو مخالفت کے ارادے سے آئے ہوں انہیں وجد میں لے آنا یہ وصف یہ ہمت اور حوصلہ خدا نے بخاری کو دے رکھا تھا۔ آہ وہ شیدائے رسول ﷺ وہ پیکر ایثار و محبت اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

ع وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اس ایک واقعہ سے مرزائیوں کا یہ پراپگنڈا کہ حضرت شاہ جی قادیان میں داخل ہوئے تو خون خرابہ ہوگا۔ ختم ہوگیا۔ حکومت کے پاس اس واقعہ کے بعد پابندی لگانے کا کوئی جواز نہ تھا کیونکہ حضرت شاہ جی نہ صرف یہ کہ قادیان میں داخل ہوئے بلکہ وہ مرزائیوں کے اپنے محلے میں گھوم پھر آئے۔ اور مجمع عام میں مسئلہ ختم نبوت پر دل کھول کر تقریر بھی کر ڈالی .... ۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد ، خدائے بخشندہ

(حیاتِ امیر شریعت ص: ۱۵۶)

یا محمد ﷺ ہوشیار :

ختم نبوت کے مسئلہ اور تحریک قادیان کے سلسلہ میں ایک دن شاہ صاحب نے فرمایا :

''میں مرزا محمود اور قادیانیت کی جو مخالفت کر رہا ہوں۔ رب العزت کی قسم اس میں کوئی ذاتی غرض نہیں ہے اور نہ مجھے مرزا محمود اور قادیانیوں سے کوئی ذاتی رنجش یا کد ہے۔ میری دشمنی صرف حضور ختم المرسلین ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہے مرزائی قادیانی کو محمد ﷺ کا شریک جانتے ہیں اور خدا کو یہ بات ہرگز گوارا نہیں ہے۔ دنیا میں ہزاروں نہیں لاکھوں کروڑوں لوگ ایسے ہیں جو خدا کا شریک بتاتے اور بناتے ہیں لیکن خدا نے اپنے قصرِ ربوبیت کے دروازے بند نہیں کئے اور بدستور جس طرح ان کی پرورش کرتا ہے جو خدا کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اسی طرح مشرکین کو بھی پالتا ہے۔ اس کا غضب پوری طرح سے کبھی ان پر نازل نہیں ہوا لیکن رسول اللہ ﷺ کی نبوت میں شریک بنانے والے کو کبھی خدا نے معاف نہیں کیا۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا وہ کبھی نہیں پھولا پھلا۔ یہی انجام مرزائیوں کا ہوگا''۔

ع باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار (بخاری کی باتیں ص: ۳۸)

جاؤ میری ٹوپی خواجہ ناظم الدین کے قدموں میں ڈال دو :

حضرت مولانا اللہ وسایا رقم طراز ہیں :

حضرت امیر شریعت تحریک ختم نبوت کے دنوں میں تقریر کر رہے تھے شاہ جی پورے جوبن پر تھے۔ بے انداز مجمع گوش بر آواز، عشق رسول کی بھٹی گرم، اکابر و اساطینِ ملت جلوہ افروز، شہر میں مکمل ہڑتال اور سناٹا، تحریک ختم نبوت کے لئے مسلمان جانیں دینے کے لئے آمادہ۔ کسی نے کہا شاہ جی خواجہ ناظم الدین لاہور پہنچ گئے ہیں۔ شاہ جی نے فرمایا۔ ساری باتوں کو چھوڑیں، لاہور والو کوئی ہے اور یہ کہتے ہوئے اپنے سر سے ٹوپی اتار لی اور ٹوپی کو ہوا میں لہراتے ہوئے نہایت جذبات انگیز

الفاظ میں فرمایا: جاؤ! میری اس ٹوپی کو خواجہ ناظم الدین کے پاس لے جاؤ۔ میری یہ ٹوپی کبھی کسی کے سامنے نہیں جھکی، اسے خواجہ صاحب کے قدموں میں ڈال دو۔ اس سے کہو، ہم تیرے سیاسی حریف اور رقیب نہیں ہیں۔ ہم الیکشن نہیں لڑیں گے تجھ سے اقتدار نہیں چھینیں گے۔ ہاں ہاں جاؤ اور میری ٹوپی اس کے قدموں میں ڈال کر یہ بھی کہو کہ اگر پاکستان کے بیت المال میں کوئی سور ہیں تو عطاء اللہ شاہ بخاری تیرے سوروں کا وہ ریوڑ چرانے کے لئے تیار ہے۔

مگر شرط صرف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فداہ ابی وامی کی ختم نبوت کی حفاظت کا ایسا قانون بنادے کہ کوئی میرے آقا ﷺ کی توہین نہ کر سکے آپؐ کی دستار ختم نبوت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔ شاہ جی بول رہے تھے اور لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ (تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء ص ۲۵۴)

امیر شریعت اور جسٹس منیر کا مکالمہ :

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت اپنے شباب پر پہنچ کر مائل بہ اختتام تھی۔ تحریک کی قیادت اور ہزاروں کارکن جیلوں میں بند تھے۔ عدالتی تحقیقات کے لئے جسٹس منیر اور ایم آر کیانی پر مشتمل کمیشن لاہور ہائی کورٹ سماعت کر رہا تھا۔ جسٹس منیر متعصب قادیانی نواز تھا۔ وہ علماء کو عدالت میں بلا بلا کر بے عزت کر رہا تھا۔ تحریک ختم نبوت کو ''احرار احمدی نزاع'' اور ''فسادات پنجاب'' کا نام دیتا تھا۔ اسلام کو موضوع بحث بنا کر علماء کا مذاق اڑا رہا تھا اور اپنے قادیانی آقاؤں اور محسنوں کو خوش کر رہا تھا۔

سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری :

لیکن ایک دن وہ اپنی ہی عدالت ہی میں پکڑا گیا۔ اس نے مجدد تحریک تحفظ

ختم نبوت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو عدالت میں طلب کر لیا۔ حکومت نے بیان داخل کرنے کے لئے امیر شریعت کو سکھر جیل سے لاہور سنٹر جیل منتقل کر دیا۔ پیشی کی تاریخ پر امیر شریعت اور ان کے قیدی رفقاء کو سخت پہرے میں عدالت لایا گیا۔

عدالتی ہرکارے نے آواز لگائی، سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ۔

امیر شریعتؒ عدالت میں :

اب اسیر ختم نبوت امیر شریعتؒ، پورے قلندرانہ جاہ وجلال اور ایمانی جرأت وقار کے ساتھ کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے، سرفروشانِ احرار نے پورے ہائی کورٹ کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ عدالت کے دروازے پر ہزاروں فدائین ختم نبوت اور شمع رسالتؐ کے پروانے نعرہ زن تھے۔ نعرۂ تکبیر...... اللہ اکبر، تاج وتخت ختم نبوت...... زندہ باد، مرزائیت.... مردہ باد، امیر شریعت نے عدالت کے دروازے پر کھڑے ہو کر ہتھکڑیاں فضا میں لہرائیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا..... مجمع وارفتگی سے پوچھ رہا تھا :

سیدی ومرشدی! کہیے کیا حکم ہے؟ دیوانہ بنوں یا نہ بنوں؟ حکم ہوا...... خاموش! تمام مجمع ساکت وجامد! امیر شریعتؒ عدالت میں داخل ہو گئے۔

مردِ مومن کا چہرہ :

جسٹس منیر.... بغض وحسد سے بھرا ہوا، غصے سے لال پیلا، گردن تنی ہوئی اور تکبر وغرور کا ناہنجار بن کرسی پر بیٹھا تھا۔ مردِ مومن کے چہرۂ انور پر نگاہ پڑی تو اس کی آنکھیں جھک گئیں۔ جسٹس منیر دوسری مرتبہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔ کاروائی شروع ہو گئی۔ امیر شریعت نے اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کیا۔ جسٹس

منیر نے ایک نظر بیان کو دیکھا (جسے اس نے ''منیر انکوائری رپورٹ'' میں شامل نہیں کیا) اور پھر مخصوص چبھتے ہوئے انداز میں سوالات کا آغاز کر دیا۔

جسٹس منیر: ہندوستان میں اس وقت کتنے مسلمان ہیں؟

امیر شریعت: سوال غیر متعلق ہے، مجھ سے پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں پوچھیں۔

جسٹس منیر: (تمسخر آمیز لہجے میں) ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ جائے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

امیر شریعت: ہندوستان میں علماء موجود ہیں، وہ بتائیں گے۔

جسٹس منیر: (طنز کرتے ہوئے) آپ بتا دیں؟

امیر شریعت: پاکستان کے بارے میں پوچھیں، یہاں کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔

جسٹس منیر: مسلمان کی تعریف کیا ہے؟

امیر شریعت: اسلام میں داخل ہونے اور مسلمان کہلانے کے لئے صرف کلمہ شہادت کا اقرار اعلان ہی کافی ہے، لیکن اسلام سے خارج ہونے کے ہزاروں روزن ہیں۔ ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار کفر کے ماسوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ عالیہ میں سے کسی ایک کو بھی انسانوں میں مانا تو مشرک، قرآن کریم کی کسی ایک سورۃ یا آیت یا جملہ کا انکار کیا تو کافر، اور نبی کریم ﷺ کے منصب ختم نبوت کے بعد کسی انسان کو کسی بھی حیثیت سے نبی مانا تو مرتد۔

جسٹس منیر: (قادیانی وکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان کے بارے میں کیا

خیال ہے؟

امیر شریعت: خیال نہیں عقیدہ ہے، جوان کے بڑوں کے بارے میں ہے۔

مرزائی وکیل: نبی کی تعریف کیا ہے؟

امیر شریعت: میرے نزدیک اسے کم از کم ایک شریف آدمی ہونا چاہیے۔

جسٹس منیر: (بدتمیزی کے انداز میں) آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر کہا ہے؟

امیر شریعت: میں اس سوال کا آرزو مند تھا۔ کوئی بیس برس ادھر کی بات ہے، یہی عدالت تھی، جہاں آپ بیٹھے ہیں، یہاں چیف جسٹس، مسٹر جسٹس ڈگلس ینگ تھے اور جہاں مسٹر کیانی بیٹھے ہیں، یہاں رائے بہادر جسٹس رام لال تھے۔ یہی سوال انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔ وہی جواب آج دہراتا ہوں۔ میں نے ایک بار نہیں ہزاروں مرتبہ مرزا کو کافر کہا ہے، کافر کہتا ہوں، کافر کہتا رہوں گا۔ یہ میرا ایمان ہے، عقیدہ ہے اور اس پر مرنا چاہتا ہوں۔ مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کافر و مرتد ہے مسیلمہ کذاب اور ایسے ہی دیگر جھوٹوں کو دعویٰ نبوت کے جرم میں قتل کیا گیا۔

جسٹس منیر: (غصے سے بے قابو ہو کر دانت پیستے ہوئے) اگر غلام احمد قادیانی آپ کے سامنے یہ دعویٰ کرتا تو آپ اسے قتل کر دیتے؟

امیر شریعت: میرے سامنے اب کوئی دعویٰ کر کے دیکھ لے۔

حاضرین عدالت: نعرہ تکبیر، اللہ اکبر، ختم نبوت زندہ باد، مرزائیت مردہ باد، کمرہ عدالت لرز گیا۔

جسٹس منیر: (بوکھلا کر) توہین عدالت۔

امیر شریعت: (جلال میں آکر) توہین رسالت۔

جسٹس منیر: دم بخود، خاموش، مبہوت، حواس باختہ، ہوش عنقا، پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔ عدالت امیر شریعت کی جرأت ایمانی اور جذبہ حب رسول ﷺ دیکھ کر سکتے میں آچکی تھی۔ (از سید محمد کفیل بخاری بحوالہ نقیب ختم نبوت اگست ۲۰۰۱ء)

انسان یا چٹان:

شاعر ختم نبوت سید امین گیلانی لکھتے ہیں:

راقم الحروف کو یہ واقعہ شاہ جی نے خود سنایا تھا فرمایا ایک دفعہ جالندھر میں قادیانیت کے خلاف تقریر کر رہا تھا اچانک کسی مخالف نے شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑ دیا فرمایا شہد کی مکھیوں کا ایک مکمل نظام ہے۔ وہ اس نظام اور اپنے سردار کے تحت کام کرتی ہیں۔ فرمایا میں دیکھ رہا تھا کہ مکھیوں کا سردار آگے آگے میری طرف تیزی سے آرہا ہے اور پیچھے پیچھے مکھیوں کا لشکر، وہ آتے ہی میرے ابروؤں کے درمیان بیٹھ گیا اور ساتھ ہی تمام لشکر نے میرے چہرے پر ڈیرہ جمالیا۔ اسی اثنا میں، میں نے دیکھا کہ بعض لوگ اٹھ کر بھاگنے لگے، میں نے فوراً للکارا کہ خبردار کوئی اٹھنے نہ پائے۔ فرمایا مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ بھاگتے کے پیچھے بھاگتی ہیں۔ اس لئے روک دیا کہ میں تختہ مشق بن چکا ہوں، دوسرے لوگ بھی ساتھ مارے نہ جائیں۔ فرمانے لگے کہ میرا چہرہ گرم ہوتا گیا۔ مجھے ان کے ڈنگ مارنے کا کچھ احساس نہیں تھا۔ صرف ایک مکھی نے کہیں میرے آنکھ کے کونے میں ڈنگ مارا تو مجھے سوئی لگنے کی سی چبھن محسوس ہوئی، مگر میں اپنی جگہ پر جم کر کھڑا رہا۔ بالآخر لوگوں نے سعی کر کے مجھے وہاں سے بچ بچا کر ساتھ لیا۔ کئی دن تک میرے چہرے کا ورم نہ گیا۔ کئی کئی سیر برف کوٹ کوٹ کر میرے چہرے پر رکھی جاتی تھی۔ فرمایا مجھے ایک خطرہ تھا،

کہیں میری بینائی کو نقصان نہ پہنچا ہو، جب ذرا میری آنکھیں کھلیں تو مجھے روشنی نظر آئی، تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ (بخاری کی باتیں ص ۲۶، ۲۷)

میرا سب کچھ قربان :

شاہ جی نے ایک دفعہ تقریر میں فرمایا! قادیان کانفرنس کے خطبہ پر دفعہ ۱۵۳ کے تحت مجھ پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے۔ اس کی سزا زیادہ سے زیادہ صرف دو سال قید ہے۔ میرا جرم یہ ہے کہ میں محمد ﷺ کا خادم ہوں۔ اس جرم میں یہ سزا بہت کم ہے میں رسول اللہ کی ناموس پر ہزار جان سے قربان ہونے کو تیار ہوں مجھے شیروں اور چیتوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا جائے اور پھر کہا جائے کہ تجھے بجرم عشق مصطفیٰ ﷺ یہ تکلیفیں دی جا رہی ہیں تو میں خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کروں گا اور میں اپنا آٹھ سالہ بچہ عطاء المنعم اور اس جیسے خدا کی قسم ہزار بچے رسول اللہ ﷺ کی کفش پر نچھاور کر دوں۔ (مختصر سوانح از غازی خاں کابلی)

شہداء ختم نبوت :

میں کہتا ہوں کہ جب تک احرار زندہ ہیں جھوٹی نبوت نہیں پنپنے دیں گے۔ جب بھی کبھی کوئی کذاب سر اٹھائے گا صدیق اکبرؓ کی سنت جاری کی جائے گی۔

ماضی میں احرار کی بے پناہ جدوجہد، جانکاہ محنت و ایثار اور ہماری برپا کردہ تحریکِ تحفظ ختم نبوت میں ہزاروں جواناں گل گوں قبا، سرخ پوشان راہ بقا اور سرمستان عہدِ وفا کی قربانی و شہادت احرار کے اخلاص کی زندہ مثال ہے۔

جو لوگ تحریک ''تحفظ ختم نبوت'' میں جہاں تہاں شہید ہوئے ان سب کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور جو آئندہ ہوگا اس کی بھی۔ شہداء ختم نبوت کے لئے میں کیا دعا

کروں؟ دعا تو یہ ہے کہ ان کے صدقے میں ہمارا ایمان بچ جائے۔ (آمین)

یاد رکھو! میں تو زندہ نہیں رہوں گا مگر تم دیکھو گے کہ شہدا ختم نبوت کا خونِ بے گناہی رنگ لا کر رہے گا۔ جو "میاں" ﷺ کا نہیں وہ اس قابل نہیں کہ اسے منہ بھی لگایا جائے۔

جو نام نہاد مسلمان نبوت کے ان ڈاکوؤں سے حسن سلوک کے قائل ہیں یا ان سے رواداری پر عامل ہیں وہ حرماں نصیب روز محشر شفیع امت حضور خاتم النبیین ﷺ کے سامنے کیا منہ لیکر جائیں گے جو "میاں" ﷺ کا نہیں وہ اس قابل نہیں کہ اسے منہ بھی لگایا جائے۔ نبی کریمؐ کے منصب عالیہ پر ڈاکہ ڈالنے والا مسیلمہ کذاب کی طرح آج بھی واجب القتل ہے۔ ارتداد ایک ایسا جرم ہے جس کی معافی اسلام میں کہیں نہیں۔ "مرزا" اور اس کے ماننے والے دجال، کذاب، مرتد، واجب القتل اور جہنمی ہیں۔ (بخاری کی باتیں ص:۴۶)

جانِ ایمان اور روحِ قرآن :

مسئلہ ختم نبوت جانِ ایمان اور روحِ قرآن ہے۔ اگر مسلمان عقیدہ ختم نبوت سے بال برابر بھی ادھر ادھر ہو جائیں تو پھر نہ محمد عربی ﷺ کا فرمان باقی رہتا ہے۔ اور نہ خدا تعالیٰ کی وہ تنزیہہ و تقدیس باقی رہتی ہے۔ جس پر حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضور ختمی مرتبت تک تمام انبیاء علیہم السلام متفق ہیں۔ مرزائیت کی روح پر اسی جانِ قرآن اور جان اسلام سے مرتدانہ ضرب ہے۔ میں اس کے استیصال کو ہر مسلمان کے لئے فرض بلکہ اَفْرَض جانتا ہوں اور اپنی زندگی کی آخری بازی بھی اس پر لگا دوں گا۔ یہ پاکستان کے جسم کا سیاسی ناسور ہے اگر حکومت نے اس کا آپریشن نہ کیا تو یہ ناسور

سارے جسم کو تباہ کر کے رہے گا۔ (اقوال بخاری)

بیٹی تم نے میری دُکھتی رگ پکڑی ہے :

شاہ جیؒ فرمایا کرتے : میری بیٹی! میرے ظاہری اسباب سے میری حیات کا باعث ہے۔ اللہ بیٹوں کو بھی سلامت رکھے، مگر بیٹی سے مجھے بہت محبت ہے۔ میری بیٹی نے کئی بار مجھے کہا :

''ابا جی ! اب تو اپنے حال پر رحم کریں، آپ کو چین کیوں نہیں آتا، کیا آپ سفر کے قابل ہیں، چلنے پھرنے کی طاقت آپ میں نہیں رہی، کھانا پینا آپ کا نہیں رہا، یہ آپ کا حال ہے، کیا کر رہے ہیں آپ؟ ''

میں نے کہا : ''بیٹی! تم نے میری دُکھتی رگ پکڑی ہے۔ میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں، بیٹا! تم بہت خوش ہوگی اگر میں چارپائی پر مروں؟ میں تو چاہتا ہوں کسی کے گلے پڑ کے مروں، تم اس بات پہ راضی نہیں کہ میں باہر نکلوں میدان میں اور یہ کہتا ہوا مر جاؤں ''لَا نَبِیَّ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، لَا رَسُوْلَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم، لَا اُمَّۃَ بَعْدَ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیٹا! دُعا کرو، عقیدۂ ختم نبوت بیان کرتے ہوئے اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے موت آ جائے''۔ (سیدی وابی ص:۱۸)

مبلغین کو وصیت :

تحفظ ختم نبوت کے تمام مبلغین کو امیر شریعتؒ نے اپنے مکان کی بیٹھک میں بلا کر حسب ذیل وصیت فرمائی۔

۱) ''عزیزو! اسلام کی تبلیغ کانٹوں کا تاج پہننے کے مترادف ہے، جدھر منہ کرو گے مخالف ہی مخالف نظر آئیں گے۔ حتیٰ کہ ایسے ایسے مقامات سے گزر ہوگا اور مخالفت ہوگی، جہاں تمہارا گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اگر تم اس عزم پر پکے اور پختہ رہے تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ (پھر تھوڑا مسکرائے اور فرمایا) احرار بظاہر کسی تحریک میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن جس عزم کو لے کر اٹھے اس پر ڈٹے رہے تو نتیجہ یہ ہے کہ آج برسرِ اقتدار آنے والا ہر گروہ احرار کے نام سے لرزتا ہے۔

۲) وعظ کرنے کے لئے جانے سے پہلے داعی سے کرایہ کبھی وصول نہ کرنا۔ اگر اتنا بھی کرو گے تو منہ کھائے گا، آنکھ شرمائے گی، حق بیان نہ ہوگا۔ فرمایا۔ آمدورفت کا کرایہ گھر سے لیکر چلنا۔ تقریر وبیان کے بعد اگر داعی کچھ خدمت کرے تو اس کے سامنے شمار نہ کرنا۔ اور اگر کچھ بھی نہ دے تو اپنی زبان سے طلب نہ کرنا، بلکہ چپکے سے ہنس مکھ واپس آ جانا۔ فرمایا۔ ساری زندگی میرا یہی عمل رہا ہے۔ جب کہیں جانا ہوتا تو تمہاری اماں سے پوچھا کرتا تھا کہ مجھے فلاں جگہ وعظ کہنے جانا ہے کرایہ ہے؟ اگر ہوتا تو آمدورفت کا خرچ گھر سے لے کر چلتا۔

۳) فرمایا! کچھ بھی خدمت نہ کرنے والا، اگر پھر بھی بلالے اور دعوت دے دے تو جانے سے انکار نہ کرنا۔ فرمایا! اب اگر پچھلی اور پہلی مرتبہ ہدیہ، حق الخدمت وغیرہ نہ مل سکنے کے سبب جانے سے رک جاؤ گے تو للّٰہیت نہ ہوگی بلکہ نفسانیت ہوگی۔ اور داعی کے سامنے شمار کرنے سے روکنے میں یہ حکمت فرمائی۔ ہوسکتا ہے داعی غریب اور مفلس ہونے کے سبب حق الخدمت یا کرایہ بھی پورا نہ دے سکے۔ اس سے خود کو بھی تردد ہوگا اور داعی کے دل میں بھی ہُوک اٹھے گی۔ ہائے! میں غریب تھا، نا، کہ کرایہ بھی نہ دے

سکا اور اس سے اس غریب کے دل سے ایک آہ نکلے گی۔ لہٰذا یہ نصیحت یاد رکھنا کہ غریب کی آہ اور دل دکھانے کے ہر پہلو سے پرہیز کرنا۔ اگر ان باتوں پر عمل کرو گے تو انشاء اللہ کبھی بھوکے نہیں رہو گے۔ اور یہی باتیں دنیا و عقبیٰ کی فلاح و بہبود اور ترقی وسر بلندی کا موجب ثابت ہوگی۔ (حیات امیر شریعت ص ۳۸۷)

رفعتِ عزت واحترام :

ایک دفعہ لاہور انجمن حمایت اسلام کی سہ روزہ کانفرنس کے آخری اجلاس میں شاہ صاحبؒ کی تقریر تھی اور میاں ممتاز دولتانہ کی صدارت تھی۔ شاہ جیؒ نے ملتان سے تشریف لانا تھا، کسی وجہ سے وقتِ مقررہ سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دیر سے پہنچے۔ مجمع بیتابی سے منتظر تھا۔ بار بار پوچھتے شاہ صاحب ابھی تک کیوں نہیں پہنچے؟ اس لئے اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین کو ہر دس منٹ کے بعد اعلان کرنا پڑتا کہ شاہ صاحبؒ ضرور تشریف لائیں گے، آپ اطمینان سے بیٹھیں۔ لیجئے اطلاع پہنچی ہے کہ شاہ صاحب دفتر پہنچ گئے ہیں، اب عنقریب تشریف لے آئیں گے۔ آخر یہ اعلان کیا کہ شاہ صاحب دفتر سے جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ بس اب پہنچے کہ پہنچے، میاں دولتانہ اگرچہ صدارت کے لئے کب کے آ چکے تھے، مگر سوائے منتظمین کے عوام میں سے کسی کو خبر تک نہ تھی، مگر جب شاہ جی کا پتہ چلا کہ دہلی دروازہ دفتر سے روانہ ہو چکے ہیں تو تمام پبلک سڑک پر استقبال کے لئے پہنچ گئی۔ جب شاہ جی تشریف لائے تو ہجوم نے والہانہ خیر مقدم کیا اور فلک بوس نعروں سے استقبال کیا۔ شاہ جی اسٹیج پر پہنچے تو جلسہ والوں کی جان میں جان آئی اور انہیں علم ہو گیا کہ دنیا دار کتنی شان وشوکت رکھتا ہو، مگر جو عزت واحترام اللہ والوں کا ہے وہ انہیں کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔

ایک مخالفانہ اشتہار کا جواب :

اتنے میں ایک شخص نے ایک اشتہار جو مرزائیوں کی طرف سے تقسیم ہوا تھا، اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ انجمن حمایت اسلام ایک تعلیمی ادارہ ہے، اس کانفرنس میں بخاری جیسے سیاسی اور خصوصی مذہبی لیڈر کو تقریر کے لئے کیوں بلایا گیا ہے۔ شاہ جی نے جب یہ اشتہار پڑھا تو خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا :

''سب سے پہلے مرزائیوں کے اس اشتہار کا جواب دینا ہے، پھر اشتہار پڑھ کر سنایا۔ فرمایا: جلسہ انجمن حمایت اسلام کا جس کے نام سے ہی حمایت اسلام ظاہر ہے، تقریر بخاری کی' صدر میاں ممتاز دولتانہ' اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین میں پوچھتا ہوں آپ کو کیوں تکلیف ہوئی۔ بلانے والوں نے بلایا، آنے والا آ گیا، آپ کے پیٹ میں مروڑ کیوں اُٹھا؟ انجمن حمایت اسلام مسلمانوں کی جماعت ہے۔ خلیفہ شجاع الدین صاحب سے مخاطب ہوکر، کیوں خلیفہ صاحب انجمن حمایت اسلام میں کوئی مرزائی بھی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا، پھر فرمایا تو پھر آ کر انہیں کیوں تکلیف ہوئی، ان کی تسلی یوں نہیں ہوگی، پھر خلیفہ صاحب کو بلایا اور مائیک پر کھڑا کر دیا، فرمایا: آپ اعلان کردیں کہ ہمارے نزدیک مرزا غلام احمد کافر اور مرتد ہے اور اس کو ماننے والے بھی کافر' مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ خلیفہ صاحب نے من وعن اعلان کر دیا، پھر شاہ جی نے گرج کر فرمایا: کہو مرزائیو! اب تسلی تو ہوگئی ہوگی۔ جلسہ انجمن حمایت اسلام کے صدر اور جلسہ کے اسٹیج سیکرٹری خلیفہ شجاع الدین نے جو اعلان کر دیا ہے، اس کے بعد بھی کوئی کسر باقی ہے۔ اس معاملہ میں کوئی بھی مسلمان مجھ سے جدا نہیں، پھر اصل تقریر شروع فرمائی۔

مجھے اور مرزا محمود کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دو :

ایک دفعہ تقریر کرتے ہوئے کہنے لگے: حق اور باطل کو پرکھنے کے لئے مجھے اور مرزا محمود کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دو۔ بس ایک مہینہ کے لئے اور نمکین پانی کے سوا کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جائے۔

چند روز میں ہی ختم نبوت کا اقرار کر کے باہر نکلنے کے لئے منتیں نہ کرے تو میرا نام عطاء اللہ نہیں۔ تقریر کے بعد بیٹھے تھے، میں نے ازراہِ تفنن کہا شاہ جی! اگر وہ پھر بھی ختم نبوت کا اقرار نہ کرے۔

فرمایا: امین ! میں اس کا گلہ دبا کر ٹنٹا ہی نہ ختم کر دوں گا، پھر اس کی لاش ہی کوٹھڑی سے باہر نکلے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ :

تحریک ختم نبوت کے بعد جب قید سے رہا ہو چکے تھے۔ غالباً ۱۹۵۵ء میں فیصل آباد دھوبی گھاٹ کے میدان میں ضعیفی اور علالت کے سبب بیٹھ کر تقریر فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر کسی نے ایک چٹ بھیج دی۔ لکھا ہوا تھا کہ جو لوگ ختم نبوت کی تحریک میں شہید ہو گئے، ان کا ذمہ دار کون ہے؟ شاہ جی نے پڑھا تو جوش میں آ کر کھڑے ہو گئے اور گرج کر فرمایا :

”سنو ! ان شہداء کا میں ذمہ دار ہوں، نہیں نہیں آئندہ بھی جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کی خاطر شہید ہوں گے، ان کا بھی میں ذمہ دار ہوں، تم بھی گواہ رہو (اور پھر آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا) اے اللہ! تو بھی گواہ رہنا شہدا کا میں خود

ذمہ دار ہوں اور جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا، اگر میں زندہ رہا اور موقع ملا تو پھر بھی ایسا ہوگا۔ اگر کل مسلمان میاں ﷺ کی جوتے کے ایک تسمے پر قربان ہو جائیں تو پھر بھی حق ادا نہیں ہوگا۔ ان جملوں سے سامعین تڑپ اُٹھے، لوگ دھاڑیں مار مار رونے لگے اور ختم نبوت زندہ کے فلک شگاف نعروں سے فضا گونج اُٹھی۔ (بخاری کی باتیں ص: ۶۶ تا ۶۸)

امیر شریعت عزم وہمت کے پیکر تھے۔ مسئلہ ختم نبوت کے دفاع اور ردِ مرزائیت کے لئے عزیمت کی کلغی لگائے ملک کے طول وعرض میں پہنچے اس مبارک کام کو وہ اپنی درماندہ قوم کی تمام دیرینہ بیماریوں کا علاج، دنیا میں سربلندی کا باعث، رحمتِ عالم ﷺ کی شفاعت کا ذریعہ اور آخرت میں سرخروئی کا زینہ سمجھتے تھے۔ یہی ان کا اوڑھنا تھا، اور یہی ان کا بچھونا تھا اور اسی راہ پر چلتے ہوئے اپنے مالک کی رفاقت کے پختہ احساس کے ساتھ انہیں نہ جیل ہتھکڑیوں اور دارورسن کی پرواہ اور نہ اپنے مالک کی پناہ وسہارا ہوتے ہوئے کسی ظالم کے ظلم وستم اور جبر وتشدد کا خطرہ تھا ....

عشق کی مستی سے ہے پیکر گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام عشق ہے کاس الکرام



باب ہشتم

دعوت وخطابت، قید وبند کی صعوبتیں

جیل کی یادیں اور عزیمت واستقامت کے دلچسپ واقعات

رب ذوالجلال کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت خطابت بھی ہے۔ خطابت اس کا نام ہے کہ آپ بہترین کلام کے ذریعہ سے لوگوں کو متوجہ کریں۔ تمام انبیاء کرام خطیب تھے، حضرت شعیب علیہ السلام تو خطیب الانبیاء اور محمد عربی ﷺ استاد الخطباء ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی تربیت سے گلشن رسالت سے فیض یاب ہونے والے نفوسِ قدسیہ نے خطابت کے وہ جوہر دکھائے تاریخ جن کی مثال لانے سے قاصر ہے۔

ہمارے اکابر میں سے ایک نام امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا بھی ہے۔ جنہوں نے برصغیر پاک وہند میں اپنی خطابت کا لوہا منوایا۔ امیر شریعت سے مولانا محمد علی جوہر نے ایک مرتبہ عرض کیا۔ شاہ جیؒ! تم اپنی تقریر میں جب لوگوں کو قورمہ اور پلاؤ مہیا کرتے ہو تو انہیں یہ بھی کہہ دیا کرو کہ محمد علی کی سوکھی روٹی بھی قبول کر لیا

کریں۔ مولانا جوہر نے ایک مرتبہ اپنے اخبار میں لکھا کہ یہ شخص (امیر شریعت) خطیب نہیں ساحر ہے۔ شورش کاشمیری نے فرمایا۔ شاہ جی کے ہاں خطابت کے سوا دوسری تمام خصوصیتیں ثانوی تھیں بلکہ بالواسطہ یا بلاواسطہ خطابت ہی کی پیداوار تھیں جس طرح ہر بڑے آدمی کی خصوصیت اس کا نام لیتے ہی حافظے کی لوح پر آجاتی ہے۔ مثلاً غالب کا نام لیتے ہی ایک عظیم شاعر کا تصور بندھتا ہے۔ اس طرح شاہ جی کی ذات خطابت سے مختص ہوگئی وہ سراپا خطابت تھے۔ شاہ جی پیدائشی خطیب تھے انہوں نے خطابت کو اختیار نہیں کیا بلکہ خطابت نے انہیں اختیار کیا تھا۔ شورش نے شاہ جی کی خطابت کے بارے میں جو منظوم کلام کہا ہے۔ پڑھتے جایئے اور سر دھنتے جایئے۔

خطیب اعظم عرب کا نغمہ عجم کی لے میں سنا رہا ہے
سر چمن چہچہا رہا ہے ہر وغا مسکرا رہا ہے
حدیث سرو و سمن نچھاور، زبان شمشیر اس پہ قربان
مسیلمہ ایسے جعلسازوں کی بیخ و بنیاد ڈھا رہا ہے
میں اس کے چہرے کی مسکراہٹ سے ایسا محسوس کر رہا ہوں
کہ جیسے کوثر پہ شام ہوتے کوئی دیا جھلملا رہا ہے
خدا فروشوں کی خانقاہوں پہ ایک بجلی سی کوندتی ہے
ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے

(امیر شریعت نمبر ص ۸۸)

حضرت امیر شریعتؒ بچپن ہی سے بڑا اچھا قرآن پڑھتے تھے۔ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی جو امیر شریعتؒ کے استاد تھے۔ امیر شریعتؒ کی آواز سے اتنے متاثر تھے

کہ اکثر و بیشتر جمعہ شاہ جیؒ سے پڑھوایا کرتے تا کہ انہیں تقریر کے داؤ پیچ سے واقفیت ملتی رہے۔ یہی دن تھے جب شاہ جی فن خطابت کی سیڑھیوں پر قدم رکھ رہے تھے۔

جانباز مرزا لکھتے ہیں :

شاہ جی کے قرآن کریم پڑھنے کا انداز جب عام ہوا تو شہر کے گلی محلوں میں ان کا چرچا ہونے لگا۔ لوگ انہیں شبینوں پر بلانے لگے۔ گھروں سے نکل کر یہ آواز گلی کوچوں اور پھر بازار تک آن پہنچی...... ع دل سے نکلی در جاناں تک پہنچی

پہلی تقریر :

آخر وقت آیا کہ مسجد کے اردگرد کے لوگوں نے مولانا غلام مصطفیٰ کو مجبور کیا کہ شاہ جی کو کھلے میدان میں تقریر کی اجازت دیں۔ چنانچہ پہلی تقریر اندرون گلوالی دروازہ بازار کمہاراں میں ہوئی۔ دوسری تقریر کے لئے سید گلاب شاہ نامی شخص جو مولانا غلام مصطفیٰ کے معتقد تھے، شاہ جی کو امرتسر کی نواحی بستی سلطان ونڈ لے گئے۔ اس طرح یہ کلی کھلی، پھول بنا اور اس کی مہک نے ساری فضا کو معطر کر دیا۔

امامت :

نکہت باد بہاری نے چمن بردوش ہو کر لالۂ وگل سے سرگوشیاں کیں اور صحن چمن سے بوئے لالہ وگل اڑا کر لے گئی۔ شبنم کے آنسو چھینٹتے رہے۔ نسیم صبح گاہی سر پیٹ کر رہ گئی۔ گل بوٹوں نے لاکھ حصار کیے مگر بوئے گل اسیر نہ ہو سکی۔ کوچہ جیل خانہ کے عوام اپنی مسجد کے لئے پیہم اصرار کے ساتھ مولانا غلام مصطفیٰ سے شاہ جی کو مانگ کر لے گئے۔ یہ ۱۹۱۹ء کا واقعہ ہے۔

ہال بازار کے وسط سے شروع ہو کر کوچہ جیل خانہ رام باغ، پولیس تھانہ کے

سامنے ختم ہوتا تھا۔ دوسری طرف میوہ منڈی کی پشت اس کی ہمسایہ تھی۔ اس طرف رام باغ کا بازار بھی اس کے سامنے تھا۔ اس قدر وسیع آبادی کو مسجد کی تنگ دامنی پر ہمیشہ گلہ رہا۔ لیکن شاہ جی کے خطیب منتخب ہونے پر مسجد کی وسعتیں اور مسدود ہو گئیں۔ یہ زمانہ لاسلکی کا نہیں تھا اور نہ آلہ مکبرّ الصوت کا رواج تھا لیکن شاہ جی کی آواز دل اور کانوں کو مطمئن کرتی رہی۔ نمازیوں نے مکان کی چھتوں تک کو اپنی ضرورت کے لئے اپنا لیا تھا۔ (حیات امیر شریعت ص ۳۵)

لحن داؤدی :

آپ کی تبلیغ کا خاص وصف یہ تھا کہ آپ کتاب اللہ پڑھتے تھے۔ آپ حافظ تھے۔ قاری تھے۔ پھر قدرت نے آپ کو لحن داؤدی عطا فرمایا تھا۔ آپ جب منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بیخود ہو کر قرآن پڑھتے تھے۔ حاضرین پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ آپ کے مخالفین بھی آپ سے قرآن سننے کے لئے کشاں کشاں جلسوں میں آتے تھے۔ اور آپ جب اپنے مخصوص انداز میں کتاب اللہ کی تلاوت کرتے تو لوگ تڑپ اٹھتے تھے۔ گاندھی کی بات کہ میں تو صرف شاہ جیؒ کا قرآن سننے آیا تھا۔

آپ نے وقت کی روش اور مبلغین وواعظین کی عام عادت کے خلاف منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کو قرآن سنایا اور سمجھایا۔ اور آپ کی ساری عمر قرآن کی خدمت میں ہی گزر گئی۔

آپ نے تبلیغ دین کو عام پیشہ ور مبلغین کی طرح استحصال زر کا ذریعہ نہ بنایا اگر آپ چاہتے تو آپ تبلیغ کو "پیشہ" بنا کر اپنا گھر سونے کا بنا سکتے تھے مگر آپ نے تبلیغ دین کو اس کا صحیح مقام دیا۔ اسے جہاد فی سبیل اللہ سمجھا۔

ایفائے عہد کا اہتمام :

ایک دفعہ ملتان راقم الحروف (امین گیلانی) سے ایفائے عہد کی اہمیت پر فرمایا :

سیالکوٹ تقریر کرنے کا وعدہ دے چکا تھا کہ چوتڑوں پر ایک بڑا سا پھوڑا نکل آیا، پلستر وغیرہ باندھتا رہا، خیال تھا، جلدی پھٹ جائے گا، مگر وہ تاریخ آ گئی اور پھوڑا ہنوز اسی طرح تھا۔ وہاں سے کچھ کارکن لینے کے لئے آ گئے، مگر میرا حال دیکھ کر مایوس ہو گئے، اس حال میں کیسے لے جائیں، اس طرف انہیں یہ پریشانی تھی کہ تقریر کا اعلان کیا جا چکا ہے، رات کو جلسہ ہے میں نے ان کی پریشانی محسوس کرتے ہوئے کہا بھائی! اگر کسی طرح لٹا کر مجھے سیالکوٹ تم لے چلو تو جیسے ہو تقریر میں کروں گا' چنانچہ انہوں نے کار کا بندوبست کیا اور مجھے لٹا کر سیالکوٹ لے گئے۔ میں نے کہا: سٹیج پر میز کرسیوں کے بجائے چارپائی رکھوا کر اس پر گدا بچھوا دو۔ گاؤ تکیے رکھ دو، چنانچہ میں نے ایک کروٹ پر لیٹ کر تقریر کی۔ دورانِ تقریر جوش سے کچھ بیان کر رہا تھا کہ اچانک پھوڑا پھٹ گیا، پھوڑے پر ہاتھ رکھ کر اسی طرح تقریر کرتا رہا۔ جب تقریر کر چکا تو ساتھیوں سے کہا لو بھائی ہماری تقریر ہی ہمارے پھوڑے پر نشتر کا کام دے گئی۔ (بخاری کی باتیں ص:۹۶)

شاہ جیؒ کو دھمکی :

مولانا لال حسین اختر فرماتے ہیں، تقسیم سے قبل صوبائی الیکشن میں تحصیل ڈسکہ سے ایک مرزائی اُمیدوار بھی تھا۔ اسی اثنا میں چودھری عبدالغنی گھمن نے صاحبزادہ فیض الحسن صاحب سے جو اس وقت گوجرانوالہ میں کسی علالت کے سبب صاحبِ فراش تھے' ملاقات کی اور کہا ڈپٹی کمشنر نے مجھے بلا کر ہدایت کی ہے کہ تم اپنے

موضع کے تمام ووٹ مرزائی اُمیدوار کو لے کر دینا، اور میں نے ان سے پکا وعدہ کر لیا ہے کہ ان کے حکم کی پوری طرح تعمیل ہوگی۔ لہٰذا آپ بخاری صاحب کو کہہ دیں کہ وہ ہمارے گاؤں میں مرزائی اُمیدوار کی مخالفت کرنے نہ آئیں۔ نہ وہ جا کر اس کے خلاف ووٹ مانگیں۔ اگر انہوں نے میری بات نہ مانی تو نتائج خطرناک ہوں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ ایک عالم اور سید کے خون سے ہمارے ہاتھ بھریں۔ میرے اس مشورہ کو اگر نہ مانا گیا تو پھر بات صاف ہے۔ دنیا پہلے ایک سید کی شہادت پر آج تک رو رہی ہے، پھر اسے بھی روئے گی۔ بہتر یہی ہے کہ وہ میری بات مان لیں اور میرے موضع کا رُخ نہ کریں۔

جو رات قبر میں آنی ہے باہر نہیں آسکتی:

مولانا فرماتے ہیں صاحبزادہ صاحب نے مجھے بلوا بھیجا اور سارا واقعہ مِن وعَن سنا دیا۔ اور کہا اب سوچ سمجھ لو۔ ساتھیوں سے مشورہ کر کے جیسا مناسب ہو، قدم اُٹھائیں۔ مولانا بتاتے ہیں کہ شاہ جی کہیں دورہ پر تھے۔ ہم نے مشورہ کر کے یہی طے کیا کہ ہمیں ان کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہونا چاہئے۔ ورنہ مرزائی اُمیدوار کامیاب ہو جائے گا۔ ہم نے گردونواح کے تمام رضا کاروں کو پیغام پہنچا دیا کہ وہ جمعہ اس موضع میں پڑھیں اور باوردی آئیں۔ ادھر ہم نے شاہ جی کو تار دے کر بلایا اور اس موضع میں اعلان کروا دیا کہ یہاں جمعہ مولانا لال حسین اختر پڑھائیں گے اور اس کے بعد شاہ جی کی تقریر ہوگی۔ شاہ جی جب جمعہ کے روز صبح تشریف لے آئے تو میں اور شاہ جی اور کچھ دیگر احباب کار میں بیٹھ کر ڈسکہ کی طرف اس موضع کو روانہ ہو گئے۔ میں نے راستے میں شاہ جی کو سارے حالات سے آگاہ کیا۔ شاہ جی خاموشی سے سنتے

رہے۔ جب میں بات ختم کر چکا تو میں نے پوچھا شاہ جی! کیا خیال ہے ہم نے وہاں جانے کا فیصلہ صحیح کیا یا غلط؟ فرمایا: مولوی صاحب جو رات قبر میں آنی ہے وہ باہر نہیں آ سکتی۔

چھوڑ و اللہ کے سپرد کرو :

بہرحال ہم جب وہاں پہنچے تو ہمارے سینکڑوں رضا کار باوردی پہنچ چکے تھے اور سارے گاؤں میں گہما گہمی تھی۔ رضا کاروں نے استقبال کیا۔ ہم اُترے اور اسٹیج کی طرف چلے۔ وہاں پہنچے تو خاصا مجمع ہمارے انتظار میں تھا۔ رضا کاروں نے چاروں طرف سے جلسہ کو گھیر لیا اور اسٹیج کے گرد بھی بہت سے رضا کار پہرہ دینے لگے۔ جب میں خطبہ کے لئے کھڑا ہوا تو پہلی تین صفیں ساری کی ساری مخالفین کی تھیں۔ سب مسلح تھے' بندوقیں' کلہاڑیاں' ٹوکے ہاتھوں میں لئے بیٹھے تھے۔ اس وقت مجھے معاً خیال آیا کہ ہم سے غلطی ہوگئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ پہلی صفوں میں رضا کاروں کو بٹھاتے، تاکہ مخالف آسانی سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ میں نے آہستہ سے یہ بات شاہ جی کے کان میں کہی۔ شاہ جی نے فرمایا: اب چھوڑو اللہ کے سپرد کرو اور خطبہ دو۔

میں نے ابھی خطبہ کے چند الفاظ کہے تھے کہ چوہدری عبدالغنی پہلی صف کے درمیان سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پکار کر کہا مولوی صاحب! وعظ بیشک کہو، جمعہ کی نماز پڑھاؤ ہم وعظ سنیں گے۔ نماز تمہارے پیچھے پڑھیں گے، مگر یہ یاد رکھو! اگر الیکشن کے متعلق یا ہمارے اُمیدوار کے خلاف ایک لفظ بھی کہا تو یہ بندوقیں' کلہاڑیاں اور ٹوکے تمہارے سروں اور سینوں پر ہوں گے۔ ہم نے پہلے بتا دیا ہے۔ بعد میں کوئی نہ کہے کہ ہم نے زیادتی کی ہے۔ یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا تو شاہ صاحب نے ایک دم میرا ہاتھ کھینچ کر

مجھے بٹھا دیا اور ایسے جوش اور جلال سے کھڑے ہوئے کہ میں نے نہ کبھی پہلے اور نہ کبھی بعد میں ان کو ایسے جوش اور جلال میں دیکھا۔ شاہ جی نے بغیر کچھ کہے خطبہ مسنونہ شروع کر دیا۔ خطبہ کے بعد چند آیاتِ قرآنی تلاوت فرما کر ان کا ترجمہ کیا۔ پھر ایسے پُر جوش اور والہانہ انداز سے تقریر جاری رکھی کہ کسی کو کچھ ہوش نہ تھا۔ حتیٰ کہ الیکشن کے موضوع پر آ گئے اور جانی دشمن بیٹھے سن رہے ہیں۔ تقریر کرتے کرتے شاہ جی نے ایسی بے خودی اور بے ساختگی کے انداز میں گرج کر فرمایا :

وہ دیکھو! ملائکہ ہاتھوں میں قلم لئے اور سامنے رجسٹر رکھے بیٹھے ہیں جو مسلمان اُمیدوار کو ووٹ دے گا، اس کا نام جنتیوں میں لکھیں گے اور جو مرزائی اُمیدوار کو ووٹ دے گا، اس کا نام دوزخیوں میں لکھیں گے، لوگو! تمہیں خدا کی قسم ہے بتاؤ! تم کیا چاہتے ہو؟ جو چاہتا ہے کہ ملائکہ اس کا نام جنتیوں میں لکھیں وہ ہاتھ کھڑا کرے، یکدم تمام مجمع نے ہاتھ کھڑے کر دیئے، جب شاہ جی نے غور سے دیکھا تو پہلی تین صفیں جو مخالفین کی تھیں، ان میں سے کسی نے ہاتھ کھڑا نہیں کیا تھا۔

شاہ جیؒ نے فوراً للکارا : ''عبدالغنی'' ہاتھ اُٹھا دے ورنہ مارا جائے گا، تیرا اور تیرے ساتھیوں کا نام دوزخیوں میں نہ آ جائے''۔

شاہ جیؒ نے کچھ ایسے بارُعب انداز میں یہ جملے کہے کہ عبدالغنی نے جھٹ اپنا ہاتھ بلند کر دیا۔ اسے دیکھتے ہی اس کے باقی ساتھیوں نے بھی ہاتھ کھڑے کر دیئے۔ پورا پنڈال اللہ اکبر کے نعروں سے گونجنے لگا اور ہم لوگ بہ ہزار خاطر ومدارت وہاں سے کامیاب واپس آئے۔

(بخاری کی باتیں ص:۱۰۹ تا ۱۱۲)

سنگ پر سنگ چلاؤ تمہیں ڈر ہے کس کا ؟

شہید گنج تحریک کے ایام میں جالندھر بستی شیخ میں جلسہ ہوا، پہلی تقریر مولانا مظہر علی نے کرنی تھی۔ مگر عوام سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ ایک کہرام اور شور وغوغا برپا کر دیا گیا۔ بعضوں نے پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ شاہ جی یہ تماشا دیکھ رہے تھے، فوراً آگے تشریف لے آئے۔ مولانا مظہر علی صاحب کو فرمایا: آپ بیٹھیں، شاہ صاحب نے ٹوپی اُتار کر میز پر رکھ دی، سر کے بالوں کو جھٹکا دیا، تلوار بھی گلے سے اُتار کر رکھ دی اور بلند آواز سے یہ شعر پڑھا ....ے

بجرمِ عشق تو ام می کشند غوغا یست
تو نیز برسرِ بام آ کہ خوش تماشا یست

پھر مخالفین کو گرج کر فرمایا: تم بے شک پتھر برساؤ، اگر بخاری نام ہے تو قتل ہونا منظور ہے لیکن پیغامِ حق کہہ کے چھوڑوں گا۔ قتل ہونا سیدوں، ہاشمیوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں۔ کربلا میں بھی حق کی آواز پر مسلمانوں ہی کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کے نواسے شہید ہوئے تھے، میں بھی اسی سید الاولین والآخرین سرورِ کائنات فخر موجودات محمد رسول اللہ ﷺ کا نواسہ ہوں، حق کہوں گا اور حق کے اظہار سے ہرگز باز نہ رہوں گا۔ تم بے شک پتھر برساؤ، شور وشر سے ہرگز باز نہ آؤ ....ے

سنگ پر سنگ چلاؤ تمہیں ڈر ہے کس کا
سینہ کس کا ہے میری جان جگر کس کا ہے

یہ الفاظ سن کر مجمع پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا، پتھر ہاتھوں سے چھوٹ گئے، شاہ جی نے مسلسل کئی گھنٹے تقریر فرمائی، پھر انہی لوگوں نے شاہ صاحب اور ان کے

ساتھیوں کے لئے آرام و آسائش کا بندوبست کیا۔ نوجوان رضا کار بن گئے، اور سر برآوردہ لوگ آ آ کر معافی کی درخواست کرنے لگے۔ (بخاری کی باتیں ص:۵۳)

سکھوں کو قرآن سنایا:

مولانا عبداللطیف صاحب خطیب جامع مسجد گنبد والی (جہلم) فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کچھ لوگوں نے شاہ جیؒ کو کٹھیالہ سیداں منڈی بہاؤالدین کے قریب ایک قصبہ ہے، وہاں وعظ کے لئے بلوایا۔ جلسہ سے قبل ہی جلال پور کے پیر فضل شاہ صاحب نے لوگوں کو اُکسایا کہ یہاں وہابی کا وعظ مت ہونے دو۔ بخاری وہابی ہے، وہ آرہا ہے لوگوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالے گا، لہٰذا کچھ بھی ہوجائے اس کا وعظ نہ ہونے دو۔ لوگ لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگئے۔ جس تاریخ کو وعظ تھا شاہ صاحبؒ حسبِ وعدہ منڈی بہاؤالدین اُترے تو اس وقت تک کوئی بھی شخص پریشانی اور خطرہ کے باعث لاری اڈہ پر شاہ جی کو لینے کے لئے نہیں آیا تھا۔ کچھ وقت گذرا تھا کہ چند داعیان گھبرائے ہوئے پہنچے اور عرض کیا کہ شاہ جی! وہاں تو یہ قصہ ہو چکا ہے۔ شدید خطرہ ہے، اس لئے مجبور ہیں جلسہ ملتوی کردیں۔ شاہ جی نے فرمایا: تم مجھے تانگہ میں بٹھا کر پہلے روانہ کردو اور خود پیچھے آؤ، تمہارا کوئی ذمہ نہیں۔ اگر وہ وعظ کہنے پر ماریں گے تو میں مار کھاؤں گا۔ شاہ جی تانگہ میں بیٹھے شاہ جی کی جرأت دیکھ کر وہ لوگ بھی اللہ کے بھروسے پر ساتھ چل پڑے۔ جب آگے آگے شاہ صاحب گاؤں پہنچے تو وہاں ایک گروہ فساد کی نیت سے کھڑا تھا، انہیں دیکھ کر شاہ جی نے گرج دار آواز میں کہا السلام علیکم۔ دوسرے طرف ساتھ ہی کچھ سکھ بھی بغرض تماشا کھڑے تھے۔ شاہ جیؒ نے ان سے مخاطب ہوکر فرمایا: میں قرآن سنانا چاہتا ہوں۔ گوردوارہ میں کچھ دیر کے لئے

جگہ دو گے؟ خدا کی قدرت سکھوں نے خوشی سے منظور کیا اور شاہ صاحب کو ساتھ لے کر گوردوارہ میں چلے گئے۔ پہلے سکھ تماشائی تھے۔ اب مسلمان تماشائی کی حیثیت سے یہ دیکھنے کہ یہ گوردوارہ میں کیسے قرآن سنائیں گے، وہاں تک چلے گئے۔ شاہ جی نے وہاں قرآن سنایا، سکھ ادب سے سننے لگے، پھر ''نور بھری'' والا قصہ سنایا، جو درج ذیل ہے، شاہ صاحب کے خلوص نے وہ اثر دکھایا کہ اب سب مسلمان نادم تھے، اور آنسو بہا رہے تھے۔ شاہ جی سے اپنی حرکت پر معذرت خواہ ہوئے اور شاہ صاحب کامیاب و کامران واپس لوٹے۔

سُرمہ لگانے آیا ہوں :

نور بھری، نور بھری کی حکایت اس طرح ہے جس کی مثال دے کر شاہ صاحب نے سامعین کو حقیقتِ حال سے آگاہ کیا۔ فرمایا کسی گاؤں مین ایک نور بھری نام کی عورت رہتی تھی، نہایت بدصورت اور کریہہ المنظر، چہرہ چیچک زدہ، رنگ توے کی طرح کالا، کوئی اس کا رشتہ نہیں مانگتا تھا، وہ پریشان رہتی تھی۔ اس نے ایک نابینا سے تعلق پیدا کرلیا، اور اس سے کہا حافظ جی اگر آپ کی آنکھیں ہوتیں تو مجھے دیکھ کر مجھ پر ضرور عاشق ہوجاتے، میرا چہرہ گلاب کی مانند اور آنکھیں ہرنی کی طرح ہیں۔ غرض اس نے حافظ کو اپنا گرویدہ کرلیا اور ہر طرح سے عیش کرنے لگی، ایک دن اچانک اس نے ایک آواز سنی۔ سرمہ لے لو سرمہ ''اندھوں کو بینا کرنے والا سرمہ'' نور بھری پریشان ہوگئی کہ اگر یہ آواز حافظ جی نے سن لی تو وہ ضرور سرمہ خرید لے گا، اور اگر اس کی بینائی واپس آگئی تو مجھے جوتے مارے گا کہ تو اپنے مصنوعی حسن کی تعریفیں کر کے مجھے لوٹتی رہی۔ وہ بھاگی اور جا کر سرمے والے سے کہا کہ حکیم! جی واقعی سرمہ اندھوں کو بینائی دے دیتا

ہے، اس نے کہا کہ آزما کر دیکھ لو، نور بھری خوفزدہ ہوگئی، اپنے عیش کو بچانے کے لئے حکیم سے ساری شیشیاں خرید لیں اور اسے واپس کر دیا، تا کہ نابینا جس کے سر پر وہ عیش کر رہی تھی کہیں بینا نہ ہو جائے۔

شاہ صاحب نے فرمایا: اے قصبے والو! تم سب نابینا ہو، تمہارے پیر اور صاحبزادگان نور بھریاں ہیں، اور میں سرمہ بیچنے والا حکیم، تمہارا پیر مجھے اس لئے یہاں آنے نہیں دیتا تھا کہ اگر تم نے سرمہ لگالیا، آنکھوں کا نور واپس آ گیا تو ان نور بھریوں کے حسن کا پول کھل جائے گا اور تمہارے سر پر جو عیش کر رہے ہیں، ختم ہو جائے گا۔ آج میں تمہاری آنکھوں میں سرمہ لگانے آیا ہوں تا کہ تمہاری آنکھیں روشن ہو جائیں اور ان کے مکروہ چہرے دیکھ سکو۔ (بخاری کی باتیں ص:۲۲)

مفتی محمد حسنؒ صدارت کی کرسی پر :

امرتسر میں ایک دفعہ کسی بات پر ہندو مسلم کھنچاؤ پیدا ہوگیا، شاہ جیؒ نے مسلمانوں کا رعب قائم کرنے کے لئے ایک چوک میں جلسہ رکھ دیا۔ مفتی محمد حسن صاحب شاہ جیؒ سے قبل جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ انہیں صدارت کی کرسی پر بٹھا دیا اور تلاوتِ قرآن پاک اور نظمیں وغیرہ ہوگئیں۔ مفتی صاحب مرحوم نے دیکھا کہ شاہ جی صاحب ابھی تک تشریف نہیں لائے تو خود تقریر فرمانے لگے، تھوڑی دیر گزری تھی کہ شاہ صاحب تشریف لے آئے۔ مفتی صاحب یہ کہہ کر بیٹھ گئے کہ دراصل تقریر تو بخاری صاحب کی ہے، میں تو وقت گزارنے کے لئے کچھ کہہ رہا تھا۔ شاہ جیؒ تشریف لے آئے، اب وہی تقریر فرمائیں گے اور یہ بھی عذر فرمایا کہ میرے پاؤں میں تکلیف ہے اس لئے مجھے جانے کی اجازت دے دی جائے۔

جب تقریر کا طلسم ٹوٹا:

(مفتی صاحبؒ عرصہ سے پاؤں کی تکلیف میں مبتلا تھے۔ بالآخر ایک پاؤں کٹوانا پڑا تھا) چنانچہ ایک رضا کار تانگہ لینے چلا گیا۔ شاہ جی کی تقریر شروع ہوگئی، اس وقت چونکہ ''ہندو مسلم'' مناقشت کا سوال تھا، تقریر ابتدا ہی میں سحر آفریں انداز اختیار کرگئی۔ آدھ پون گھنٹہ گزر گیا مگر حضرت مفتی صاحب سراپا توجہ بن کر شاہ جیؒ کی تقریر میں کھوئے ہوئے تھے، انہیں اپنی تکلیف کا احساس تک نہ رہا۔ تقریر میں اس وقت شاہ جی حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا قصہ نہایت بارعب اور دلفریب انداز میں بیان فرما رہے تھے اور جذبات میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب شاہ جیؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے عمرؓ کا دامن کھینچ کر فرمایا: ''عمرؓ! کس نیت سے آیا ہے اور حضرت عمرؓ نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ کر اظہارِ ایمان کر دیا، جس پر دارِ ارقم'' میں بیٹھے ہوئے تمام صحابہ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ اس موقعہ پر مجمع نے بھی نعرۂ تکبیر اللہ اکبر بلند کیا۔ نعرہ کے بعد ایک دم بازار کی ایک طرف سے شور اُٹھا اور گھوڑے کے بے تحاشا بھاگنے کی آواز آئی، کچھ لوگ تحقیق کے لئے بھاگے تو پتہ چلا جس رضا کار کو تانگہ لینے کے لئے بھیجا تھا وہ تانگہ لے کر آیا اور تقریر میں ایسا کھو گیا کہ مفتی صاحب کو اطلاع دینا یاد نہ رہا اور حضرت مفتی صاحب بھی ایسے بھولے کہ کسی سے پوچھا تک نہیں کہ ابھی تک تانگہ کیوں نہیں آیا؟ تانگے والا بیس پچیس منٹ انتظار کرنے کے بعد خود آیا کہ اسٹیج والوں سے پوچھوں کہ سواری کیوں نہیں آئی مگر خود تانگے والا بھی تقریر کے سحر میں آ گیا، اب تانگہ تنہا کھڑا تھا، اچانک فلک شگاف نعرہ اللہ اکبر سے گھوڑا ڈر کر بھاگا تو یہ طلسم ٹوٹا اور مفتی صاحب تشریف لے گئے۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۰۲)

ہندولڑکیوں سے خطاب :

تقسیم سے بہت قبل لاہور میں ایک پبلک جلسہ میں شاہ جی تقریر کے لئے تشریف لائے، تو اس وقت کچھ ہندولڑکیاں مائک کے آگے آزادی کا کوئی گیت سنا رہی تھیں (جلسہ غالباً کانگریس کی طرف سے تھا) جب وہ گیت گا کر بیٹھ گئیں اور شاہ جی تقریر کے لئے کھڑے ہوئے تو سب سے پہلے ان بچیوں کو مخاطب کر کے فرمایا :

بیٹیو ! تمہارا یوں مردوں کے سامنے آزادی کے گیت سنانے سے آزادی نہیں مل سکتی، اگر آزادی کے لئے کچھ کام کرنے کی تڑپ ہے تو کام میں بتاتا ہوں۔ جاؤ جا کر مسلمان بہنوں کو یقین دلاؤ کہ تم ان کو اچھوت نہیں سمجھتی ہو۔ اپنے عمل سے انہیں دکھادو کہ تم انہیں اپنی بہنیں سمجھتی ہو، اگر تم نے ایسا کیا تو وہ بھی تمہارے ساتھ مل کر عورتوں میں آزادی کی روح بیدار کریں گی۔ اور اپنے مردوں سے کہیں گی کہ جاؤ تم راہِ آزادی میں جان کی بازی تک لگا دو، اگر جہادِ آزادی میں شہید بھی ہو گئے تو ہم تمہارا ماتم نہیں کریں گی بلکہ فخر سے سر اُٹھا کر کہیں گی کہ دیکھو میرا خاوند اور میرا بھائی اور میرا بیٹا مردانہ وار وطن کی عزت اور انسانیت کی سربلندی کے لئے جان کو قربان کر گیا۔ یوں گیت گانے سے آزادی کی منزل قریب نہیں ہو سکتی، پھر دورانِ تقریر فرمایا: حدِ نگاہ تک انسان ہی انسان بیٹھے ہیں، کیا اچھا موقع ہے، اللہ میاں یہ نہ کہیں کہ بخاری تجھے ایسے ایسے مواقع فراہم ہوئے تو نے میرا پیغام کیوں نہ پہنچایا۔ میں آج تمہیں قرآن سناتا ہوں۔ سنو اللہ میاں کیا فرماتے ہیں، پھر قرآنِ پاک کی تلاوت فرمائی اور ہندو مسلمان، سکھ سب کو سمجھایا کہ انسان پر اللہ کے کیا کیا حقوق ہیں۔ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں۔ شاہ جی دو گھنٹے تک قرآن سناتے رہے،

اس کا ترجمہ اور تفسیر کرتے رہے۔ بلا تمیز مذہب وملت مجمع کا مجمع لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

جب جلسہ ختم ہوا تو واپسی پر میرے آگے تین سکھ جا رہے تھے، ان میں سے ایک بولا، یار ٹھہر جاؤ، مجھے کہیں پیشاب سے فارغ ہو لینے دو۔ مولوی صاحب اگرچہ ہمیں ہی بھگو بھگو کر جوتے لگا رہے تھے، مگر ایسا مزا آرہا تھا کہ میں پیشاب کرنے کے لئے نہیں اُٹھا کہ نہ جانے بعد میں کیا کچھ کہہ جائیں اور میں نہ سن سکوں۔ (بخاری کی باتیں ص:۴۲)

بندے کا اللہ سے تعلق:

فرمایا: اللہ اور بندے میں کم از کم اتنا تعلق تو ہونا چاہئے، جیسے کسی ماں کا بیٹا معمول کے مطابق گھر نہ آئے تو وہ بے چین ہو کر اسی کی راہ دیکھتی، کبھی کھڑکی پر، کبھی دروازے پر، جب زیادہ بے چینی بڑھتی ہے تو اس کے ملنے والے دوستوں سے پوچھتی ہے، وے پترا تو میرا عبدالرحمان تے نہیں ویکھیا، یعنی اے بیٹے! تم نے میرے عبدالرحمٰن کو تو نہیں دیکھا، وہ ساتھ ساتھ گھر کے کام کاج بھی کرتی جاتی ہے، دوسرے بچوں کو کھانا بھی دیتی ہے، ان کی دوسری ضرورتوں کو بھی پورا کرتی ہے مگر سب سے اوپر ہی اوپر اصل اس کا جی عبدالرحمٰن کی طرف ہوتا ہے، اسی طرح جس طرح یہ عورت سارے کام کرتی جاتی ہے، مگر اصل میں اس کا دھیان، اس کا دل، اس کی توجہ عبدالرحمٰن کی طرف ہوتی ہے، کم از کم بندے کا تعلق اتنا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونا چاہئے کہ وہ سب دنیا کے کام کرتا رہے، مگر اس کی توجہ، دھیانِ دل اپنے اللہ کی طرف ہو، شاہ جی توحید یوں سمجھا رہے تھے کہ دل سینوں میں توحید کے نور سے روشن ہو رہے تھے اور میری تو یہ کیفیت ہو رہی تھی، جی چاہتا تھا اللہ میاں کا دامن تھام کر مچل مچل کر روؤں۔

(بخاری کی باتیں ص:۱۳۱)

مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں، میں اس تقریر میں موجود تھا، جس میں سورۃ صافات کی پارہ نمبر ۲۳ کی آیت ''فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کا ترجمہ یوں فرمایا، پس تم نے تمام مخلوقات کے مالک کے لئے کیا رکھا ہے، شاہ صاحب نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کو راہِ راست پر لانے کے واسطے کوشش فرماتے ہوئے کہتے ہیں، تم لوگوں نے عبادت اور بندگی جب غیر اللہ کے لئے روا رکھی ہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے باقی کیا رہ گیا۔ عبادت ہی تو خدا تعالیٰ کے لئے مخصوص تھی، تو جب وہ بھی من دون اللہ کے واسطے ہوگی تو بتاؤ اب رب العلمین کے سامنے کون سا تحفہ پیش کر کے اس کی خوشنودی کا تمغہ حاصل کرو گے۔

تقریر کے ایمان افروز اقتباسات :

تصویر کا ایک رُخ تو یہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی میں کمزوریاں اور عیوب تھے، اس کے نقوش میں توازن نہ تھا۔ قد و قامت میں تناسب نہ تھا، اخلاق کا جنازہ تھا، کریکٹر کی موت تھی، سچ کبھی نہ بولتا، معاملات کا درست نہ تھا۔ بات کا پکا نہ تھا، بزدل اور ٹوڈی تھا۔ تقریر و تحریر ایسی ہے کہ پڑھ کر متلی ہونے لگتی ہے لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر اس میں کوئی کمزوری نہ بھی ہوتی۔ وہ مجسمۂ حسن و جمال' قویٰ میں تناسب ہوتا' چھاتی ۴۵ انچ، کمر ایسی کہ سی آئی ڈی کو پتہ نہ چلتا، بہادر بھی ہوتا، مردِ میدان ہوتا، کریکٹر کا آفتاب ہوتا، خاندان کا مہتاب ہوتا، شاعر ہوتا، فردوسی وقت ابوالفضل اس کا پانی بھرتا، خادم اس کی چاکری کرتا، غالب اس کا وظیفہ خوار ہوتا، انگریزی کا شکسپیر ہوتا اور اردو کا ابوالکلام ہوتا، پھر نبوت کا دعویٰ کرتا تو کیا ہم اسے نبی مان لیتے؟

میں تو کہتا ہوں کہ خواجہ غریب نوازؒ، شیخ سید عبدالقادر جیلانی، امام ابوحنیفہ،

امام بخاریؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، ابن تیمیہؒ، غزالیؒ یا حسن بصریؒ بھی نبوت کا دعویٰ کرتے تو کیا ہم انہیں نبی مان لیتے؟ علیؓ دعویٰ کرتا کہ جسے تلوار حق نے دی اور بیٹی نبی ﷺ نے دی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ، سیدنا عمر فاروق اعظمؓ اور سیدنا عثمانؓ بھی دعویٰ کرتے تو کیا بخاری انہیں نبی مان لیتا، ہرگز نہیں، میاں ﷺ کے بعد کائنات میں کوئی انسان ایسا نہیں جو تخت نبوت پر سج سکے اور تاج امامت و رسالت جس کے سر پر ناز کرے، وہ ایک ہی ہے جس کے دم قدم سے کائنات میں نبوت سرفراز ہوئی۔

(بخاری کی باتیں ص:۱۵۶)

ہم کسی اپنے کام کو تو نہیں جا رہے :

ایک دفعہ تقریر میں فرمایا :

جس نے میرے نبی ﷺ کو ایک بار دیکھ لیا، پھر وہ انہی کا ہو گیا۔ سینے پر پتھر رکھے گئے، رسی گلے میں ڈال کر گھسیٹا گیا، آگ میں ڈالے گئے، سولی پر لٹکائے گئے، آزمائش کی ہر بھٹی میں ڈالے گئے مگر ثابت قدم نکلے، پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ میرے نبی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، پھر للکار کر فرمایا: یہ خیال نہ گزرے کہ ابوجہل نے بھی تو دیکھا تھا، ہاں ہاں کبھی یوں نہ سوچ لینا ابوجہل نے اپنے بھتیجے کو دیکھا ہوگا، اس کی نگاہ میرے نبی ﷺ پر نہیں پڑی۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب میانوی فرماتے ہیں، ایک دفعہ شاہ صاحب اور میں مظفر گڑھ کے ایک قصبہ میں وعظ کے لئے جا رہے تھے، راستہ کچا' کڑاکے کی دھوپ پڑ رہی تھی، شدید گرمی کا موسم تھا، دو ڈیڑھ میل آگے پیدل جانا تھا، تھوڑی دور چلے کہ مجھے بہت گھبراہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے کہا شاہ جی یہ دھوپ اور گرمی کا عالم اور ابھی کتنی دور

پہنچنا ہے، کیا بنے گا؟ یہ سن کر شاہ جی نے مجھے تو کچھ جواب نہ دیا، ایک دم آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہا : ''ہم کسی اپنے کام کو تو نہیں جا رہے''۔

چند منٹوں میں دیکھتا ہوں کہ جہاں دور دور تک بادل کا نشان نظر نہیں آتا تھا، وہاں پر طرف بادل گھر گھر کر آنے لگے، نہ وہ گرمی رہی، نہ وہ دھوپ، مزے کا موسم ہو گیا۔ (بخاری کی باتیں ص:۳۰)

بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی :

صوفی شیر محمد صاحب جھنگ صدر، ریاست پٹیالہ راج گڑھ کے مہاجر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ :

ایک دفعہ میرے بھائی کے بے حد اصرار پر شاہ جی راج گڑھ اس شرط کے ساتھ تشریف لائے کہ تقریر نہیں کروں گا صرف آرام کروں گا، مگر عوام وخواص کی پیہم التجا سے مجبور ہو کر تیسرے روز شاہ جی تقریر کرنے پر راضی ہو گئے۔ رات کو جلسہ کا اعلان کر دیا گیا، ہزار ہا لوگ جوق در جوق جلسہ گاہ میں پہنچ گئے، اتفاق یہ ہوا کہ ساتھ ہی آسمان پر بادل بھی چھانے لگے، ادھر تقریر کا آغاز ہوا، ادھر بوندا باندی شروع ہو گئی، کچھ لوگ کھسکنے پر آمادہ نظر آئے تو شاہ جی نے طنزیہ لہجہ میں فرمایا: کیوں جی کہاں تو تقریر کے لئے اتنے تقاضے تھے، اور اب دو ہی بوندوں میں سارا عشق بہہ گیا۔ خبردار اب کسی کو جانے کی اجازت نہیں، ہاں صرف میری مائیں بہنیں جا سکتی ہیں، وہ جا کر گھر کے سامان اور بچوں کو سنبھالیں، یہ کہنا تھا کہ جلسہ پر سکون چھا گیا، تقریر جاری ہوئی بارش تھم گئی، بادل تو آسمان پر تھے مگر اس احتیاط سے کہ زمین پر کوئی پانی کا قطرہ نہ گرے۔ اب تقریر کا دھارا پورے زور پر تھا، شاہ جی حضور ﷺ کی سب سے پہلے

دعوت اسلام کا نقشہ اپنے خاص انداز سے کھینچ رہے تھے۔ موقع کی مناسبت سے حالی مرحوم کا یہ شعر مترنم لہجہ میں پڑھا .... ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

ابھی اتنا ہی کہا تھا، وہ بجلی کا کڑکا تھا تو اس زور سے بجلی کا کڑکا ہوا کہ مجمع کانپ اُٹھا۔ صوفی صاحب کہتے ہیں اگر چہ اسے اتفاق پر محمول کیا جا سکتا ہے، مگر لوگوں کو اس وقت ایسا محسوس ہوا جیسے بجلی نے شاہ جی کے اشارے پر تڑپ کر، مجمع کو حیرت زدہ کر دیا ہو۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۳۶)

یہ آبگینے بڑے نازک ہیں :

تقسیم ہند سے کئی برس پہلے کی بات ہے کہ میں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ہزارہ کے علاقہ میں گیا، یاد نہیں رہا کون سا قصبہ تھا؟ تقریر دوپہر کے وقت تھی، شاہ صاحب تقریر کے لئے اُٹھے، خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا :

حضرات ! آپ کو معلوم ہے کہ ہم اپنے ملک سے فرنگی کو نکالنے کی فکر میں ہیں اور میری اکثر تقریریں اسی موضوع پر ہوتی ہیں۔ میری تقریر کا پہلا حصہ ایسے موضوع پر ہوگا کہ آپ حضرات کے وہم وگمان میں بھی وہ موضوع نہیں ہوگا، ہاں تقریر کا دوسرا حصہ فرنگی سامراج کی جڑوں کو اس سرزمین سے اُکھاڑ دینے کے لئے ہی ہوگا۔ تو سنیئے ! آج صبح منہ اندھیرے جب میں قضائے حاجت کے لئے باہر گیا، تو اچانک نگاہ پڑی کہ کچھ بیبیاں ایک جگہ اسی ضرورت کے لئے بیٹھی ہیں، میں فوراً پلٹا اور ان سے دور ایک گوشہ تلاش کر کے فارغ ہوا، مگر اس واقعہ سے میرے دل میں سخت چوٹ لگی،

اسی لئے پہلا موضوع اسی واقعہ کو بنانا پڑا، پھر بڑے دردمندانہ لہجہ میں پکار کر فرمایا: اے پٹھانو! تم تو بڑی غیرت مند قوم کہلاتے ہو، کیا تم اپنی بیٹیوں کے لئے اپنے گھر میں گز بھر جگہ نہیں مختص کر سکتے کہ وہ بیچاریاں تحفظ کے ساتھ اس ضرورتِ انسانی سے فارغ ہوسکیں، میں کہتا ہوں تمہیں اگر ان کا یہ گند سروں پر اُٹھا کر کہیں باہر پھینکنا پڑے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ گھروں سے باہر جا کر یہ ضرورت پوری کریں، پھر عورت کا احترام اس کی شرم وحیا، اس کے تحفظِ ناموس پر وہ کچھ عقلی اور نقلی دلائل دیئے کہ لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ کئی بزرگوں نے اُٹھ اُٹھ کر پگڑی گلے میں ڈال کر ہاتھ جوڑے اور فریاد کی شاہ جی! بس کیجئے آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے اس تقریر کا ایک حصہ ابھی تک یاد ہے، فرمایا ہائے وہ بیٹیاں! تم جس کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے دو، وہ اُف کئے بغیر تمہاری پگڑیوں اور داڑھیوں کی لاج رکھنے کے لئے ان کے ساتھ ہو لیتی ہیں، سسرال میں جب میکے کی یاد آتی ہے، چھپ چھپ کر رو لیتی ہیں، کبھی دھوئیں کے بہانے آنسو بہا کر جی ہلکا کر لیا، آٹا گوندھتے ہوئے جو آنسو بہتے ہیں وہ آٹے میں جذب ہو جاتے ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ ان روٹیوں میں اس بیٹی کے آنسو بھی شامل ہیں، غیرتمندو! ان کی قدر کرو، یہ آبگینے بڑے نازک ہیں۔ (ماخوذ از بخاری کی باتیں ص:۱۲۰)

نرالا بیان' نرالی شان :

روزنامہ زمیندار جولائی ۱۹۲۷ء میں ایک مضمون نگار لکھتا ہے :

وقت چلا جاتا ہے واقعات نقش بہ حجر رہتے ہیں۔ ایک دفعہ سیالکوٹ میں حضرت امیر شریعتؒ کی تقریر کا انتظام ایک مندر کے طویل وعریض احاطہ میں کیا گیا۔ سیالکوٹ کے لوگ آپ کی تقریر کے عاشق تھے۔ اتنا مجمع ہوا کہ سیالکوٹ کی تاریخ نے

شاید ہی دیکھا ہو۔ خصوصاً ہندو اتنی زیادہ تعداد میں آپ کی تقریر سننے آئے تھے کہ مسلمانوں سے بھی ان کی تعداد زیادہ تھی۔ آپ کی تقریر کا موضوع تھا۔ ''ہندوستان کی آزادی'' انقلاب زندہ باد کے فلک بوس نعروں میں آپ کی تقریر شروع ہوئی۔ غیر ملکی حکومت کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے گفتگو کا ریلا اس موڑ پر پہنچا کہ ہمارے حصول مقصد کے راستے میں مضبوط روڑا کونسا ہے۔

منجملہ اسباب وعلل بیان کرتے ہوئے ہندوؤں کی تنگ نظری کا ذکر آیا۔ مجمع میں اکثریت ہندوؤں کی تھی اور تقریر سیالکوٹ کے ایک عظیم الشان مندر میں ہو رہی تھی۔ ہندوؤں کا ایک جم غفیر تقریر سننے کے لئے موجود تھا۔ حضرتؒ نے ہندوؤں کی تنگ نظری پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ آپؒ نے نہ صرف ہندوؤں کے مذموم اخلاق کو تفصیل سے بیان کیا بلکہ ان کی مذہبی تنگ نظری کو بھی بیان کر کے اسلام اور ہندوازم کا مقابلہ کیا۔ ہندو مجمع مارے شرم کے پانی پانی ہو رہا تھا۔ اور مسلمان فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے۔ ''اسلام زندہ باد'' ''امیر شریعت زندہ باد'' شاہ جی نے اس مجمع میں جو کچھ فرمایا وہ ان کی شان خصوصی تھی۔ ورنہ اگر کوئی دوسرا مسلمان لیڈر اس قسم کا تبصرہ کرتا تو تنگ نظر ہندو قتل ومقاتلہ کے لئے تیار ہو جاتے۔ لیکن وہاں ایک شان ہی نرالی تھی۔ شاہ جی کی زبان فیض ترجمان سے جو کچھ نکل رہا تھا۔ ہندو زبانِ حال سے اس کی تصدیق کر رہے تھے۔ اور اندر ہی اندر شرمسار ہو رہے تھے۔ تقریر کے بعد جو غالباً ڈیڑھ دو بجے ختم ہوئی تھی ہندو ہاتھ جوڑ کر آپ کی تعظیم کر رہے تھے۔ اور ملال کا کہیں نام ونشان تک نہیں تھا۔ ورنہ کیا کہ مجال ایسے مجمع میں جہاں ہندوؤں کی اکثریت ہو ہندوازم کے خلاف کوئی مسلمان لیڈر ایک لفظ تک کہہ سکے۔

ہندو بھی قرآن سنتے :

ایک دفعہ حضرت امیر شریعت بٹالہ، گورداسپور تشریف لائے ہندوؤں کا ایک مجمع حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ حضرت آج ہمیں کچھ سنائیں۔ آپ نے فرمایا کیا سناؤں میں تو قرآن جانتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا ہمیں بھی قرآن سنائیے۔ ہم نہایت شوق سے قرآن سنیں گے۔ آپ نے کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی تشریح وتوضیح اس انداز سے بیان کی کہ ہندو مجمع عش عش کر اٹھا۔ آپ کی تقریر تقریباً دو گھنٹے جاری رہی۔ اور وہ اس حد تک متاثر ہوئے کہ اس کے بعد جب بھی قادیان سے بٹالہ آتے تو لوگ خواہش کرتے کہ کبھی حضرت امیر شریعتؒ پھر بٹالہ تشریف لائیں اور ہمیں وہی لا الہ الا اللہ کی تشریح وتوضیح سنائیں۔ حضرتؒ کے طفیل وہ لوگ ساتھیوں کی بھی بہت تعظیم وتوقیر کرتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت شاہ جی مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

خطابت کا سحر :

شاہ جیؒ اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب تھے۔ اللہ نے انہیں لحن داؤدی عطا کیا تھا۔ قرآن پڑھتے تو سامعین دم بخود رہ جاتے اور تقریر کرتے تو گویا گلستان کھل جاتا۔ خاص انداز اور ترنم سے برمحل شعر پڑھتے تو سامعین پھڑک جاتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ عشاء کی نماز کے بعد تقریر شروع ہوتی اور صبح کی اذان تک جاری رہتی۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مجمع زنجیروں سے بندھا بیٹھا ہے اکتا کر اٹھ بیٹھنا تو دور کی بات ہے کوئی اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سامعین پر مقرر نے جادو کر دیا ہے۔ اکثر ایسا ہوا مخالفین یہ ارادہ لے کر ان کے جلسوں میں آتے کہ آج

ضرور گڑ بڑ کریں گے مگر شاہ جی کی خطابت کا سحر انہیں دنیا ومافیہا سے ایسا بے خبر کرتا کہ جب کسی مسئلے پر ہاتھ اٹھانے کو کہتے تو یہ مخالفین بھی بے اختیار ہاتھ اٹھا دیتے۔ شاہ جی کی اس طلسم کاری کے بارے میں خان غلام محمد خاں لوند خوڑ کی روایت بڑی دلچسپ ہے ان کا کہنا ہے میں نے نہ تو شاہ جی کو دیکھا تھا نہ ان کا معتقد تھا میرا سیاسی مسلک بھی ان سے مختلف تھا۔ ایک دفعہ عشاء کے وقت دلی دروازے کے باہر سے گزرا تو شاہ جی تقریر کر رہے تھے میں بڑے ضروری کام کے سلسلے میں جا رہا تھا مگر اس خیال سے رک گیا کہ جس مقرر کی دھوم ہے اسے پانچ منٹ سن لینا چاہیے۔ میری عادت یہ ہے کہ میں جلسے میں ایک جگہ بیٹھ نہیں سکتا۔ خود اپنے جلسے میں بھی گھوم پھر کر دیکھتا اور سنتا ہوں۔ میں پانچ منٹ ان کی تقریر سنتا رہا پھر سوچا تھوڑی دیر اور سن لوں تقریر کا سحر تھا کہ کھڑے کھڑے بیٹھ گیا۔ بیٹھے بیٹھے تھک گیا تو لیٹ گیا اور لیٹے لیٹے ساری رات تقریر سنتا رہا۔ ایسے حواس گم ہوئے کہ اپنا کام ہی بھول گیا۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان بلند ہوئی۔ شاہ جی نے تقریر کے خاتمے کا اعلان کیا تو خیال آیا کہ اوہو ساری رات ختم ہوگئی۔ تب پتہ چلا یہ شخص تقریر نہیں کرتا جادو کرتا ہے۔

کانوں میں گونجتے ہیں بخاری کے زمزمے
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

میندھی گال سمجھ گدھی ھا:

شاہ جی ہر سال جون اور جولائی کے تپتے ہوئے موسم میں جب کہ یہاں (ڈیرہ غازی خان) کا کسان اور مزدور پیشہ طبقہ فصل کی کٹائی اور بٹائی سے فارغ ہوتا تھا، اس ضلع میں تشریف لے جاتے۔ شہری آبادیوں سے دور آبادکاروں کی بستیوں میں

دوپہر کے وقت ان کی زبان میں خطاب کرتے۔ دس دس اور بیس بیس کوس سے آئے ہوئے دیہاتی شاہ جی کی باتیں سنتے۔ گھنٹوں خطاب کرنے کے بعد شاہ جی ان سے سوال کرتے۔ ''مینڈھی کائی گال سمجھ گدھی ہا''۔ (میری کوئی بات آپ کی سمجھ میں آئی ہے) اگر جلسے میں ایک دیہاتی نے بھی کہہ دیا ''سائیں کو'' (یعنی کوئی نہیں) تو شاہ جی پھر اس ایک دیہاتی کو سمجھانے کے لئے سارے مجمع سے اسی طرح گھنٹوں خطاب کرتے۔ جب تک پورا مجمع بات سمجھ نہ لیتا تقریر ختم نہ کرتے۔

تیس برس دعوت کا ایک ہی انداز :

اس طرح زندگی کے تیس برس مسلسل ڈیرہ غازی خان کے عوام کو مختلف اوقات میں خطاب کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمن داروں نے کتے اور سوروں کی پرورش سے توبہ کرلی۔ اس علاقہ کے وڈیروں سے روپیہ لے کر غریب مسلمان لڑکیوں کو ہندو ساہوکاروں کے چنگل سے نجات دلائی۔ شہری اور دیہاتی مسلمان کو مجبور کیا کہ شریعت کی رو سے اپنی جائیداد میں لڑکیوں کو بھی حصہ دیں۔ قانون تو تبدیل نہ ہوسکا لیکن ڈیرہ غازی خان اور ضلع مظفرگڑھ کے اکثر لوگوں نے شریعت کی اس قانون کی پیروی شروع کردی۔ شاہ جی جن دنوں اس علاقے کا دورہ کرتے، تو گرمی کی شدت سے ان کے تمام جسم پر پھوڑے پھنسیاں نکل آتیں۔ اس کے باوجود دور دراز ایسی بے آب وگیاہ بستیوں میں جاتے جہاں کے لوگ پانی کی قلت کی وجہ سے مجبور ہوکر جوہڑ کا پانی پیتے اور کھانے کے لئے انہیں پیاز، اچار یا مسور کی دال میسر تھی۔ جن گھروں میں گوشت یا دوسری بہتر خوراک میسر آسکتی تھی، شاہ جی نے ان گھرانوں سے یہ کہہ کر ہمیشہ اجتناب کیا۔

''میں جن لوگوں کو سمجھانے آیا ہوں، اگر ان کے ساتھ گھل مل نہ جاؤں تو ان پر میری بات کا اثر نہیں ہو سکتا''۔

حالانکہ یہ ضلع پیر پرستی میں پنجاب کے تمام اضلاع پر سبقت رکھتا ہے اور شاہ جی چاہتے تو یہاں کی غربت اور عوام کی سادگی سے پورا فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ علاقے کے تمن دار انہیں سونے کے برابر وزن کرتے لیکن وہ دیہاتیوں کے ساتھ کھاتے پیتے اور انہی کے گھروں میں ٹھہرتے، جہاں ایک طرف ڈھور ڈنگر بندھے ہوتے اور تمام کمرہ گوبر کی بدبو سے اٹا ہوتا مگر شاہ جی کی پیشانی پر کبھی شکن نہ پڑتی۔ تیس برس اسی جدوجہد میں گزرے جس نے اسلام اور انسانیت کے حق میں بہتر نتائج پیدا کیے۔

پہلی سیاسی تقریر:

دسمبر ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی تینوں بڑی جماعتوں نیشنل کانگریس مسلم لیگ اور خلافت کانفرنس نے امرتسر میں سالانہ جلسے منعقد کیے۔ اسی پلیٹ فارم پر مولانا شوکت علی کی صدارت میں عطاء اللہ شاہ بخاری نے اپنی پہلی معرکۃ الآرا سیاسی تقریر کی اس تقریر کی اثر آفرینی کا یہ عالم تھا کہ تحریک خلافت کے لئے دس لاکھ روپے کی خطیر رقم جمع ہوگئی مولانا محمد علی جوہر نے اپنے اخبار میں ان کی بے حد تعریف فرمائی۔

ابوالکلام آزادؒ کی حمایت میں تقریر:

امرتسر سے باہر پہلی مرتبہ فروری ۱۹۲۱ء میں کلکتہ میں تشریف لے گئے جہاں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہو رہا تھا۔ وہاں مولانا ابوالکلام آزاد کی تجویز کردہ ترک موالات کی تائید میں ایک پرشکوہ تقریر کی جس سے ان کی خطابت کی دھاک بیٹھ گئی اور وہ صف اول کے رہنماؤں میں شمار ہونے لگے۔

برطانوی استعمار کے خلاف مسلسل جہاد :

انہیں دنوں شاہ جی نے گجرات (پنجاب) میں آزاد ہائی سکول قائم کیا جس کا افتتاح مولانا آزاد نے کیا۔ ساتھ ہی ضلع بھر میں خلافت کمیٹیاں قائم کیں اور جگہ جگہ تقریریں کر کے عوام میں انگریز اور غلامی کے خلاف آگ لگادی۔ آخر کار ۲۷ مارچ ۱۹۲۱ء کو آدھی رات کے وقت انہیں دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت گرفتار کرلیا گیا اور ۱۸ اپریل کو امرتسر کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے تین سال کی قید با مشقت سنادی اس میں تین ماہ قید تنہائی کے تھے۔ اس قید نے شاہ جی کو انگریزی حکومت کا مستقل باغی بنادیا اور وہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک برطانوی استعمار کے خلاف مصروف جہاد رہے۔ اس دوران تقریباً دس ہزار (۱۰۰۰۰) تقریریں کیں اور انگریزی حکومت کی بیخ کنی میں ساری صلاحیتیں صرف کردیں۔

پنجاب کا ”کالا پانی“ :

اسیری کی یہ مدت تھوڑا عرصہ لاہور سنٹرل جیل میں اور باقی میانوالی جیل میں گزری جو خراب آب وہوا اور گرمی کی وجہ سے اس زمانے میں پنجاب کا ”کالا پانی“ کہلاتی تھی مگر شاہ جی نے اس آزمائش کا مقابلہ بڑے حوصلے اور خندہ روئی سے کیا عموماً قرآن کی تلاوت جاری رکھتے اور چونکہ بہت سے دیگر ہندو اور مسلم رہنما بھی یہیں رکھے گئے تھے اس لئے گاہے گاہے مشاعروں، قوالیوں اور علمی مباحثوں کی محفلیں بھی برپا ہوتیں۔ قید کے دوران ہی آزاد ہائی سکول ختم ہوگیا۔ ترک موالات کا خود گاندھی نے گلا گھونٹ دیا اور خلافت کی تحریک کمال اتاترک کے تنسیخ خلافت سے دم توڑ گئی، شاہ جی نے یہ ساری خبریں سنیں اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔

چھ ماہ قید با مشقت :

۲۱ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو رہا ہو کر گھر آئے تو وطن کا نقشہ بگڑا ہوا پایا۔ ہندو مسلم اتحاد کا دور لد چکا تھا۔ دونوں قوموں کے درمیان مناقشت اور افتراق کے جراثیم پھیل چکے تھے اور اور انگریزوں کے شہ پر سوامی شردھانند نے مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک شروع کر دی تھی۔ شاہ جی نے ایک طرف جہاں شدھی کے زہر کو دور کرنے اور مسلمانوں کا ایمان محفوظ کرنے کی سعی کی وہاں دوسری جانب انگریزی سازشوں کے تار و پود بکھیرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ زچ ہو کر انہیں جنوری ۱۹۳۵ء میں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ شاہ جی نے ضمانت دینے سے انکار کر دیا اور مقدمے کی کاروائی میں کوئی حصہ نہ لیا۔ عدالت نے چھ ماہ قید با مشقت یا پانچ سو روپے جرمانے کی سزا دی۔

جرمانے کی رقم عقیدت مندوں نے جمع کرادی شاہ جی رہا ہو گئے مگر جرمانے کی ادائیگی پر سخت خفا تھے۔ انہیں گلہ تھا کہ لوگوں نے اپنی حلال کمائی فرنگی خزانے میں کیوں دی۔؟

اس مقدمے سے فارغ ہو کر شاہ جی نے خطابت کی ساری صلاحیتیں شدھی کے ازالے کے لئے صرف کر دیں اور ہزاروں مسلمانوں کو کفر کی تاریکیوں میں غرق ہونے سے بچالیا۔

آؤ اپنی زندگی کا ثبوت دیں :

گروہ (آریہ سماج) نے سرور کائنات ﷺ کی توہین کرنے کا فیصلہ پختہ کر لیا۔ اس سلسلے میں وہ ایسی ایسی تحریریں سامنے لائے کہ مسلمانوں کے دل بیٹھ گئے۔ غلامی کا جوا ان کے گردنوں پر کوہ ہمالیہ سے زیادہ بوجھل معلوم ہونے لگا۔ غم اور غصے

کے ملے جلے جذبات سے وہ ہندوؤں کا مقابلہ کرتے رہے۔ آخرانہی دنوں شاہ جی نے عصمتِ انبیاء کے تحفظ کا فیصلہ کیا۔ درویش اپنی گودڑی سنبھال کر بے سروسامانی کے عالم میں نکل کھڑا ہوا۔ قانونِ افرنگ اور دولتِ ہنود اس کے ارادوں میں نہ تو کانٹے بکھیر سکی اور نہ ہی ان کے قدموں کی رفتار مدھم ہو سکی۔

''مسلمانو ! میں تمہاری سوئی ہوئی غیرت کو جھنجھوڑنے آیا ہوں۔ آج کفار نے توہین پیغمبرؐ کا فیصلہ کرلیا ہے۔ انہیں شاید یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ مسلمان مر چکا ہے۔ آؤ اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ عزیز نوجوانو! تمہارے دامن کے سارے داغ صاف ہونے کا وقت آ پہنچا ہے۔ گنبد خضرا کے مکینؐ تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ اُن کی آبرو خطرے میں ہے۔ اُن کی عزت پر کتے بھونک رہے ہیں۔ اگر قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے طالب ہو تو پھر نبیؐ کی توہین کرنے والی زبان نہ رہے یا سننے والے کان نہ رہیں''۔

ان خیالات کو شاہ جی نے برصغیر کے مسلمانوں میں بیان کیا۔ وہ شب و روز دیوانوں کی طرح تقریریں کرتے۔ گاؤں، قصبات، شہر اور بستیوں کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے منجمد خون میں حرارت پیدا ہوئی۔ بس پھر کیا تھا؟ شیر کی طرح بپھرا ہوا مسلمان گستاخ ہندوؤں کی تلاش کرنے لگا۔ نگاہیں جنت کی تلاش میں موت سے ہمکنار ہونے کو بے قرار نظر آنے لگیں۔ دلوں میں شوق شہادت کی لذت محسوس ہونے لگی۔ خرد مسکراتی رہی مگر عشق منزل کی جانب رواں دواں رہا۔ اس طرح شاہ جی نے مسلمان نوجوانوں کو ابھار کر ایسے مقام پر لا کھڑا کیا کہ اس کے آگے دو ہی راستے تھے، یا تو ہندوستان میں داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ہمیشہ کے لئے

نابود ہو جائے یا پھر غیر مسلموں کو آئندہ جرأت نہ ہو کہ وہ حضور ﷺ کی ذات گرامی پر زبان طعن دراز کریں۔ (روزنامہ زمیندار جولائی ۱۹۲۷ء)

''اُمہات'' کی ناموس پر قربان ہو جاؤ:

حضرت مولانا مجاہد الحسینی صاحب لکھتے ہیں:

جب ہندو راج پال نے نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا۔تو ۷ جولائی ۱۹۵۷ء کو ایک احتجاجی جلسے سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے خطاب کیا۔فرمایا:

آج مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید (تقریر میں یہ دونوں صاحب موجود تھے) کے دروازے پر ام المومنین حضرت عائشہؓ تشریف لائیں اور فرمایا۔ہم تمہاری مائیں ہیں۔کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک بدنام زمانہ ہندو گستاخ نے سید الکونینؐ کی عزت وناموس پر حملہ کیا ہے۔

ارے وہ دیکھو تو ام المومنین حضرت عائشہؓ کہیں سامنے دروازے پر تو نہیں کھڑی ہیں۔(پورا مجمع دروازے کے جانب دیکھنے لگا) بس پھر کیا تھا جلسہ گاہ میں کہرام مچ گیا۔لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔شاہ صاحب نے فرمایا۔دیکھو دیکھو سبز گنبد میں حضور ﷺ تڑپ رہے ہیں حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ پکارتی ہیں امہات المومنین تم سے اپنے حق کا مطالبہ کرتی ہیں۔ان کے ناموس پر قربان ہو جاؤ۔ سچے بیٹے ماں کی عزت وناموس کے لئے کٹ مرا کرتے ہیں۔غازی علم الدین شہید شاہ جی کی اسی تقریر سے متاثر ہو کر اٹھا تھا اور راجپال کو قتل کر کے حیات جاودانی حاصل کر گیا۔

(خطاب امیر شریعت ص ۷۳)

خطابتی معرکے :

شورش کاشمیری رقم طراز ہیں :

جن لوگوں نے ان (شاہ جی) کی خطابتی معرکے دیکھے ہیں انہیں ایسے بے شمار واقعات کا علم ہوگا کہ ہزاروں انسانوں کا جم غفیر آن واحد میں اکائی کی صورت اختیار کر گیا۔ لوگ سنتے اور سر دھنتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ہوا مسموم ہے اور فضا مذموم، جتنے بیٹھے ہیں مخالف بن کے بیٹھے ہیں۔ شاہ جی آئے نقد ونظر کی نگاہیں اٹھ گئیں اور چہروں پر خندہ استہزاء پھیل گیا۔ بعض لوگ مجسم طعن وتشنیع ہو گئے۔ کتنوں نے ٹھٹھا کیا۔ ہجوم کے ہونٹوں پر قہقہے ابھرنے لگے۔ ادھر شاہ جی نے خطبہ مسنونہ پڑھا اور گونج دار آواز میں فرمایا۔

خطابت کے جلوے :

صدر محترم اور تماشائی بھائیو! ادھر کچھ تنقیدی چہروں سے ہلکی سی مسکراہٹ جانے لگی۔ فرمایا مجھے لاہور آئے ہوئے بیس سال ہو گئے۔ بڈھا ہو گیا لیکن ہنوز یہ پتہ نہیں چلا کہ آپ ہیں کیا؟ غوث ہیں، قطب ہیں، ابدال ہیں غرض کچھ سمجھ نہیں آتا۔ آخر آپ کو کن الفاظ سے مخاطب کروں؟ قرآن کی آیتیں، اردو فارسی کے اشعار، انمول فقرے، پنجابی طنزیں، دلچسپ تمثیلات، خوشگوار لطائف، کھلتے اور بکھرتے جا رہے ہیں۔ آواز میں لوچ، گلے میں رس، چہرے پر طنطنہ، مضمون پر اعتماد، گویا پھول شاخوں سے جھڑ رہے ہیں، لوگ ہنستے ہیں، لوگ روتے ہیں، ابھی قہقہہ ابھی آنسو۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا :

پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس

میں بڑے بڑے مقرروں نے دادِ سخن حاصل کی۔ شاہ جی سب سے آخر میں بولنے اٹھے تو بولنے کے لئے بظاہر کوئی نکتہ باقی نہ رہا تھا لیکن غالب کے اس شعر کو اس کیف سے پڑھا کہ خود پنڈت موتی لال جھوم گئے ....۔

ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

پنڈت جی پکار اٹھے: شاہ جی آپ تو ہندوستان کے دل کی آواز ہیں۔

(سوانح وافکار ص ۲۱۰)

خطابت کی کرامت :

شاہ جیؒ کی خطابت کی کئی مثالیں ہیں لیکن ڈیرہ غازی خان کی یہ مثال اس لئے قابل ذکر ہے کہ وہاں اگر خطابت کی کرامت نمائی نہ ہوتی تو قتل وغارت کا بازار خوب گرم ہوتا۔

مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام ڈیرہ غازی خان میں ایک عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا، اجتماع سے چند روز قبل وہاں کے بعض مقتدر اور بااثر زمینداروں نے شاہ جی کے خلاف خوب خوب پروپیگنڈہ کیا ان دنوں مزارات کے قبوں کا مسئلہ زوروں پر تھا۔ علاقہ کے باشندوں کو شاہ جی کے خلاف خوب بھڑکا دیا گیا کہ آپ قبروں پر قبے تعمیر کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ شاہ جیؒ حسب پروگرام اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو جلسہ گاہ کا رنگ بگڑا ہوا تھا۔ سامعین کی اکثریت خراج پیش کرنے کی بجائے لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے مسلح تھی۔

شاہ جیؒ اسٹیج پر رونق افروز ہوئے اور تلاوت کے بعد خطاب شروع کیا تو مجمع

کے ایک گوشے سے ایک شخص نے نہایت تلخ وترش لہجہ میں دریافت کیا۔

شاہ جی کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر پر قبہ موجود ہے یا نہیں؟

شاہ جی نے ہاں میں جواب دیا سنتے ہی وہ کڑکتے ہوئے بولے تو پھر آپ قبروں پر سے قبے گرانے والے اور اس کے خلاف آواز اٹھانے والے کون ہوتے ہیں؟ شاہ جی نے برجستہ فرمایا میں بھی تو یہی کہتا ہوں جب رسول اللہ ﷺ کے روضۂ اطہر پر قبہ موجود ہے تو پھر دوسری جگہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضور ﷺ جس طرح نبوت ورسالت کے معاملہ میں وحدہ لاشریک ہیں اس طرح ہر معاملہ میں ان کا کوئی مثیل اور شریک نہ ہونا چاہیے۔ گنبد خضریٰ کے بعد کسی اور قبہ کی تعمیر شرک فی النبوت ہے۔

شاہ جی کے اس جواب سے مجمع کا رنگ بدل گیا اور فضا امیر شریعت زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۵۹)

جرأت وشجاعت :

مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی جرأت وشجاعت، بے باکی وحق گوئی بھی ضرب المثل تھی۔ ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے کہ آپ کو امرتسر میں ایک باغیانہ تقریر کرنے کے جرم میں گرفتار کرلیا گیا۔ جرم کی تصدیق کے لئے جب آپ کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ تو کمرۂ عدالت میں داخل ہوتے ہی آپ کے نرم ونازک ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

مجسٹریٹ نے دریافت کیا۔

شاہ صاحب: آپ نے امرتسر میں اس مفہوم کی تقریر کی ہے؟

شاہ صاحب! ہاں...... میں نے تقریر کی ہے۔

مجسٹریٹ: آپ کو علم ہے کہ ایسی تقریر کی سزا کیا ہوتی ہے؟

شاہ صاحب: ہاں مجھے علم ہے کہ اس کی سزا کیا ہے!

اگر میری تقریر جو ڈائری نویس کی جانب سے آپ کے پاس آئی اس دفعہ کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے تو مجھے اس تقریر کا اعتراف ہے لیکن اگر یہ تقریر ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتی تو بامعنی بات کہی ہے جو اس دفعہ کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔

ہائے مشکل تھی جو آساں ہوتے ہوتے رہ گئی:

اس مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے جب مجسٹریٹ نے آپ کو تین سال قید بامشقت کی سزا کا حکم سنایا آپ میاں والی جیل میں محبوس ہو گئے۔ آپ جیل میں اکثر مولانا جوہر کا یہ شعر ترمیم کے ساتھ پڑھا کرتے ...... ؎

دار کے حق دار کو قید سہ سالہ ملے
ہائے مشکل تھی جو آساں ہوتے ہوتے رہ گئی

(حیاتِ امیر شریعتؒ ص:۱۷)

تحریک مدح صحابہؓ:

جانباز مرزا لکھتے ہیں: پنجاب اور یوپی کا دورہ کرتے ہوئے لکھنؤ (احاطہ شوکت علی) میں تقریر کے دوران کسی نے امیر شریعتؒ سے صحابہ کرامؓ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے پر بلند آواز سے پکارا:

''شاہ صاحب! یہاں صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنا جرم ہے''۔

یہ فقرہ سنتے ہی امیر شریعت نے مجمع سے دوبارہ تصدیق کی.... اور معاً بعد طبیعت میں یکایک تیزی آ گئی، اور صحابہ کرامؓ کا بار بار نام لیا، اور ہر نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہا۔

حالانکہ امیر شریعت چار روز لکھنؤ ٹھہرے، لیکن قانون اور حکومت دونوں خاموش رہے۔

امرتسر واپس پہنچ کر جماعت سے صلاح ومشورے کے بعد ۲۶ اگست ۱۹۳۵ء کو دوبارہ لکھنؤ گئے اور چوک فرنگی محل میں تقریر کے دوران کہا :

''مجھے افسوس ہے کہ انگریز نے لکھنؤ میں ایک ایسا قانون جاری کر رکھا ہے، جس کی رو سے منقبت صحابہؓ کرنا اور کرانا جُرم ہے۔ حضرت ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعریف کرنا قابل سزا جرم ہے اور یہ سزا دو سال قید تک ہے۔

غضب خدا کا اسی ہزار اہل سنت والجماعت کی آبادی اور وہ اس قانون کو حکومت سے نہیں بدلواتی۔ چند ماہ ہوئے ہمارے بھائی غازی منے خاں نے یہاں مدح صحابہؓ پڑھی تھی جس کی پاداش میں ان پر مقدمہ چل رہا ہے۔ میں حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اس قانون کو فوراً منسوخ کر دے۔ یہ مداخلت فی الدین ہے۔ حکومت نے خود مذہب کی آزادی کا اعلان کر رکھا ہے۔ گالیاں بکنا تو جرم ہو سکتا ہے، مگر کسی کی تعریف کرنا کیونکر جرم قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج حکومت نے قمار بازی، شراب نوشی اور عصمت فروشی پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ لیکن خلفائے راشدینؓ کی تعریف پر پابندی عائد ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنی پوزیشن پر غور کرے۔

میں شیعہ حضرات سے خطاب نہیں کر رہا، بلکہ میرا روئے سخن حکومت کی طرف ہے، شاید کل کو کچھ اور سمجھ لیا جائے۔ اس لئے کان کھول کر سن لو، میں تمام یو، پی

کو ایک مرکز پر جمع کروں گا اور اس قانون کو آئینی جدوجہد سے ختم کرا کر دم لوں گا، اور اگر اس طرح بھی قانون کو ختم نہ کیا گیا تو پھر میں بے آئینی بھی کر سکتا ہوں۔

ہندوستان کے سیاسی حالات کے پیش نظر حکومت ان دنوں کسی بھی دوسرے رنگ میں سوچنا مناسب نہیں سمجھتی تھی کیونکہ ۱۹۳۵ء کے آئین کے نتیجہ میں جو واقعات سامنے آنے والے تھے ان کے پیش نظر صوبائی جھگڑوں کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔ لہذا امیر شریعت کی مندرجہ بالا تقریر کو حکومت نے ہوا کے دوش پر لٹکا دیا۔ اس کے بعد مجلس احرار نے اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور یہاں سے تحریک مدح صحابہؓ کی ابتدا ہوئی۔ (حیاتِ امیر شریعت ص: ۱۹۵)

اپنے عہد سے پھر نہیں سکتا:

لاہور میں احرار کانفرنس کے اجلاس ہو رہے تھے۔ دفتر میں حسب معمول شاہ جی کے اردگرد پروانوں کا اجتماع تھا۔ اور مجلس کشت زعفران بنی ہوئی تھی۔ دوسری طرف حافظ علی بہادر خان، شیخ حسام الدین صاحب اور دیگر زعماء غیر رسمی گفتگو میں مصروف تھے۔ شیخ صاحب نے شاہ جی کو اپنی طرف متوجہ فرما کر کہا کہ حافظ صاحب! ممبئی کے لئے وقت چاہتے ہیں۔ شاہ جی نے فرمایا مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے۔ چنانچہ شیخ صاحب نے حافظ صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ دس (۱۰) محرم کے لئے کانفرنس کا پروگرام بنا لیجئے۔ اس پر شاہ جی چونکے اور فرمایا کہ اس تاریخ کو میں ممبئی نہیں جا سکوں گا۔ شیخ صاحب نے ملک عبدالغفور انوری (مرحوم) کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ ملک صاحب بات پا گئے۔ اور کہا کہ دفتر میں تو اس تاریخ کو شاہ جی کا کوئی پروگرام مرتب نہیں ہوا۔ اس پر شاہ جی نے اپنا اٹیچی منگوا کر ڈائری نکالی۔ اور شیخ صاحب کی طرف بڑھا دی۔

شیخ صاحب نے ورق گردانی کرتے ہوئے باآواز بلند پڑھا ''سمہ سٹہ جنکشن، عثمان پور، سید محمد علی شاہ'' اور پھر اپنے مخصوص انداز میں ایک لمبی ''ہوں'' نکالتے ہوئے یوں گویا ہوئے کیا ہوا کوئی معمولی بستی ہوگی انہیں اطلاع دے دی جائے گی۔ لیکن شاہ جی نے فرمایا:

''میں سید زادہ ہوں اور اپنے عہد سے نہیں پھر سکتا۔ اگر میں بقید حیات ہوا اور باہر رہا تو ان شاء اللہ العزیز اپنا وعدہ پورا کروں گا'' اس پر شیخ صاحب نے اپنا زور تکلم صرف کر ڈالا۔ ممبئی کی اہمیت اور جماعتی مفاد کے موضوعات زیر بحث لائے گئے۔ لیکن شاہ جی اپنے مقام پر قائم رہے۔ اور بالآخر طے پایا کہ ممبئی کے لئے کوئی دوسری موزوں تاریخ مقرر کی جائے۔

ملک پیر بخش صاحب گھلو (مرحوم) (علاقہ بہاولپور کی بستی بہاولپور گھلواں کے ایک زمیندار) شاہ جی کے مرید تھے۔ ایک بار ۱۲ ربیع الاول کو جلسہ کا پروگرام بنایا۔ شاہ جی حسب وعدہ تشریف لے گئے۔ موقع پا کر وہاں کی بزرگ اور قابل احترام شخصیت حافظ کریم بخش (مرحوم) کی وساطت سے اس تاریخ کو آئندہ کے لئے مستقل ریزرو کرالیا گیا۔ چنانچہ جب بھی اس موقع پر شاہ جی جیل سے باہر اور تندرست ہوئے۔ دہلی، آگرہ، لاہور، جالندھر اور ممبئی جیسے مقامات کی دعوتوں کو ٹھکرا کر اور جماعتی پروگرام کو پس پشت ڈال کر ریلوے سٹیشن سے پندرہ بیس میل کا کٹھن سفر کبھی گھوڑے اور کبھی اونٹ پر طے کر کے وہاں پہنچے، اور سالہا سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔

احساسِ فرض:

سمہ سٹہ کی ایک نواحی بستی کے دکاندار حاجی فیض بخش کوان کے اصرار اور

منت سماجت پر وقت دے دیا۔ اس کے بعد احرار ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ان ہی تواریخ میں مقرر ہو گیا۔ اب شاہ جی کو امرتسر سے سمہ سٹہ، اور سمہ سٹہ سے چار میل کے فاصلہ پر دریا کے کنارے تقریر کے لئے پہنچنا تھا۔ اور پھر لاہور واپس جا کر اجلاس میں شریک ہونا تھا۔ ایک طرف ایفائے عہد اور دوسری طرف احساس فرض۔ رفقائے کرام نے سمہ سٹہ کے پروگرام کی منسوخی کا مشورہ دیا۔ لیکن اس مرد مومن نے دو جھگوں کی اس بستی میں پہنچ کر اپنے وعدے کو نبھایا اور اجلاس کے اختتام سے قبل لاہور پہنچ کر دو روزہ بحث میں الجھے ہوئے مسائل کو بھی چٹکی بجاتے میں حل کیا۔

تدبر اور وفاداری :

رفیق امیر شریعت مرزا محمد حسن چغتائی فرماتے ہیں :

کہروڑ پکا سے سات میل کے فاصلہ پر بیلہ واہگہ کے مضافاتی دیہات میں احرار رضا کاروں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ ان کے اصرار پر دو روزہ کانفرنس کی منظوری مرکز سے حاصل کی گئی۔ علاقہ کے زمینداران اگرچہ رضا کاروں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف تھے۔ اور انہوں نے کبھی تعاون نہیں تھا۔ لیکن اب کانفرنس کے انعقاد اور پھر شاہ جی کی تشریف آوری کی خبر سے وہ تعاون کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اور پیش کش کی کہ مقررین حضرات کی رہائش اور مہمانوں کے خورد نوش کا انتظام ان کے ذمہ ہو گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس موقع پر شاہ جی کے علاوہ مولانا قاضی احسان احمد، مولانا عبد الرحمٰن میانوی، اور دیگر مقررین شریک کانفرنس تھے۔ پہلے اجلاس کی ابتدائی کارروائی کے بعد پروگرام کے مطابق قاضی صاحب کی تقریر کا آغاز ہوا۔ اجتماع حاضری کے لحاظ سے عدیم النظیر تھا اور علاقہ کے باوردی مسلح رضا کار قریباً یک صد کی تعداد میں ڈیوٹی پر

موجود تھے۔ قاضی صاحب نے مجلس احرار کے کارناموں کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے بعد اصلاح الرسوم کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار شروع کیا۔ جب وہ شادی بیاہ کے موقع پر کنجریوں کے مجرا وغیرہ پر پہنچے اور علاقہ کے زمینداران کو اپنے مخصوص زور دار انداز میں ایسی قبیح رسومات پر شرم دلائی تو وہ اسے برداشت نہ کر سکے۔ ان میں سے ایک دو نے کھڑے ہو کر اعتراض کیا تو قاضی جی کا پارہ اور تیز ہو گیا بالآخر علاقہ کے ایک مقتدر زمیندار نے جلسہ گاہ (جلسہ عیدگاہ میں ہو رہا تھا جو چہار دیواری سے محیط تھی) کی دیوار پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ ’’ہم زمینداران علاقہ کی جس قدر رعیت یہاں موجود ہے وہ جلسہ گاہ سے باہر نکل آئے۔ اس پر قاضی نے جواباً اپیل کی۔ خدا کی مخلوق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی باہر نہ جانے پائے‘‘ زمینداران اپنا سامنہ لے کر رہ گئے اور کھسیانے ہو کر باہر چلے گئے۔ باہر جا کر جلسہ ناکام بنانے کی تدابیر پر غور کرنے لگے۔ چونکہ فساد کا اندیشہ تھا۔ اس لئے میں ایک رضا کار کو ہمراہ لے کر فوراً قیام گاہ پر پہنچا اور شاہ جی سے واقعات بیان کئے۔ شاہ جی فوراً اٹھے۔ وضو فرمایا۔ اور جلسہ گاہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ باہر کھڑے زمینداران نے جب شاہ جی کو آتے دیکھا تو راستے ہی میں قاضی جی کی شکایت کی۔ شاہ جی نے ان کو اطمینان دلایا اور جلسہ گاہ میں ہمراہ لے آئے۔ جلسہ گاہ نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اٹھا۔ قاضی صاحب کی تقریر کچھ دیر تک جاری رہی۔ شاہ جی تقریر کے لئے اٹھے۔ اور خطبہ مسنونہ کے بعد مخاطب ہوئے۔

گندگی نام کو نہ رہے گی :

آپ دیہات کے رہنے والے ہیں آپ کے ہاں گلی کوچوں کی صفائی کا

انتظام نہیں لیکن ضروریات کے پیش نظر شہر میں آتے جاتے ہوں گے وہاں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کمیٹی کے خاکروب سڑکوں اور کوچوں میں جھاڑو لئے صفائی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نالیاں بھی صاف کرتے ہیں۔ اگر کسی شہر میں دو تین روز عملہ صفائی اپنا کام نہ کرے۔ تو شہر میں عفونت پھیل جائے۔ گندگی کے انبار لگ جائیں۔ راستے مسدود ہو جائیں اور زندگی دوبھر ہو جائے۔ اس طرح سے انسانوں کی روحانی گندگی کی صفائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے علماء کو ڈیوٹی پر لگایا ہے۔ جو وعظ اور تبلیغ کے ذریعہ روحانی گندگی کو صاف کرتے رہتے ہیں۔ اگر کچھ عرصہ یہ سلسلہ رک جائے تو دنیا فسق و فجور اور فساد سے بھر جائے۔ شہر کی سڑکوں پر جب خاکروب صفائی کرر ہے ہوں تو آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا کہ کہیں تو یہ عالم ہوگا کہ خود صفائی کرنے والے اور راہگذر لوگوں کے چہرے اور پوشاکیں گرد آلود ہوں گی اور کہیں نالی کے چھینٹوں کے نشانات ہوں گے۔ لیکن کہیں ایسا بھی ہوگا کہ صفائی بھی اپنی جگہ پر درست ہوگی لیکن نہ تو کسی راہ گذر کے چہرے پر گرد کے آثار ہوں گے اور نہ خاکروب گرد آلود ہوگا۔ اس میں صرف تجربہ کا فرق ہے۔ پہلا خاکروب نا تجربہ کار ہوگا اور دوسرا اپنی عمر کا بڑا حصہ اس کام میں صرف کر کے تجربہ حاصل کر چکا ہوگا۔ یہی حال ہمارا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میرے ساتھی کی نا تجربہ کاری سے سامعین میں سے کچھ صاحبان پہلے خاکروب والی کارروائی کی زد میں آ گئے۔ اب میں آپ کا پرانا خدمت گزار آپ کے سامنے آیا ہوں، میں ہلکا چھڑکاؤ کر کے گرد جماؤں گا اور پھر ایسے طریق پر صفائی کروں گا۔ کہ انشاء اللہ کوئی گرد نہ اُڑے گی اور نہ گندگی نام کو رہے گی۔ فضا نعروں سے معمور ہوگئی۔ شاہ جی نے تین گھنٹے تقریر کی اور سامعین ہمہ تن گوش بیٹھے رہے۔ (بخاری کی باتیں ص: ۱۴۵ تا ۱۴۶)

تین چیزیں :

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ فرماتے ہیں :

تین چیزیں حقوق العباد کی بنیاد ہیں۔ جان، مال، آبرو۔ اوران تینوں کے متعلق (علی الترتیب) دنیا میں کوئی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میرے ہاتھ سے اس کو آزار پہنچا ہو۔ ہتھیار تو خیر بڑی چیز ہے۔ میں نے آج تک کسی شخص کو ایک تھپڑ بھی نہیں مارا۔ رہا مال، سواس کے متعلق بھی کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ میں نے اس کا ایک روپیہ، پیسہ غصب کیا ہو یا امانت میں خیانت کی ہو، یا لے کر واپس نہ کیا ہو۔ اگرچہ یہ تو ہوا ہے کہ میں نے کچھ دیکر واپس نہیں لیا۔ اوراب بھی اگر دنیاداروں کی طرح سوچوں تو ہزاروں نہ سہی، دو چار سو کی معمولی رقم کسی نہ کسی کے ذمہ نکل ہی آئے گی۔ خود میں فقیر ہوں۔ میرے پاس تو کیا ہوگا۔ البتہ آج سے نہیں ہمیشہ سے لوگوں کے روپے پیسے اور جماعتی امانتوں کا بحمد اللہ کفیل اور محافظ رہا ہوں اور کہہ سکتا ہوں :

اِنِّیْ لَقَوِیٌّ اَمِیْن۔

میری آنکھ میلی نہیں ہوئی :

سب سے آخری اور سب سے زیادہ نازک چیز انسان کی عزت وآبرو ہوتی ہے۔ تو الحمد اللہ! کہ آج تک میری آنکھ میلی نہیں ہوئی اور دنیا میں کسی کی ماں بہن یا بہو بیٹی کی عزت وآبرو کو میری ذات سے گزند نہیں پہنچا۔ حالانکہ جہاں میں جوان ہوا وہاں شب و روز لوگوں کے ننگ وناموس سے میرا واسطہ تھا۔ لیکن ان کو ہمیشہ ماں، بہن اور بیٹی ہی سمجھا۔ کہا اور بنا کے رکھا۔ الحمد للہ کہ اس وقت ملک بھر میں میری ہزاروں مائیں بہنیں اور لاکھوں بہو بیٹیاں ہیں اور میں اپنی اولاد ہزاروں بھانجوں، بھتیجوں، نواسوں،

اور پوتوں والا ہوں اور اس میں میری کوئی خوبی نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں متقی اور پارسا تھا یا ہوں بلکہ سیدھی سادی بات یہ ہے کہ مجھے اپنے باپ دادا کی عزت کا پاس تھا اور ہے۔ مجھے تو ان کی پگڑی کی لاج رکھنی تھی تا کہ یہ نہ کہا جائے کہ خاندان سادات بخارا کا لڑکا سید نورالدین کا پوتا اور حافظ سید ضیاء الدین کا بیٹا ایسا ویسا نکلا اور اس کے بدلہ میں نیکوں کا یہ گھرانہ بدنام ہو۔ باقی اللہ کا خوف تو بڑی بات ہے۔ اور خوش قسمت ہے وہ جسے یہ چیز حاصل ہو، سوالحمدللہ کہ اس بارہ میں انگلی سے غیر محرم کو چھونے اور نگاہ تک غلط نہ ہونے کی بھی قسم کھا سکتا ہوں۔

کل پیپل کا درخت اِن شاء اللہ یہاں نہیں ہوگا :

شاہ جی جب اول بہاولپور گھلوال (تحصیل احمد پور شرقیہ) میں تشریف فرما ہوئے۔ تو جلسہ کا انتظام ایک ایسے میدان میں کیا گیا۔ جہاں ایک پرانے پیپل کے درخت کا وسیع وعریض سایہ جلسہ گاہ کے لئے موزوں تھا۔ شاہ جی نے وہاں تقریر شروع کرنے سے قبل فرمایا کہ مجھے اس جگہ ریچھوں، کتوں کی بدبو آرہی ہے۔ اس لئے میں اس جگہ وعظ نہ کروں گا۔ منتظمین اور دیگر معتبران علاقہ نے بتایا کہ اس بات سے ہمیں انکار نہیں کہ یہاں ریچھ اور کتے لڑائے جاتے ہیں۔ لیکن ہماری مجبوری ہے کہ اس جگہ کوئی موزوں میدان موجود نہیں۔ جہاں سایہ کا انتظام ہو۔ اور مجمع کے لئے کافی گنجائش ہو۔ وہ شخص جو ریچھ کتوں کی لڑائی کا دھندا کرتا تھا۔ وہ بھی مجمع سے نکل کر شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور توبہ کر کے یقین دہانی کرائی کہ آئندہ وہ اس مذموم فعل کا اعادہ نہ کرے گا۔ پھر بھی شاہ جی نے خوشی سے نہیں بلکہ طوعاً وکرہاً تقریر کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا تقریر تین چار گھنٹوں تک جاری رہی۔ اور جب اختتام کو پہنچی تو شاہ جی نے

قیام گاہ کی طرف روانہ ہوتے ہوئے لوگوں کو بتایا کہ ”یہ پیپل کا درخت ان شاء اللہ کل یہاں نہ ہوگا“ شاہ جی کی اس بات کو لوگوں نے استعجاب سے سنا لیکن دوسرے روز خدا کا کرنا کیا ہوا کہ صبح ہی صبح دریا میں سیلاب آیا۔ جس سے یہ بستی بھی محفوظ نہ رہی اور پیپل کے درخت کی یہ کیفیت ہوئی کہ وہ جڑوں سمیت نکل باہر آپڑا۔ اور اس کا نام ونشان تک نہ رہا۔

اس واقعہ کو سن کر ملک پیر بخش خان گھلو ذیلدار شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے۔ اور اس طرح سے ملک صاحب اور ان کے خاندان کا دائمی تعلق شاہ جی سے استوار ہو گیا۔ بلکہ علاقہ کے ولی اللہ حافظ کریم بخش کی بدولت شاہ جی کی ڈائری میں تقریب میلاد النبیؐ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بہاولپور گھلوال کے لئے مختص ہو گئی۔

حکومت کا منصوبہ نا کام بنایا :

ایک دفعہ حکومت وقت نے حضرت شاہ جی کی تقریر پر پابندی عائد کی تو شاہ جی نے بڑی حکمت اور جرأت سے حکومت کا منصوبہ نا کام بنایا۔ نیلے رنگ کا تہہ بند، نیم آستین کی واسکٹ، سر پر موٹے کھدر کی سفید پگڑی اور ہاتھوں سے خالی..... پنجاب پولیس امیر شریعت کو مندرجہ ذیل لباس میں دیکھنے کی عادی تھی...... سر پر کپڑے کی گول ٹوپی، نیم آستین کا لمبا کرتہ، گھٹنوں سے اونچا پاجامہ اور ہاتھ میں ایک موٹا ڈنڈا۔

اجنبی لباس میں امیر شریعت نہ تو پولیس سے پہچانے گئے اور نہ ہی سفر میں کسی دوسرے مسافر سے۔ جہلم کے اسٹیشن پر اترتے وقت ضرورت پڑی تو ہمراہی نے امیر شریعت کو تلاش کے لئے پنڈت کرپا رام کہہ کر مسلسل پکارا۔ شاہ جیؒ نے اپنے

ساتھی سے کہہ دیا تھا، تم گاڑی میں میرے ساتھ نہ بیٹھنا، اگر مجھے آواز دینے کی ضرورت ہو تو شاہ جیؒ کے بجائے ''پنڈت کرپارام برہم چاری'' کہہ کر آواز دینا۔ ہندی میں پنڈت کے معنی اونچی ذات کے ہیں، اور مسلمانوں کے ہاں سید سردار کے معنی میں مستعمل ہے۔ ''کرپا'' ہندی میں عطا کرنے کو کہتے ہیں اور ''رام'' اللہ کے ہم معنی استعمال ہوتا ہے۔ ہندی میں برہم چاری مجرد کو کہتے ہیں۔ امیر شریعتؒ نے بخاری کا وزن برابر رکھنے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا۔ اس طرح پنڈت کرپارام برھم چاری سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہم معنی بن گیا۔ یوں امیر شریعتؒ نے اپنے بلند مقاصد کی ادائیگی اور پولیس کی گرفت سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے نام کا ہندی ترجمہ کر لیا۔ مگر امیر شریعتؒ اسے ریلوے حدود سے دور جا کر ملے ....

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

میر پور جہلم سے نومیل دور دریائے جہلم کے اس پار آبادی کا نام ہے، یہ کشمیر کے ان باشندوں پر مشتمل ہے جن کے اکثر افراد پہلی جنگ عظیم میں بھرتی ہو کر استعماری فوج کے دوش بدوش لڑ چکے تھے۔ تحریک کشمیر کے دنوں میں بھی اس بستی کے عوام نے اپنی آزادی کے لئے مجلس احرار کے تحت بڑی قربانی کی تھی۔ پولیس کے انتظامات امرتسر سے جہلم تک مکمل ہو چکے تھے لیکن مجرم محافظوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اپنی منزل کے سامنے کھڑا تھا۔

میری آمد کی اطلاع نہ کرنا:

میر پور کے سامنے سے گزرتے ہوئے دریائے جہلم کی چیخ و پکار سے پتھروں

کے دل دھڑک رہے تھے۔ ناخدا کشتیوں کے پتوار پھیلائے موجوں سے برسرپیکار تھے کہ امیر شریعت نے پتن پر قدم رکھا۔ پولیس ہر مسافر کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ حالات کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے امیر شریعت نے پتن سے دریا کو عبور کرنا مناسب نہ سمجھ کر دو میل اوپر جا کر دریائے جہلم کو پار کیا اور پھر کئی میل پیدل سفر کے بعد میرپور میں داخل ہو گئے۔ ہمراہی کو متنبہ کیا کہ تم جاؤ لیکن میری آمد کی اطلاع نہ کرنا۔ میں خود ہی جلسہ میں پہنچ جاؤں گا۔

امیر شریعتؒ عوام سے خطاب کریں گے :

انجمن کے سالانہ اجلاس کا آخری دن تھا۔ ریاستی حکام مطمئن تھے۔ برطانوی پولیس اپنے کارنامے پر خوش تھی کہ عطاء اللہ شاہ بخاری ریاست میں داخل نہیں ہو سکا۔ منتظمین نے اس خوف سے کہ انجمن کی بدنامی نہ ہو اور رات کے اجلاس میں لوگوں کی حاضری کم نہ ہو شہر میں منادی کرادی کہ رات آخری اجلاس میں امیر شریعت عوام سے خطاب کریں گے۔ اجلاس شروع ہوا تو صدر جلسہ نے قوم سے معذرت کی۔

”ہمیں افسوس ہے کہ امیر شریعت ریاستی اور برطانوی قانون کی پابندیوں کے باعث تشریف نہ لا..........“!

ابھی یہ فقرہ ادھورا تھا کہ امیر شریعتؒ نے جلسے کے ایک کونے سے آواز دی۔ ”آپ غلط کہتے ہیں“۔ یہ فقرہ کہتے ہوئے اور مجمع کو چیرتے ہوئے اسٹیج کی جانب بڑھتے گئے۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کون دیہاتی ہے کہ صدرِ استقبالیہ کی بات کاٹ رہا ہے۔ اب امیر شریعت سٹیج پر تھے اور بھاری بھرکم کھدر کی پگڑی اتار کر عوام

کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت مجمع کا حال دیکھنے والا تھا۔ آخر امیر شریعتؒ نے صبح چار بجے تک تقریر کی۔

امیر شریعتؒ کے میر پور پہنچنے کے نتیجے میں پنجاب پولیس اور ریاستی حکام کے کئی آفیسر معطل ہوئے اور انہی دنوں میر پور کے اکثر دیہاتوں میں بغاوت پھیل گئی جس کے نتیجے میں کئی سرکاری عمارات کو نذر آتش کیا گیا۔

پانچویں مصلّے کے تم مالک ہو :

حضرت امیر شریعتؒ اصلاح احوال کے طور پر بعض اوقات نہایت اہم مسائل لطائف کی صورت میں بیان فرماتے جو سامعین کی دلچسپی کے ساتھ ساتھ عبرت وموعظت کا باعث بنتے۔

ایک مرتبہ راولپنڈی میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا :

''ایک مسجد میں ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ گردن پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھ رہا ہے۔ جب فارغ ہوا تو میں نے کہا آفرین: چار مصلّے ائمہ فقہا نے سنبھال رکھے ہیں لیکن پانچویں مصلّے کے تم مالک ہو۔ اس نے کہا شاہ صاحب کیا کروں مجبور ہوں اگر ہاتھ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھوں تو لوگ بدعتی سنی کہتے ہیں۔ اور اگر کھول دیتا ہوں تو ''رافضی'' کی پھبتی کس دیتے ہیں۔ اور اگر سینے پر ہاتھ رکھتا ہوں تو ''نجدی وہابی'' کہہ کر مسجد سے نکال دیتے ہیں۔ اس لئے تنگ آکر میں نے گردن پر ہاتھ باندھنا شروع کر دیئے تاکہ کسی کو ناراض ہونے کا موقع نہ ملے''۔

اس لطیفہ میں مسلمانوں کے فرقہ وارانہ نزاع اور فروعی اختلاف کو دور کرنے کی کس قدر اعلیٰ اور احسن طریق پر کوشش کی گئی ہے۔

اسلامی مساوات کا نمونہ :

ایک مرتبہ گفتگو کرتے ہوئے شاہ جی نے فرمایا :

''میں ایک گاؤں میں چارپائی پر بیٹھا ہوا تھا، بعض لوگ مجھے ملنے کے لئے آئے لیکن وہ میرے پاس بیٹھنے کے بجائے دور الگ زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے کہا بھئی! مجھ سے کیوں ڈرتے ہو، میرے پاس آکر بیٹھو۔ وہ کہنے لگے کہ آپ تو سید ٹھہرے ہم آپ کے پاس کس طرح بیٹھ سکتے ہیں۔ میں نے کہا (نعوذ باللہ) سید اتنی ہی ناپاک جنس ہے کہ تم اس کے قریب آنے سے ڈرتے ہو''۔

اس قسم کی باتیں حضرت امیر شریعتؒ کی محافل کو کشت زعفران بنا دیتی تھیں۔ ان باتوں میں دراصل عبرت وموعظت کے نکتے پوشیدہ ہوتے۔ اور اصلاح احوال کے طور پر حضرت شاہ جی مسلمانوں کو ان کی خامیوں پر متوجہ کرتے رہتے تھے۔ ان باتوں میں ایک سبق بھی ہوتا اور طنز بھی۔ حضرت شاہ جی نے حق بات کے اظہار میں کبھی لیت ولعل اور مصلحت سے کام نہیں لیا، بلکہ وہ مردِ درویش ہر محفل اور ہر حال میں اپنے دل کی بات کہہ دیا کرتے تھے ....

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را (حیاتِ امیر شریعتؒ ص:۱۵۵)

نادرۂ روزگار شخصیت :

شورش کاشمیری رقمطراز ہیں :

یوں تو سرزمین ہند نے کئی شعلہ بیان اور آتش نوا خطیب پیدا کئے ہیں۔ مگر زبان سے لوچ، اسلوبِ بیان کی دلکشی، فکر وخیال کی وسعت اور پختگی، ظرافت کی

شائستگی، حاضر جوابی کی شوخی اور استدلال کی سحر کاری میں جو مقام امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو نصیب ہوا اس میں وہ منفرد اور یگانۂ روزگار دکھائی دیتے ہیں۔

شاہ جی کے سحرِ خطابت کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ بارہا آپ نے سامعین سے خطاب کرتے کرتے رات گزار دی اور جب طلوعِ فجر کے وقت مؤذن کی آواز کانوں میں پڑی تو سراپا حیرت بن کر پوچھا صبح ہو گئی ابھی تو میں تمہیدی کلمات ہی عرض کر رہا تھا۔

لوگو ! صبح ہو گئی اور مؤذن پکار پکار کہہ رہا ہے اے نیند کے ماتو، ہوش میں آؤ۔ میں نے بھی اپنی پوری زندگی تمہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں صرف کر دی۔ لیکن تم بیدار نہ ہوئے، مجھے تو کبھی کبھی یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے قبرستان میں اذان دے رہا ہوں۔ راقم الحروف ایک دفعہ ملتان میں حضرت شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت مرغیوں کے لئے روٹی کے ٹکڑے بنا رہے تھے۔ میں نے ازراہِ تفنن عرض کیا شاہ جی آپ کس کام میں لگ گئے۔

فرمانے لگے بیٹا ! کیا بتاؤں قوم کو زندگی بھر آواز دی، اسے پکارا، حتیٰ کہ میرے بال سفید ہو گئے لیکن اس کے دل کی سیاہی دور نہ ہوئی۔ آخر تھک ہار گیا اور انسانوں سے منہ موڑ کر اب خدا کی دوسری مخلوق کی طرف ملتفت ہوا ہوں۔ یہ مخلوق ایسی باوفا ہے کہ میری ادنیٰ پکار پر دیوانہ وار آتی ہے اتنے میں شاہ جیؒ نے مرغیوں کو آ، آ، آ کہہ کر بلانا شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام مرغیاں شاہ جی کے اردگرد جمع ہو گئیں مجمع دیکھ کر فرمانے لگے :

''کیوں بیٹا! ہے نا، اطاعت و فرمانبرداری کی مثال''۔

انتہائی خطرناک پستیاں :

فرمایا۔ لگا تار چالیس برس لوگوں کو قرآن سنایا۔ پہاڑوں کو سناتا تو عجب نہ تھا کہ ان کی سنگینی کے دل چھوٹ جاتے، غاروں سے ہم کلام ہوتا تو جھوم اٹھتے، چٹانوں کو جھنجھوڑتا تو چلنے لگتیں، سمندروں سے مخاطب ہوتا تو ہمیشہ کے لئے طوفان بکنار ہو جاتے، درختوں کو پکارتا تو وہ دوڑنے لگتے۔ کنکریوں سے کہتا تو وہ لبیک کہہ اٹھتیں، صرصر سے گویا ہوتا تو وہ صبا ہو جاتی۔ دھرتی کو سناتا تو اس کے سینے میں شگاف پڑ جاتے۔ جنگل لہرانے لگتے، صحرا سرسبز ہو جاتے۔ افسوس میں نے ان لوگوں میں معروفات کا بیج بویا جن کی زمینیں ہمیشہ کے لئے بنجر ہو چکی تھیں، جن کے ضمیر قتل ہو چکے تھے، جن کے ہاں دل و دماغ کا قحط تھا، جن کی پستیاں انتہائی خطرناک تھیں جو برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔

قید و بند :

حق کہنے اور سچ بولنے کا راستہ بالآخر جیل جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ شاہ جی خود فرمایا کرتے تھے۔ زندگی کیا ہے؟ تین چوتھائی ریل میں کٹ گئی ایک چوتھائی جیل میں۔ شاہ جی کی کل مدت قید آٹھ اور نو سال کے لگ بھگ ہے۔ امیر شریعتؒ فرمایا کرتے میں نے تقریر کی لوگوں نے کہا واہ شاہ جی واہ، میں قید ہو گیا لوگوں نے کہا آہ شاہ جی آہ۔ اور واہ اور آہ میں ہم ہو گئے تباہ۔

قید و بند کی صعوبتیں، مشقتیں اور پریشانیاں شاہ جیؒ کو اپنے مشن سے نہ ہٹا سکیں۔ شاہ جی ان کیفیات کے حامل تھے ....

جذبے کو جنوں تو ہونے دو تم خیر مناؤ زنداں کی
یہ راہ حق کے دیوانے پابندی منزل کیا جانیں
جس سمت قدم اٹھ جاتے ہیں خود منزل آگے آتی ہے
یہ راز کچھ ایسا راز نہیں آسودہ منزل کیا جانیں

(سوانح وافکار ص:۷۷)

معافی کی درخواست کے ہزار ٹکڑے کر دیے :

جانباز مرزا لکھتے ہیں :

شاہ جی کو لاہور سنٹرل جیل میں آئے ہوئے دو ہفتے ہوئے تھے کہ اچانک ایک دن انہیں جیل کے دفتر میں بلوا کر ان کے سامنے انگریزی میں لکھی ہوئی درخواست پیش کی جس میں درج تھا کہ اگر اس دفعہ حکومت مجھے معاف کر دے تو میں یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ میری کوئی حرکت ایسی نہیں ہوگی جس سے حکومت کو کسی قسم کی شکایت پیدا ہو۔ اس درخواست کے نیچے کسی کا نام درج نہیں تھا اور نہ تحقیق پر کسی کا نام مل سکا۔ شاہ جی نے اس درخواست کا ترجمہ سن کر اسے سپرنٹنڈنٹ کے ہاتھ سے لیا اور ہزار ٹکڑے کر کے اپنے پاؤں تلے روندا اور تین دفعہ اس پر تھوکا پھر غصے کی حالت میں واپس چلے گئے۔ (حیات امیر شریعت ص ۴۷)

جیل خانے کی محدود دُنیا میں :

جیل خانے کی محدود دنیا میں بھی حضرت امیر شریعت اپنی انجمن آپ تھے۔ عبادت الٰہی جیل خانے میں ان کا سب سے بڑا مشغلہ تھا چنانچہ نماز فجر سے فارغ ہو کر قرآن حکیم کی تلاوت کرتے یا درود و وظائف اور ذکر الٰہی میں منہمک رہتے۔ تہجد کے

وقت جب کبھی آپ اللہ اللہ کا ذکر بالجہر کرتے یا دوسرے اوقات میں تلاوت قرآن مجید کرتے تو خود ہی وجد میں آجاتے اور اپنا روایتی لب ولہجہ اختیار کرتے تو سکوت زنداں میں ایک ارتعاش پیدا ہو جاتا۔ ریاضت سے فراغت پاتے تو داستان پارینہ کے ورق کے ورق الٹنے لگتے۔ اسی طرح ایک دن جیل کے باورچی فتح دین کا ذکر آگیا۔ اس باورچی نے اگرچہ کھانا پکانے میں مہارت حاصل کرلی تھی، لیکن مولانا ابوالحسنات جنہیں امیر شریعتؒ ''ہرفن مولا'' کہا کرتے تھے باورچی کی ایک نہ چلنے دیتے اور ہر روز نئی ہدایت جاری فرما دیتے تھے۔

خانساماں کانفرنس :

اس موقعہ پر امیر شریعت نے مختلف باورچیوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ :

''میں نے ایک بار انگریزوں کے خلاف خانساماؤں کی تحریک عدمِ تعاون بھی چلائی تھی۔ مجھے جہاں کہیں سے اطلاع ملتی کہ اس انگریز افسر کے ہاں کوئی مسلمان ملازم خانساماں کی خدمات سرانجام دے رہا ہے تو میں اسے عدم تعاون پر آمادہ کرتا۔ چنانچہ اس سلسلے میں امرتسر میں ایک خانساماں کانفرنس بھی منعقد کی جس کے اچھے اثرات ظاہر ہوئے''۔

''تحریک خلافت کے دنوں امرتسر میں، میں نے زنانِ بازاری کے خلاف مہم چلائی تھی، جس کے نتیجے میں ''اس بازار کی'' اکثر عورتوں نے شادی کرلی، اور کچھ نے گناہ کے کاروبار سے تائب ہونے کا اعلان کردیا۔ اس طرح سے کٹڑہ رام باغ جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی تھیں، گندگی سے پاک ہوگیا''۔

(حیاتِ امیر شریعت ص:۷۷)

کبھی کبھار صحت اجازت دیتی اور موڈ میں ہوتے تو گراونڈ میں والی بال یا کوئی دوسری in door game کھیلنے چلے جاتے۔ بہر طور موسم باد بہاری سے بے نیاز ہو کر خزاں کے یہ دن بھی بہار کی طرح کٹتے رہے۔

تربیت گاہ :

شورش کاشمیری رقم طراز ہیں :

جیل خانے میں قیدی کی نفسیات عجیب و غریب ہوتی ہیں، جہاں تک ان کی معنوی خصوصیت کا تعلق ہے وہ تو ہر قیدی کے باب میں یکساں ہے لیکن مختلف طبائع مختلف اثرات اخذ کرتی ہیں۔

ہندوستان کی سیاسی تحریکوں میں اجتماعی قید و بند نے بہت سے لوگوں میں ادب و سیاست اور فکر و نظر کی وسعتیں پیدا کیں، ہر شخص بقدر استعداد ایک دوسرے سے مستفید ہوتا اور ذہنا پروان چڑھتا تھا، انہی صحبتوں سے سیاسی ذہن میں استقلال پیدا ہوتا تھا اور مزاج میں پختگی آتی تھی اس دور کے بیشتر راہنماؤں اور بہت سے سیاسی کارکنوں کی سیاسی معراج جیل خانے کی ان صحبتوں کے فیضان کا نتیجہ تھی البتہ قید تنہائی غور و فکر کی عادی طبیعتوں کے سوا عام حالات میں مہلک ثابت ہوتی اس سے مزاج میں تہور پیدا ہوتا یا پھر غصہ جھنجھلاہٹ اور چڑ چڑاپن نشو و نما پاتے تھے۔

ہندوستان کی یادیں :

شاہ جیؒ جب کبھی قید ہوئے عام جماعتی رفقاء سے ان کا ساتھ رہا۔ اگر کبھی علیحدہ رہنا پڑا تو اپنی انجمن خود بنالی، جہاں گئے اپنی باغ و بہار طبیعت ساتھ لے گئے۔ ان کی شخصیت کے گرد بڑائی کا ایک خاص ہالہ بنا ہوا تھا جس سے ہر کوئی ان کے احترام

کرنے پر مجبور تھا۔ قیدی سے لے کر افسر تک سب ان کی طرف کھنچتے اور عزت کرتے تھے ''سکندر وزارت'' کے عہد میں راولپنڈی ڈسٹرکٹ جیل کا انگریز سپرنٹنڈنٹ کرنل ہاڈر آپ کا گرویدہ تھا اسے معلوم تھا کہ شاہ صاحب انگریزوں کے کٹر دشمن ہیں لیکن وہ آپ کی شخصیت سے متاثر ہی نہیں مرعوب تھا۔ اس نے آپ کو بیڈمنٹن کھیلنے پر آمادہ کیا۔ شاہ جی جب تک راولپنڈی جیل میں رہے وہ ہر شام آپ سے بیڈمنٹن کھیلا کرتا۔ اس نے بہ عنوان ''ہندوستان کی یادیں'' ایک کتاب لکھی ہے جس میں اپنے بعض مطالعات و تجربات کا ذکر کیا ہے۔

دلفریب شخصیت :

شاہ جیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ :

''جن قیدیوں نے مجھے اثنائے ملازمت میں متاثر کیا ان میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نام کا ایک سیاسی قیدی بڑی ہی دلفریب شخصیت کا مالک تھا، اس کا چہرہ مہرہ چرچ کے ان مقدس راہبوں کی طرح تھا جن کی تصویریں یسوع مسیح سے مشابہ ہوتی ہیں یا پھر ان مستشرقین کی طرح جنہیں یورپ میں خاص عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ہم اسے عرب کے بڑے بڑے قاموسیوں سے بھی تشبیہ دے سکتے ہیں لیکن ان کے صحیح شناسا ہمارے ہاں کتنے ہیں؟ میں اسے اپنا دوست بنانا چاہتا تھا لیکن ہمارے درمیان سب سے بڑی روک ہماری مختلف زبانیں تھیں۔ میں اس کی زبان کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا تھا لیکن وہ انگریزی سے قطعاً ناواقف تھا۔ اس کا بڑا سبب غالباً یہ تھا کہ وہ ۱۸۵۷ء کے اس ''اینٹی برٹش'' ذہن کی باقیات میں سے تھا جنہیں ہمارے پیشروؤں نے علماء کو پھانسی دے کر پیدا کیا تھا''۔

یادہائے رفتہ :

شاہ جیؒ تحریک خلافت کے ایام اسیری کا ذکر بڑی حسرت اور مسرت سے کرتے تھے ان کی رائے میں وہ دن ان کی زندگی کا حاصل تھے۔ تمام ملک مولانا ابوالکلام آزاد کے الفاظ میں ایک بڑا جیل خانہ بن چکا تھا۔ بالخصوص پنجاب کے قید خانے اس وقت کے بڑے بڑے لوگوں کا دارالعلوم تھے۔ شاہ جی سزایابی کے فوراً بعد لاہور جیل میں رکھے گئے۔ جہاں ان کے ساتھ بابا گوردت سنگھ، لاجپت رائے، مولانا عبدالمجید سالک، مولانا لقاء اللہ عثمانی، صوفی اقبال احمد پانی پتی، مولانا اختر علی خان، سردار سردول سنگھ کولیشر، راجہ غلام قادر خان، سردار منگل سنگھ، پنڈت نیکی رام شرما اور بعض دوسرے لوگ بھی محبوس تھے۔ کچھ دنوں بعد لالہ لاجپت رائے کے سوا گیارہ نفوس کا یہ قافلہ میانوالی جیل بھیج دیا گیا۔ وہاں مولانا احمد سعید دہلوی، اور ڈاکٹر ستیہ پال پہلے سے موجود تھے۔ ایک بزم آراستہ ہوگئی۔ اس قید و بند کے حالات مولانا عبدالمجید سالکؒ نے اپنی ''سرگزشت'' میں تفصیل سے لکھے ہیں، ملاحظہ ہو :

جیل خانے کا نقشہ :

''جیل میں ایک احاطہ تھا جس کے دو حصے تھے۔ ایک حصہ میں چار کوٹھڑیاں تھیں۔ اس کو ''منڈے خانہ'' یعنی لڑکوں کا احاطہ کہتے تھے اور ایک حصے میں ایک بڑا کھلا کمرہ تھا جس میں سات آٹھ قیدیوں کے لئے گنجائش تھی چونکہ یہ کمرہ قید محض (یعنی بے مشقت) والے قیدیوں کے لئے مخصوص ہوتا تھا اس لئے یہ کمرہ کہلاتا تھا۔ یہ دونوں حصے ایک درمیانی دروازے سے ملے ہوئے تھے۔ اختر علی خانؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مولانا داؤد غزنویؒ، عبدالعزیز انصاریؒ، عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولوی لقاء اللہؒ، صوفی

اقبالؒ، راجہ غلام قادر خانؒ، مولانا عبداللہ چوڑی والے دہلویؒ، میں اور نذیر احمد سیمابؒ ''محض کمرے'' اور ''منڈے خانے'' میں بھیج دیئے گئے۔ اور وہیں ہمارے باورچی خانے کا انتظام کردیا گیا۔ سردار سردول سنگھ کولیشر، سردار منگل سنگھ اور ان کے دو ہندو ساتھی ہندو لیڈروں کے احاطے میں بھیج دیئے گئے جس میں اب ڈاکٹر ستیہ پال، لالہ گردھاری لال امرتسری، لالہ ترلوک چند، دیش بندھو گپتا (تیج) اور متعدد مشہور کارکن آگئے تھے۔

امام السارقین :

چند ہی ہفتوں میں میانوالی جیل سیاسی قیدیوں سے معمور ہوگیا اور رضا کاروں کے احاطوں سے قومی نعروں کی دلآویز صدائیں بلند ہونے لگیں۔ پڑھے لکھے قیدیوں نے مطالعہ وغیرہ کا مشغلہ اختیار کیا۔ چنانچہ ہم لوگوں کا پروگرام یہ ہوتا تھا صبح اٹھ کر ضروریات سے فارغ ہوئے، نماز باجماعت ادا کی اور چائے پی۔ اس کے بعد میں اور عبدالعزیز انصاری مولانا احمد سعید سے ادب عربی صرف ونحو اور منطق کا سبق لینے لگے۔ اختر علی خان اور راجہ غلام قادر خان، سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے قرآن صحیح کرنے لگے، مولوی لقاء اللہ عثمانی اپنی سازشوں اور چوریوں میں مصروف ہوگئے یعنی فلاں فلاں مطلوبہ چیز کیونکر چوری چھپے باہر سے منگوائی جائے اور فلاں فلاں پیغام فلاں شخص کو کس تدبیر سے پہنچایا جائے۔ مولوی لقاء اللہ عثمانی نماز میں ہم سب کے پیش امام بھی تھے اور یہ چوری چھپے کام بھی انہی کے سپرد تھے چنانچہ میں نے ان کا لقب ''امام السارقین'' مقرر کیا تھا۔ سید حبیب بعض وجوہ سے ہمارے ساتھ نہ ٹھہر سکے اس لئے دوسرے احاطے میں چلے گئے تھے۔ ایک زمانہ میں وہ مولانا داؤد غزنوی کو انگریزی پڑھایا کرتے تھے اور مولانا داؤد سید حبیب کو عربی پڑھاتے تھے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ نہ ان کو انگریزی آئی نہ ان کو عربی.... خیر میں دن بھر کا پروگرام عرض کر رہا تھا۔ صبح ہم تھوڑی سی مشقت بھی کرتے تھے یعنی چرخے یا پانچ تار کا سوت (صرف بقدر دو چھٹانک) دری بافی کے لئے بٹ دیا کرتے تھے۔ یہ کوئی بیس منٹ کا کام تھا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد تعلیم کا سلسلہ ایک بجے تک جاری رہتا۔

جیل کو دیکھ کے گھر یاد آیا:

اس وقت مولانا عبداللہ چوڑی والے للکار کر کہتے ''ارے بھائی! کھانا تیار ہے'' اگرچہ ہمارے کھانا پکانے پر مشقتی قیدی مقرر تھے لیکن ہم نے باورچی خانے کا چارج مولانا عبداللہ کو دے رکھا تھا۔ اور انہوں نے اپنے فرائض مفوضہ کو جس خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ انہوں نے اپنی مہارت فن سے دہلی کے وہ وہ کھانے پکا کر ہمیں کھلائے کہ ''جیل کو دیکھ کے گھر یاد آیا'' سب اکٹھے بیٹھ کر لطف کے ساتھ کھانا کھاتے اور قیلولہ فرماتے۔ نماز ظہر اور عصر کے بعد چائے کا دوسرا دور جاری ہوتا۔ مغرب کے بعد کھانا کھایا جاتا اور عشاء کے بعد بھی دیر تک بحث مباحثے جاری رہتے۔ کبھی کبھی قوالی بھی ہوتی تھی جس میں اختر علی خان گھڑا بجاتے، صوفی اقبال تالی بجا کر تان دیتے، سید عطاء اللہ شاہ بخاری غزل گاتے، مولانا احمد سعید، شیخِ مجلس بن کر بیٹھتے اور مولانا داؤد غزنوی اور عبدالعزیز انصاری حال کھیلتے، غرض ہم لوگوں کے مشاغل، صوم وصلوٰۃ، تلاوت قرآن، تعلیم وتعلم اور تفریح وتفنن کے تمام پہلوؤں سے مکمل تھے لیکن بعض اوقات قوالی میں اتنا غلغلہ اور ولولہ ہوتا کہ دوسرے دن ہمارے ہمسائے یعنی پھانسی کی کوٹھڑیوں والے قیدی سپرنٹنڈنٹ جیل سے شکایت کرتے کہ ''حضور ہمیں یہاں سے کہیں اور بھیج دیجیے یہ ''مولبی'' لوگ ہمیں ساری رات

سونے نہیں دیتے‘‘۔

مولانا عبداللہ چوڑی والے :

اب ہمارے کمرے میں ایک قابل قدر شخصیت کا اضافہ ہوگیا تھا دہلی کے مولانا عبداللہ چوڑی والے آچکے تھے اوران کی وجہ سے ایک خاص قسم کی شگفتگی دوستوں میں پیدا ہوچکی تھی۔ مولانا دہلی کے نہایت ممتاز قومی کارکن ہونے کے علاوہ مختلف قسم کے دہلوی کھانے پکانے میں بڑے ماہر تھے چنانچہ مولانا احمد سعید کی استدعا پر انہوں نے ہمارے باورچی خانے کا چارج لے لیا۔ اور اسی دن سے ہمارے دسترخوان کی لذتوں میں اضافہ ہوگیا۔ کہیں کھڑے مسالے کا قورمہ پک رہا ہے کبھی میٹھے ٹکڑے تیار ہورہے ہیں، کبھی پُرتکلف قبولی کھچڑی تیار ہورہی ہے۔ کبھی ماش کی پھریری دال دسترخوان پر آرہی ہے۔ چونکہ ہمیں دو چھٹانک فی کس کے حساب سے گھی ملتا تھا اور معمولی کھانوں میں استعمال ہونے کے بعد بچ رہتا تھا اس لئے مولانا عبداللہ اس کا خشک حلوا تیار کرلیتے تھے اوراس کے قتلے کاٹ کاٹ کر سب دوستوں میں تقسیم کردیتے تھے یہ خشک حلوا عام طور پر تیسرے پہر کی چائے کے ساتھ کھایا جاتا تھا۔ مولانا عبداللہ کی عمر تو اس وقت سینتیس اڑتیس (۳۷،۳۸) سال سے زیادہ نہ تھی لیکن سر اور داڑھی کے بال سفید ہوچکے تھے۔ داڑھی فرنچ کٹ تھی اور سرخ وسفید رنگت پر بہار دیتی تھی۔ پرلے درجے کے ہنسوڑ اا ور خوش مزاج واقع ہوئے تھے اور دلچسپ واقعات اور لطیفے سنا کر ہم سب کا دل بہلاتے تھے۔

شعر فہمی، سخن سنجی :

یوں تو سبھی احباب شفیق اور محبت پرور تھے مگر مولانا احمد سعید بے تکلف

دوست ہونے کے علاوہ عربی میں میرے استاد بھی تھے۔ عبدالعزیز انصاری بڑے قابل اور مخلص انسان اور تحصیل عربی میں میرے ہم سبق تھے۔ لقاء اللہ عثمانی، صوفی اقبال احمد، اختر علی خان سبھیؒ سے برادرانہ تعلقات تھے لیکن جو خصوصیت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے تھی وہ اپنے رنگ میں مثال نہ رکھتی تھی شاہ صاحب اس زمانے میں شعر تو نہ کہتے تھے لیکن اردو اور فارسیؔ میں شعر فہمی اور سخن سنجی کا ملکہ خصوصی رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کی شگفتگی طبع ان کا خلوص اور ان کی محبت پروری بے مثال تھی۔ بارہا ایسا ہوا کہ رات کے وقت دوسرے احباب خواب غفلت میں پڑے خراٹے لے رہے ہیں اور میں اور شاہ جی جو باتیں کرنے لگے تو رات کے تین بج گئے۔ خدا جانے وہ کونسے موضوع تھے جس پر اس قدر طویل گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ لیکن دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ وقت گزرتا جاتا تھا اور ہمیں احساس تک نہ ہوتا تھا۔

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ :

جیل کی زندگی میں لطیفوں کی کمی نہ تھی۔ ایک دن شاہ صاحب نے قصہ سنایا کہ پٹنہ میں ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے جس میں ''وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ''ط کی تفسیر کے سلسلہ میں انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ کسی کی چڑ مقرر نہ کرنی چاہیئے جس سے دوسرا شخص چڑ جائے۔ مجلس وعظ میں ایک مقامی تحصیل دار صاحب بیٹھے تھے انہوں نے پاس بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے کہا، لوگ یوں ہی چڑ جاتے ہیں اگر کوئی شخص کسی کو چڑانے کی کوشش کرے اور وہ نہ چڑے تو کوئی بات نہیں مخاطب نے جواب دیا، نہیں حضرت چڑ کی بات سے آدمی چڑ ہی جاتا ہے، اس سے تغافل کرنا بڑا مشکل ہے، تحصیل دار صاحب قائل نہ ہوئے تو دوسرے شخص نے خاموشی اختیار کر لی، دو چار منٹ گزرے

تھے کہ اس شخص نے تحصیل دار صاحب سے پوچھا:

شلجم کا اچار :

کیوں صاحب! آپ کے ہاں شلجم کا اچار ہے، جواب ملا نہیں صاحب، میرے ہاں شلجم کا اچار نہیں ہے۔ کوئی دو منٹ کے بعد اس نے پھر سوال کیا، کیوں صاحب آپ کے ہاں شلجم کا اچار ہے؟ تحصیل دار صاحب نے جواب دیا کہ میں عرض کر چکا ہوں نہیں ہے، یہ بہت خوب کہہ کر چپ ہو گئے۔ لیکن ابھی پانچ منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ پھر پوچھا، تحصیل دار صاحب! آپ کے ہاں شلجم کا اچار تو ہوگا۔ تحصیل دار صاحب برہم ہو گئے اور کہنے لگے کیا آپ نے مجھے مسخرا مقرر کر رکھا ہے۔ تین دفعہ تو کہہ چکا ہوں کہ شلجم کا اچار نہیں ہے لیکن آپ برابر وہی پوچھتے جا رہے ہیں، اس شخص نے معافی مانگی اور خاموش ہو گیا لیکن ابھی دو ہی منٹ ہوئے تھے کہ اس نے پھر وہی سوال دہرایا کیوں صاحب! آپ کے ہاں شلجم کا اچار ہے۔ اب تحصیل دار صاحب کے ضبط کا پیمانہ چھلک گیا کہنے لگے ''عجیب بدتمیز ہو تم''؟ یہ کیا بکواس ہے؟ شلجم کا اچار ہے، شلجم کا اچار ہے، ساری مجلس وعظ ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ مولوی صاحب نے وعظ روک دیا اور اس شخص نے فقط اتنا کہا کہ صاحب میں نے تو صرف یہ پوچھا کہ شلجم کا اچار ہے۔

دلچسپ لطیفہ :

تحصیل دار صاحب نے جوتا پکڑ لیا۔ اب آگے آگے وہ شخص اور پیچھے پیچھے تحصیل دار صاحب، بھاگتے ہوئے مجلسِ وعظ سے نکل کر بازار میں پہنچ گئے، وہ شخص بار بار پیچھے مڑ کر پوچھتا شلجم کا اچار ہے؟ تحصیل دار صاحب گالیاں دیتے ہوئے اس کو

مارنے دوڑے، یہاں تک کہ شلجم کا اچار شہر بھر میں مشہور ہو گیا۔ تحصیل دار صاحب جدھر سے گزرتے لوگ بہانے بہانے شلجم کے اچار کا ذکر چھیڑ کر ان کو چڑاتے اور چڑ کر گالیاں بکتے۔ لطیفہ نہایت دل کش تھا۔ دن بھر یاروں میں اس کا چرچا رہا۔ تین چار دن کے بعد دوستوں نے سازش کی کہ سید عطاء اللہ شاہؒ کو چڑایا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے صوفی اقبال احمد شاہ جیؒ کی کوٹھڑی کے سامنے پہنچے اور انگشت شہادت سے اشارہ کر کے پوچھا:

شاہ جیؒ! آپ کے پاس پن ہوگی؟ شاہ جی نے کہا نہیں بھائی میرے پاس پن نہیں ہے۔ کوئی ایک منٹ کے بعد اختر علی خان پہنچے اور اس طرح انگشت شہادت کے پوروے سے اشارہ کر کے پوچھا کیوں شاہ جیؒ! آپ کے پاس پن ہوگی؟ شاہ جی نے ان کو بھی یہی جواب دیا کہ پن نہیں ہے۔ دو منٹ کے بعد ایک اور صاحب پہنچے، شاہ جیؒ! پن ہے؟ شاہ جی کے مزاج کا پارہ چڑھنے لگا۔ باہر نکل آئے اور کہنے لگے کیا تم سب کے ٹانکے اُدھڑ چکے ہیں کہ باری باری آ کر مجھ سے پن مانگتے ہو، اتنے میں ایک اور دوست پہنچ گئے اور نہایت متانت سے فرمانے لگے شاہ جیؒ! آپ کے پاس پن تو ہوگی؟ شاہ جی نے انہیں بُری طرح ڈانٹا اس کے بعد جو ہر طرف سے شاہ جیؒ! پن ہے؟ کے سوالات شروع ہوئے تو شاہ جی اتنے غصے میں آئے کہ مادر و خواہر کی مغلظات تک سنائیں۔ خیر ہم نے بڑی کوشش اور خوشامد درآمد سے ان کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور بتایا کہ ہم تو صرف شلجم کے اچار والے لطیفے کو دہرا رہے تھے۔

جیل یا کھیل:

جو لوگ شاہ جی کے ساتھ جیل خانے میں رہے ان کا بیان ہے کہ شاہ جی قید کو

کبھی سیریس (serious) نہیں لیتے تھے، جیل خانے کی چاردیواری میں ان کے قہقہے زیادہ وسیع ہو جاتے، اکثر نوجوان جو جیل میں ساتھ رہے آپ کی باغ و بہار طبیعت کے انتہائی گرویدہ تھے بالخصوص کمیونسٹ اور سوشلسٹ نوجوان جو اُن کی شخصیت سے پیار کرتے لیکن خطابت سے خوف کھاتے تھے۔ مشہور ٹیررسٹ قیدی شیر جنگ نے ملتان سنٹرل جیل میں آپ سے ترجمہ کے ساتھ قرآن پڑھا تھا، ایک دن اس نے سوال کیا:

''شاہ جی! قرآن میں یہ تو درج ہے کہ مسلمان آزاد رہ کر اس طرح زندگی بسر کریں لیکن یہ کہیں درج نہیں کہ غلام ہوں تو کیونکر زندگی گزاریں؟ سارے قرآن میں مسلمان اور غلامی کہیں بھی اکٹھے نہیں ہیں، آخر مسلمان جنگ آزادی میں حصہ کیوں نہیں لیتے''؟

مجھے ایسی سیاست سے کوئی تعلق نہیں:

یہ بات شاہ جیؒ کے دل میں اتر گئی۔ پھر کیا تھا مدت العمر عام جلسوں میں مسلمانوں سے اس کا جواب پوچھتے پھرے۔

ایک سوشلسٹ نوجوان نے جو آپ کے ساتھ قید میں تھا سوال کیا:

شاہ جیؒ! آپ نے کبھی نماز ترک نہیں کی اور نہ کبھی روزہ چھوڑا؟ پھر آپ کا دل عام نمازیوں کی طرح سخت کیوں نہیں؟

شاہ جیؒ مسکرائے، فرمایا بھائی:

''جو مذہب انسان کے دل کو گداز نہیں کرتا وہ مذہب نہیں، سیاست ہے اور مجھے ایسی سیاست سے کوئی تعلق نہیں''۔

جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے :

آپ کی قید و بند کا یہ پہلو دلچسپ تھا جب بھی آپ پر کوئی آفت ٹوٹی، بفضل تعالیٰ آوارہ ٹکڑے کی طرح نکل گئی مثلاً سکندر وزارت کے ساختہ مقدمات نہایت سنگین تھے ان میں عمر قید یا سزائے موت کی سزائیں تھیں لیکن......

ع رسیدہ بود بلائے و لے بخیر گزشت

ان مرحلوں میں لاکھوں انسانوں کی دعائیں آپ کے ساتھ شامل تھیں، ہزاروں افراد جن میں عابد شب زندہ دار سے لے کر زاہد مرتاض تک شریک تھے، آپ کے دعا گو رہے اور بڑے سے بڑا معرکہ سر ہوتا رہا ......

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

قرآنی وظائف :

بعض اہل اللہ نے قرآنی وظائف بتا رکھے تھے۔ عمر بھر ان قرآنی وظائف کا ورد کیا۔ آخری عمر میں انہی وظائف کے ہو گئے۔ ان کا بیان تھا کہ اہل اللہ کی توجہ اور قرآن پاک سے ان کے شغف کا نتیجہ ہے کہ انہیں کوئی طاقت سر نہیں کر سکتی اور نہ کسی بخت وپز سے اپنی مرضی ومنشا کے مطابق قید میں ڈال سکتی ہے لطیفہ غیبی کہیے کہ تحریک خلافت کی سہ سالہ قید کے بعد وہ کبھی کسی طویل عرصہ کے لئے اسیر نہ ہوئے۔ جس زمانہ میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک چلی تو اپنے واضح خیالات کے باوجود کھلے پھرتے رہے۔ پاکستان میں تحریک ختم نبوتؐ کا جو اندوہناک نقشہ جما اس قید سے بھی ایک سال کے اندر اندر رہا ہو گئے تقریروں میں گرفت کا عنصر شاذ ہی ہوتا تمام تقریریں مصرعہ

ہائے غزل کی طرح اتنی رنگا رنگ ہوتیں کہ انہیں اول تو قلم بند کرنا ہی دشوار تھا، دوم سی آئی ڈی کا محکمہ جن فضلائے عصر پر مشتمل تھا وہ ان الفاظ ومطالب کی پکڑ سے قاصر تھے ان میں مطالب آشنائی کا جوہر ہی نہ تھا۔

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا :

پاکستان بنا تو سیاست سے ذہناً مستعفی ہوگئے لیکن قادیانیوں کا تعاقب جاری رکھا۔ آخر ۲۸ فروری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں راست اقدام کا فیصلہ کیا تو حکومت نے راتوں رات سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر کے سکھر جیل میں رکھا۔ ایک بڑے افسر نے آپ سے جیل میں ملاقات کی اور بزعمِ خویش نصیحت کرنے لگا۔

''شاہ صاحب اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے اور انگریز جا چکا ہے مگر آپ ابھی تک پرانے ڈگر پر قائم ہے بھلا اپنی ہی حکومت کے خلاف ہنگامہ آرائی سے کیا فائدہ؟ سوائے اس کے کہ اسلامی حکومت کمزور ہو''؟

شاہ جی ان بزرگوار کو اچھی طرح جانتے تھے ان کے لہجے کی سادگی پر مسکراتے ہوئے فرمایا: ''جی ہاں! میرے علم میں بھی ہے کہ اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہے لیکن .... ع سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

کچھ لوگ اسلامی حکومتوں میں برسر اقتدار ہوتے اور کچھ جیل خانے میں رہتے ہیں، آپ اپنا کام کیجئے، ہمیں ہمارا کام کرنے دیجئے، تاریخ اپنے آپ کو اس طرح دہراتی ہے۔

تجربہ گاہ :

شاہ جی نے جیل خانے میں بڑے بڑے تجربے حاصل کئے، فرماتے جیل

خانہ ترازو ہے اور کسوٹی بھی، جس سے ہر انسان کی اصلیت معلوم ہو جاتی ہے کسی انسان کا ظرف پرکھنا ہو یا یہ معلوم کرنا ہو کہ وہ کیا ہے؟ تو اسے دسترخوان یا جیل خانے میں پہچاننے کی کوشش کرو۔ دونوں جگہیں ایسی ہیں جہاں انسان بولتا ہے۔ اس معیار پر انہوں نے ان دونوں کو پرکھا اور تولا۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر افراد کے معاملے میں ان کی رائے بڑی صاف اور پختہ تھی۔ جہاں تک سیاسی تحریکوں میں قید ہونے والے افراد کا تعلق تھا وہ جیل خانے کو تربیت گاہ سمجھتے لیکن اخلاقی مجرموں کے بارے میں ان کا نقطۂ نگاہ مختلف تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جیل خانے مجرموں کو مزید مجرم بناتے ہیں اور یہاں اصلاحِ احوال کی توقع ہی عبث ہے جو خرابیاں ایک اخلاقی قیدی کو جیل خانے میں سوجھتی اور بجھائی جاتی ہیں وہ ایسی ہیں کہ ایک طرف خطرناک جرم پرورش پاتے ہیں دوسری طرف سزا کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

قانون، مکڑی کا جالا :

قانون وسزا کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر حکیمانہ تھا، وہ قانون کو حکیم سولن کے الفاظ میں مکڑی کا جالا سمجھتے جو طاقتور سے ٹوٹ جاتا اور کمزور کو پھانس لیتا ہے ان کی نظر میں جرم سے کہیں زیادہ قانون سخت تھا اور سزا کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ محض انتقام ہے اپنی قید و بند کے خلاف کبھی کوئی شکایت نہ کی اور نہ کسی افسر مجاز کا گلہ کیا۔ جو صعوبتیں پیش آئیں انہیں بچشم قبول کیا۔ البتہ کبھی کبھار تقریر کا رنگ باندھنے کے لئے فرماتے۔

> ’’جیل خانہ میری بیوی کا حق مہر نہ تھا اور نہ ہی وہ عفیفہ خاتون اپنے جہیز میں ساتھ لائی تھی‘‘۔

ان کے گنجلک بالوں کی سپیدی، کھلے ماتھے کی سلوٹوں اور متحرک آنکھوں کی عقبی لہروں پر اچٹتی ہوئی نظریں ڈالتے ہی قید و بند کی ایک ایسی تاریخ سامنے آجاتی تھی جس کا سرنوشت تھا.......

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نہ بود

(سوانح وافکار ص:۷۹تا۹۱)

حضرت امیر شریعتؒ تحریک ختم نبوت کے معرکتہ الآرا خطیب تھے۔ عام مقررین والی نزاکتیں، آمادگی کے باوجود معذرتیں اور گلے کی خرابی اور سردردی کی کوفتیں ان میں نہیں پائی جاتی تھیں۔ وہ فرض شناس رہنما تھے۔ جہاں کھڑے کر دیئے جاتے وہاں ڈٹ کر کھڑے ہو جاتے، جہاں کچھ کہنا ہوتا بے تکان، بے تکلف بے لحاظ کہتے۔ ان کی ہر تقریر میں ایک نیا پن ہوتا، ایک نیا خیال، ایک نیا جمال، ایک نیا انداز بیاں ایک قدر مشترک تھی وہ بے حد رقت انگیز تقریر کرتے۔ خود بھی روتے، مجمع کو بھی رلاتے۔ شورش نے کیا خوب ترجمانی کی ہے.........

وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ
اسی کی صورت کو تک رہا ہے سفر سے ٹوٹا ہوا زمانہ



باب نہم

ذوقِ شعروادب، ظرافت، حاضر جوابیاں اور چٹکلے

امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو اللہ تعالیٰ نے زبان اس قدر شستہ اور صاف عطا فرمائی تھی کہ جب آپ اردو میں گفتگو فرماتے تو یہ گمان ہوتا کہ پنجاب کے باشندے نہیں دہلی اور لکھنو کے اہل زبان ہیں۔ آپ کو خود بھی اپنی زبان پر ناز تھا اور فرماتے میں پٹنہ میں پیدا ہوا ہوں اس لئے اہل زبان بھی ہوں۔ امیرِ شریعت کا ادبی ذوق بہت بلند تھا، شعروادب ان کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ نہ شعر کہنا ان کے لئے کوئی دشوار کام تھا، اور نہ تقریر کرنا کوئی بوجھل کام تھا۔ ان کو ہزاروں عربی، فارسی، اردو پنجابی اشعار ازبر تھے اور ان کو اپنی تقاریر میں کچھ اس انداز سے برمحل استعمال فرماتے کہ سننے والے تڑپ اٹھتے تھے۔ ان کی تقریر کے دوران ادبی ذوق رکھنے والے اپنی نوٹ بک نکال کر بیٹھ جاتے جب حضرت شاہ جیؒ شعر پڑھتے تو وہ لوگ اس کو جھٹ نقل کر لیتے۔ شاہ جی کی زبان بڑی پاکیزہ ہوتی تھی۔ گرائمر' محاورہ، اسلوبِ بیان، زبان کی ہر غلطی سے وہ پاک

بولتے، لکھتے اور اپنے ہر ہر لفظ کے لئے پوری قوت سے دلیل رکھتے تھے۔

شعروادب :

علامہ طالوت مرحوم فرماتے ہیں :

ہم جملہ عقیدت مندوں کی طرح مدت العمر شاہ جی کو ایک بے مثال خطیب اور بے نظیر سخن فہم سمجھتے رہے مگر ایک دن بیٹھے بٹھائے دفعتہً ہمیں معلوم ہوا کہ شاہ جی شاعر بھی ہیں۔ اور ندیمؔ تخلص فرماتے ہیں۔ سچ جانیئے کہ آسمان پھٹ پڑتا اور ہم اپنی آنکھوں سے فرشتوں کو زمین پر گرتا ہوا دیکھ لیتے تو ہم کو اتنا تعجب نہ ہوتا جتنا یہ سن کر تعجب ہوا کہ شاہ جی بھی شاعری فرماتے ہیں۔ یہ تعجب اس بناء پر نہیں تھا کہ شعروسخن کوئی عالم بالا کی چیز تھی اور وہاں تک شاہ صاحب کی رسائی نہیں تھی۔ بلکہ یہ استعجاب :

ع ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

کی اقسام میں سے تھا۔ یہ تو ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سخن گوئی سے سخن فہمی زیادہ مشکل ہے اور شاہ جی جب سخن فہموں کے بھی سردار ہیں تو سخن سنجی ان کے مرتبہ سے فروتر بات ہے۔ مگر اس فروتر بات میں بھی اس قدر پختگی، بلندی اور چستی ہوگی اس کا ہمیں گمان تک بھی نہیں تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے شعر گوئی کی طرف عمداً اور ارادۃً توجہ نہیں فرمائی اور جس طرح ہمیں دفعتہً معلوم ہوا کہ وہ شاعر ہیں۔ خود انہیں بھی اچانک واردات کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ سخن فہمی کے ساتھ ساتھ سخن گوئی کے جراثیم بھی ان کے اندر پائے جاتے ہیں۔ مگر شکر کیجئے کہ بحیثیت فن انہوں نے اس کو اختیار نہیں فرمایا۔ ورنہ بڑے بڑوں کے نام ان کی سخن وری کے سامنے ''چھوٹو رام'' ہو کے رہ جاتے۔ ان کی زندگی بازی گاہِ سیاست میں جس نہج پر گزری اس کے متعلق کبھی میں نے

کہا تھا ....ؔ

صبح دم ریل میں گزرتی ہے
شب کسی جیل میں گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو اس کھیل میں گزرتی ہے

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا :

اور اسے تفنن نہ خیال فرمایئے بلکہ یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی خداداد نعمت (خطابت) کے تشکر میں کراچی سے کلکتہ اور گلگت سے ممبئی تک سارے برِ عظیم پاک و ہند میں گاؤں گاؤں، شہر شہر اور کونے کونے کا سفر کر ڈالا، اور ہر جگہ لوگوں کو آزادی و وطن خواہی اور مغربیت سے ایمان و اسلام کو بچا لینے کا درس دیا۔ یہ کام اس قدر وسیع تھا کہ انہیں اس کے سوا کسی دوسری طرف توجہ فرمائی کا موقع ہی نہ مل سکا۔

پھر تعجب بالائے تعجب اس وقت ہوا جب یہ معلوم ہوا کہ شاہ جی کے فاضل فرزند حضرت ابوذر بخاریؒ نے موتیوں کے ان بکھرے ہوئے دانوں کو بڑے سلیقہ سے ایک سلک میں پرو کر بازار کساد و فساد میں پیش کرنے کا ارادہ فرمالیا ہے اور پھر اس مشکِ نافہ کے لئے عطار کے فرائض مجھ ہیچمدان و ہیچ میرز کو ادا کرنے ہوں گے۔ اب:

ع کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

پہلے تو یہ خیال آیا کہ تعارف میں صرف سعدی کے الفاظ لکھ دوں "مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید" مگر پھر خیال ہوا کہ عطاروں کے بازار میں تو یہ بات کہتے ہوئے حرج نہیں اور جس بازار میں حضرت ابوذر اپنا یہ گنجینۂ زر پیش کرنے والے

ہیں وہاں : ع شناسا نہیں کوئی بھی اس ہنر کا

پھر اس کے ساتھ خطرہ یہ بھی ہے کہ کچھ کہنے کے ساتھ کہنے والے کا بھرم بھی کھلتا ہے۔ شاہ جی فرمائیں گے: ع شعر مرا بمدرسہ کہ برد؟

اور اہل نظر کہیں گے: ع سخن فہمی عالم بالا معلوم شد!

بہت سوچا اصطلاحات کا سہارا لینے کو جی چاہا اور معاً غالب کا شعر دماغ میں گھومنے لگا ....

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

دل کو ایک گونہ تسلی ہوئی اور شاہ جیؒ کے کلام کو دیکھنے بیٹھ گیا کہ اَب بادہ و ساغر کی اوٹ میں بہت کچھ لکھ لوں گا' ورق اُلٹا کر نظر ڈالی تو سب سے پہلے شاہ جیؒ کے اس شعر پر جا پڑی ....

گر ہو دوائے عشق کی تلخی نصیبِ عقل
بنتی ہے پھر تو بادۂ و ساغر کہے بغیر

پڑھتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اصطلاحات کا سہارا ھباءً منثوراً ہو گیا اور ضمیر نے کہا کہ اب کہو اور میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ غالب کے بعد غالب کے زمینوں میں پہلے تو بہت کم لکھا گیا اور تھوڑا بہت جو لکھا گیا وہ عموماً کامیاب نہیں رہا۔ ''جواب آں غزل'' کا دور غالب کے ساتھ ہی ختم ہو گیا .... ع

ایں جواب آں غزل غالب کہ صائب گفتہ است

لیکن اگر شاہ جی اس شعر کے جواب کی بجائے جواب آں غزل لکھ ڈالتے تو

کیا کامیاب نہ ہوتے؟

دوسرے صفحے پر نگاہ پڑی تو فارسی کی ایک نعت سامنے آگئی جس کا مطلع ہے............

ہزار صبح بہار از نگاہ مے چکدش
جوں بپیچش زلفِ سیاہ مے چکدش

مطلع پڑھتے ہی ایک بہت پرانا واقعہ ذہن پر چھا گیا۔ اور دل نے گواہی دی کہ یقیناً یہ نعت اس واقعہ کے بعد ہوئی ہوگی۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک بار میں نے شاہ جی کی ایک تقریر سنی یوں تو ہر تقریر خطابت کا شاہکار ہوتی ہے مگر اس تقریر کا رنگ ہی کچھ اور تھا۔ تقریر تقریباً ساری رات جاری رہی مگر ہزاروں کے مجمع میں سے ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جسے کوئی داعیہ تقریر میں سے اٹھا کے لے گیا ہو۔ شاہ جی کا چہرہ جلال و جمال کا مرقع بنا ہوا بجلی کی روشنی میں آفتاب کی طرح چمک رہا تھا مجھے اس موقع پر پرانے کسی استاد کی رباعی یاد آگئی......

از سخن شہد ناب مے چکدش
وز تبسم گلاب مے چکدش
مے تواں گفت کز حرارتِ مَے
از جبیں آفتاب مے چکدش

میں نے ایک لفظ کی تبدیلی سے اسے شاہ جی پر چسپاں کر دیا......

از سخن شہد ناب مے چکدش
وز تبسم گلاب مے چکدش

می تواں گفت کز حرارتِ وعظ
از جبیں آفتاب مے چکدش

اور پاس بیٹھے ہوئے ایک دوست کو سنادی۔ وہ تڑپ اٹھا اور بار بار رباعی کے مصرعے دہراتا اور شاہ جی کو دیکھتا۔ بعد میں یہ یاد نہیں کہ میں نے یہ رباعی خود یا اس دوست نے شاہ جی کو سنائی۔ اگرچہ آپ نے ہماری اصلاح تو قبول نہ فرمائی۔ مگر رباعی کو بہت پسند فرمایا۔ لکھ لی، اپنی عادت کے مطابق جھوم جھوم کر کئی بار سنائی۔ ہمارے لئے سب سے بڑی خوشی اس بات کی تھی کہ لو جی! ایک چیز تو ہم بھی ایسی نکال لائے جو اب تک شاہ جی کے ذخیرۂ انتخاب میں نہیں تھی۔ ورنہ عموماً یہ ہوا کہ ان کی محفل میں کوئی شعر پیش کرو تو اس کے ساتھ دو تین شعر اور سنا ڈالتے ہیں اور دل نے ابھتا جا یہ کہا کہ اس رباعی کے ساتھ ساتھ اب تمہارا نام بھی شاہ جی کے دل میں محفوظ ہو گیا اتنے سے تقرب پر اتنا نشہ چھا گیا کہ بس کچھ نہ پوچھئے ....

ع بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

مگر یہ بات ہمارے وہم وگماں میں بھی نہیں تھی کہ اس رباعی کا کچھ جواب بھی ہو سکتا ہے اور وہ بھی اتنا عمدہ اور بلند پایہ۔ کسی بڑے سے بڑے سخن فہم کے سامنے یہ نعت پڑھ جایئے اور پوچھئے کہ یہ کس کا کلام ہو سکتا ہے تو جواب یہی ملے گا کہ کسی پرانے استاد کا کلام ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ دیکھئے تو سہی ....

چمن چمن گل ونسریں زعکسِ رخ ریزد
سبد سبد گل خنداں زراہ می چکدش

خندۂ نمکیں اور چشم سیاہ کی فتنہ انگیزیاں ملاحظہ ہوں۔ الحفیظ والامان!

چہ شور ہاست بجانم زخندۂ نمکیں
چہ فتنہ ہا کہ زچشم سیاہ می چکدش

صفات حق کی جلوہ نمائی کا بیان آپ نے بہت پڑھا ہوگا مگر ذات وصفات کے شاہد اور گواہ آپ نے بہت کم دیکھے ہوں گے ....

چہ گفتگو چہ تبسم شہادتے بحدوث
زنور چہرۂ قِدَم را گواہ می چکدش

اس نعت کے ساتھ ساتھ یہ نعت بھی ملاحظہ فرمایئے اور ہو سکے تو سخن فہموں کے ہاں اسے جامیؒ کی طرف منسوب کر کے سنا دیجئے ان شاء اللہ ان میں سے کوئی ایک بھی آپ سے یہ نہیں کہے گا کہ یہ نعت جامی کی نہیں ہو سکتی!

لولاک ذرۂ زجہانِ محمد است
سبحان من یراہ چہ شانِ محمد است
سیپارۂ کلامِ الٰہی خدا گواہ
آں ہم عبارتے ز زبان محمد است
نازد بنام پاک محمد کلام پاک است
نازم باں کلام کہ جانِ محمد است
توحید را نقطۂ پرکار دینِ ماست
دانی؟ کہ نکتۂ ز بیانِ محمد است

وہی جامی کا سوز وگداز، وہی بیان کی پختگی وشستگی، وہی انداز وطرز بیاں کون سی چیز ایسی ہے جو جامی کے ہاں ہو اور یہاں نہ ہو؟

اردو میں وحدت الوجود کا مسئلہ شاہ جیؒ نے صرف ایک شعر میں بیان فرمایا ہے

دیکھئے کس قدر صاف اور تعبیر کتنی دلکش ہے ....

ذرّوں سے تا بہ مہر، ستاروں سے تا چمن
عکسِ جمالِ یار کی تابندگی ہے دوست

(سواطع الالہام ص:۱۲)

تین میں ایک، ایک میں تین :

یہ وہ جاہلانہ وحدت الوجود نہیں جہاں عیسائیوں کی طرح ''تین میں ایک اور ایک میں تین'' کے بجائے ''دو میں ایک اور ایک میں دو'' یا ''ایک میں سب اور سب میں ایک'' کہا جاتا ہے۔ بلکہ یہ وہ عالمانہ وحدت الوجود ہے، نہ جس کے سمجھنے میں دقت پیش آئے نہ جسے ماننے میں کوئی امر مانع ہو۔ وحدت کو وجد آیا تو اس نے اپنی صفات کے مظاہر کو پھیلا دیا۔ ذات نے صفات کی جلوہ نمائی کی، اور جلوۂ ذات متحرک ہوا۔ دیدۂ بینا جہاں جہاں تھی وہ حیران رہ گئی۔ اردو میں وحدت الوجود کا مسئلہ آپ نے صرف ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔ زبان وبیان دیکھئے کس قدر صاف اور تعبیر کتنی دلکش ہے ....

ذروں سے تا بہ مہر ستاروں سے تا چمن
عکسِ جمال یار کی تابندگی ہے دوست!
بخت اگر رسا شود، دست دہد سبوئے خویش
از نگہ سمن برئے لالہ رخے نکوئے خویش
باغ و بہار ما ندیمؔ یعنے کہ جنت النعیم
روئے خوش است وخوئے خوش بوئے خوش وگلوئے خوش

غنیمت کنجاہی نے اپنی مثنوی میں پنجاب کی تصویر کشی کی ہے۔ اور شاہ جی

نے اس تصویر کا دوسرا رخ اسی زمین میں پیش کیا۔ دونوں ساتھ ساتھ ملاحظہ ہوں :

چند نظمیں اردو میں اکبر کے رنگ کی بھی موجود ہیں جن میں مزاح اور تفنن ہے اور انہیں پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر شاہ جیؒ خارزار سیاست سے دامن نہ الجھا لیتے تو موجودہ وقت میں نظم وشاعری اور ادب میں اکبر کے صحیح جانشین ہوتے اور جب اتنا اور اس میں اضافہ ہو جائے کہ ان کی اکثر نظمیں فی البدیہ کہی ہوئی ہیں تو اور بھی ان کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ غالب کی طرح شاہ جی بھی یہ کہنے میں حق بجانب ہیں

ع کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے

نہ یہ اشعار اس بناء پر انہوں نے لکھے ہیں کہ واقعی وہ شعر لکھ رہے ہیں اور نہ جن کو انہوں نے کبھی اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ ان کی حیثیت محض تبرکات اور تاریخ کے گم ہو جانے والے اوراق کے لئے صرف "یادداشت" کی ہے اور بس!

خلاصہ کلام :

خداداد خطابت میں جو کام شاہ جی عمر بھر کرتے رہے اس کا خلاصہ دو باتوں میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حضور خواجہ دوسرا ﷺ کی مدح وثنا۔

(۲) اور حضور ﷺ کے دشمنوں سے دائمی نہ ختم ہونے والا جھگڑا۔

شاہ جی کی شاعری کا سرمایہ بھی یہی دو باتیں ہیں اور یہ آفتاب کو چراغ دکھانے کے سلسلہ میں آپ کے چند نعتیہ نشتروں کو پیش کر کے ختم کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ آپ براہ راست نور آفتاب سے مستفید ہو سکیں۔ چراغ تلے تو آپ کو معلوم ہے ہمیشہ اندھیرا ہی ہوتا ہے اور دیر تک اندھیرے میں بھٹکنا ہی کچھ بھلے لوگوں کا کام نہیں۔

نعت کا مطلع ملاحظہ فرمائیں ......ے

جلوہ ایست کہ آسودہ در برِ خاک است
کہ ذرہ ذرہ طرب ریز و بس طربناک است

دوسرے مطلع کی بلندی دیکھئے ....ے

بیا کہ باتو سخنہا زحرف لولاک است
بیا کہ باتو حکایت ز قدرِ افلاک است

نعت گو شاعروں کے ہاں حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا بیان عام ہے۔اور ہر شخص حضور ﷺ کی مدح وثناء میں اس کا ذکر کرتا ہے۔مگر کسی نے آج تک اس کی یوں تجزی نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے ماخلقت الارض نہیں فرمایا۔ بلکہ ما خلقت الافلاک فرمایا ہے اور اس میں کیا نکتہ ہے؟ اگر یہ تجزی پہلے معہود ہوتی تو یہ مطلع تھا مگر چونکہ یہ کام پہلے پہل آپ نے کیا ہے اس لئے دوسرے مطلع سے پہلے ایک شعر میں اس طرح متوجہ فرماتے ہیں کہ ....ے

نگفت خالق مطلع کہ ماخلقت الارض
مقامِ فکر وتامل حدیث لولاک است

اس شعر کے بعد ذرا پھر شاہ جی کا مطلع ثانی پڑھ کر دیکھئے تا کہ آپ ''قدر افلاک'' کی قدر پہچان سکیں۔ بیشک افلاک کی قدر بہت بڑی ہے۔مگر اب زمین کی قدر کی افزائش بھی قابل غور ہے ....ے

مقام و منزل قرآن و انبیاء گردید!
بہ مشتِ خاک بنازم چہ رتبہٗ خاک است

سبحان اللہ ....

زمیں کو اس ترقی پر فلک سے داد ملتی ہے
فلک کیا عرش باری سے مبارکباد ملتی ہے!

(مقدمہ سواطع الالہام ص ۴۳ تا ۶۰)

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی شاعری :

خطابت اور شاعری کا چولی دامن کا ساتھ ہے یہ دونوں فن ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ خطیب نثر میں شاعری کرتا ہے وہی نثر جب موزوں ہو جائے تو شاعری بن جاتی ہے۔ خطیب اپنی تقریر کو دلکش اور مؤثر بنانے کے لئے شاعرانہ ہنر سے کام لیتا ہے۔ اس لئے ایک اچھے خطیب کے اندر ایک اچھا شاعر پوشیدہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں شعر فہمی اور شعر گوئی بھی علماء کی روایت رہی ہے عمر خیام جب رصدگاہ کے کام سے تھک جاتا تو رباعی کہہ لیتا، ابن سینا بھی کبھی کبھی شعر کہتے تھے۔ عطاء اللہ شاہ بخاری خطیب بے مثل تھے۔ اسی ناطے سے ان میں ایک شاعرِ بے مثل پوشیدہ تھا۔ مگر انہوں نے شاعری کے فن کو اختیار نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس پر توجہ دی، وہ اعلیٰ شعری ذوق کے مالک تھے۔ بچپن کے شعری مجالس نے اس ذوق کی تربیت کی مگر آپ نے باقاعدہ طور پر شاعری نہیں کی۔ بلکہ کہیں کہیں کسی خاص تحریک وترغیب کے زیرِ اثر اشعار کہے اور ندیم تخلص اختیار کیا۔

ان کے اشعار کا ایک مجموعہ ''سواطع الالہام'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ سواطع الالہام فیضی کی تفسیر غیر منقوط کا نام ہے۔ چونکہ شاعری کو بھی الہامی سمجھا جاتا ہے۔ اور ساطعہ بجلی کی چمک کو کہتے ہیں۔ اس رعایت سے یہ نام موزوں ہے۔ جب

کسی الہام کی بجلی چمکی اس کے نتیجے میں جو شعر ہوا وہ ساطعہ ہے۔ یوں اس مجموعہ میں بہت سے ساطعات جمع ہو گئے ہیں۔

اس مجموعے میں دو زبانوں میں اشعار موجود ہیں۔ یعنی فارسی اور اردو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ جی کو ان زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ اس مجموعے کے فارسی اشعار میں فکری گہرائی بہت زیادہ ہے اظہار بھی مؤثر ہے اور اسلوب بھی سلیس ہے۔

شاہ صاحب کی اردو نظمیں ہنگامی موضوعات پر ہیں۔ ہنگامی موضوعات پر ہونے کی وجہ سے یہ نظمیں ہلکی پھلکی ہیں اور بعض میں طنز و مزاح پایا جاتا ہے۔ ان نظموں میں روانی کمال کی ہے، ایک نظم کا ایک بند ملاحظہ کیجئے ......

دن کو پوجو ، رات کو پوجو
رنگ برنگی دھات کو پوجو
مٹی پتھر پات کو پوجو
ایک نہ پوجو سات کو پوجو
تم کیا جانو اے نادانو!
تم کیا سمجھو تم کیا جانو!

ان نظموں کے علاوہ شاہ صاحب کی فردیات قابل توجہ ہیں ......

چمن کو اس لئے مالی نے خوں سے سینچا تھا
کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں

یہ شعر وطن کی حالات کی خوب عکاسی کرتا ہے۔ شاہ صاحب نے یہ شعر ساحر لدھیانوی کو عطاء کیا تھا۔ اور اب یہ شعر ساحر لدھیانوی کی کتاب ''تلخیاں'' کی زینت ہے۔ چند اور فرد ملاحظہ کیجئے ....

وہ آنکھوں میں موجود اور چشمِ حیراں
اِدھر ڈھونڈتی ہے اُدھر ڈھونڈتی ہے
گر ہو دوائے عشق کی تلخی نصیبِ عقل
بنتی ہے پھر تو بادہ و ساغر کہے بغیر
سب سے پہلے حسن کی رعنائیاں ناپی گئیں
پھر ہمارے عشق کی پہنائیاں ناپی گئیں

ان اشعار سے شاہ صاحب کی شعر گوئی کا سلیقہ ظاہر ہوتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں زبان و بیان پر کتنی قدرت حاصل تھی، اور وہ اردو کی کلاسیکی شعری روایت سے واقف بھی تھے۔ اگر شاہ صاحب اس فن پر بھی کچھ توجہ صرف کرتے تو اردو کو ایک اور اچھا شاعر مل جاتا۔ مگر انہوں نے اس فن پر کیوں توجہ نہیں دی اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہے، ان میں سے بعض پر قیاس آرائی ممکن ہے۔ بہر حال مختصر سا مجموعہ ''سواطع الالہام'' ان کی شعر فہمی اور شعر گوئی کی اعلیٰ ذوق کی دلیل ہے۔

پنجابی شاعری سے دلچسپی :

مولانا مقبول احمد صاحب فرماتے ہیں :

ایک روز پنجابی شاعری پر گفتگو ہو رہی تھی۔ شاہ جی پنجابی زبان کی وسعت اس کی جدت اور اس کی بے ساختگی کی داد دے رہے تھے۔ شاہ جی نے ہیر وارث شاہ سے چند اشعار بھی سنائے۔ دوسرے پنجابی شعراء کا تذکرہ رہا۔ صوفیائے کرام کی شاعری پر شاہ جی نے اپنے خیالات کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ان کی شاعری میں جو سوز، رقت اور واردات قلبی کا اظہار کیا وہ دوسری زبانوں میں بہت کم نظر آتا ہے۔ شاہ

جی کو پنجابی کا ایک شعر سنایا گیا .... ؎

میری گھگھری نوں گھنگھرو پوآدے
جے توں میری ٹور ویکھنی

شاہ جی کو شعر بہت پسند آیا۔ مجھے اس شعر میں کوئی جدت یا ندرت خیال نظر نہ آئی۔ مجھے شاہ جی کی شعر فہمی کے بارے میں علم تھا خاموش رہا۔

حضرت اقدس حضرت رائے پوری نور اللہ مرقدہ فیصل آباد میں خالصہ کالج کی مسجد میں مقیم تھے۔ شاہ جی بیماری کی وجہ سے سفر کے قابل نہ تھے۔ نقاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ حضرت اقدس کے ارشاد پر شاہ جی کو کار بھیج کر بلوایا گیا۔ عصر کے بعد حسب معمول حضرت اقدس کی محفل جمی شاہ جی نے اپنی دھوتی کا پلو پکڑ کر حضرت اقدس سے مخاطب ہو کر شعر پڑھا۔ فرمایا حضرت ایک درخواست ہے۔ میرے بیٹے حافظ لدھیانوی نے شعر سنایا تھا۔ پھر اپنی مخصوص لے میں مندرجہ بالا شعر پڑھا۔ آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ دو تین سو آدمی اشکبار ہو گئے۔ شاہ جی شعر پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ حضرت اقدس پر بھی کیفیت طاری ہو گئی۔ شعر کی قسمت جاگ اٹھی اس ادائے خلوص ومحبت میں نیاز مندی، حضرت اقدس سے وابستگی کے ہزار پہلو روشن کر دیئے۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۷)

ہے آنکھوں میں موجود اور چشم حیراں :

جانباز مرزا لکھتے ہیں :

شاہ جیؒ نے اپنا تخلص ''ندیم'' تجویز کیا۔ کبھی کبھار مولوی محمد دین غریبؔ انہیں کوئی مصرعہ دیتے کہ اس پر گرہ لگا دو، چنانچہ ایک دفعہ مصرعہ طرح دیا کہ ...... ؎

ع وہ آنکھوں میں موجود اور چشم حیراں

اس پر امیر شریعت نے یوں گرہ لگائی ......

وہ آنکھوں میں موجود اور چشم حیراں
ادھر ڈھونڈتی ہے اُدھر ڈھونڈتی ہے

اس گرہ پر مولوی محمد دین غریبؔ بہت خوش ہوئے۔

عمر رواں کے ساتھ ساتھ جب کبھی طبیعت موزوں پاتے، فارسی اور اردو میں شعر کہتے۔ چنانچہ ان کے اردو اور فارسی کلام کا مجموعہ ۱۹۵۵ء میں ''سواطع الالہام'' کے نام سے شائع ہوا۔

قوم پر سکرات کا عالم طاری ہے :

گرتی ہوئی دیوار کی طرح امیر شریعت کی صحت کو بڑے سہارے دیے جاتے رہے، لیکن پھول اپنی بہاریں ضائع کر چکا تھا۔ اب گھر میں محفلیں قائم ہوتیں، احباب صبح وشام جمع رہتے، اور شعر وشاعری کا دربار لگتا۔ ان محفلوں میں جو لوگ شریک ہوئے ان میں فیض احمد فیضؔ، صوفی تبسّم، علامہ لطیف انور گورداسپوری، مولانا عبدالرشید نسیم، (جو اخبارات میں علامہ طالوتؔ کے نام سے معروف تھے) عبد الحمید عدمؔ اور ساغرؔ صدیقی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس دوران حکیم صاحب نے ایک دن سوال کیا۔ شاہ جی ایسا لگتا ہے جیسے آپ قوم سے مایوس ہو چکے ہیں۔ جواب میں ایک سرد آہ کے ساتھ فرمایا:

''آپ طبیب ہو کر ایسا سوال کرتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں سکرات کا عالم طاری ہو جائے، تو آپ مریض کی زندگی سے مایوس نہیں ہو جائیں گے؟

بس! یہی حال قوم کا ہے، اس سے مایوس نہ ہو جاؤں تو اور کیا؟

پرسش احوال پر جواب :

اگر کوئی ان دنوں آکر پوچھتا، شاہ جی! کیسی طبیعت ہے؟ تو جواب میں اکثر یہ دو شعر پڑھتے .... ۔

نہ جانے لوگ کیوں ہنستے ہیں میرے چاک داماں پر
جنوں میں جیسا ہونا چاہیے ویسا گریباں ہے

یا

بے دلی ہائے تمنا، کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا، کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

(حیاتِ امیر شریعت ص:۴۴۳)

شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی :

شاہ جی نے شاعری میں اتنا شستہ و رفتہ مذاق پایا تھا کہ شاذ ہی کوئی خطیب کسی زمانہ میں ان کا ہم پایہ ہو۔ ان کی خطیبانہ دلکشی کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ عربی فارسی، اردو، اور پنجابی بلکہ علاقائی شاعری کے باکمال اساتذہ کے دواوین سے آشنا تھے۔ عرب شعراء کے ایک تہائی دیوان انہیں نوک زبان تھے فارسی کا کوئی شاعر ایسا نہ ہوگا۔ کہ شاعر ہو اور ان کے حافظہ میں نہ ہو۔ اردو میں ولی دکنی سے لے کر اس دور میں قدیم نظم تک کے تیر ونشتر ان کے حجلہ گفتار میں رہتے تھے۔ پنجابی شاعروں میں انہیں وارث شاہ، فضل شاہ، علی حیدر، سلطان باہو، پیر مہر علی شاہ، بلھے شاہ، خواجہ غلام فرید حتیٰ کہ اس زمانے کے استاد عشق لہر اور استاد شرم تک کے کلام کا وافر حصہ یاد تھا اور تو اور

دوھڑے ماہیے، ثقہ سے ثقہ موضوع اور نازک سے نازک مضمون میں اس طرح کھپا جاتے تھے کہ انسان نہ صرف ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا بلکہ دماغ کی ایک پھریری کے ساتھ عش عش کر اٹھتا تھا۔

امین گیلانی بیان کرتے ہیں:

پنجاب کے ایک دور افتادہ گاؤں میں تقریر کر رہے تھے۔ موضوع تھا معراج النبی ﷺ ٹھیٹھ پنجابی میں بیان کرتے چلے گئے۔ فرمایا حضور عرش کو چلے تو کائنات تھم گئی، اب تھم گئی کو پنجابی میں سمجھانا شروع کیا کہ رک گئی، پھر فرمایا ٹھہر گئی۔ لوگوں سے پوچھا کیا سمجھے؟ زیادہ تر سرنفی میں ہلے۔ کروٹ لیتے ہوئے فرمایا:

میرے ہالیو! (ہل جوتنے والو) اللہ کا محبوب عاشق کے گھر کو چلا تو حسن وجمال کے اس پیکر متحرک کو دیکھ کر کائنات تھم گئی ٹھہر گئی رک گئی۔ (تسی حال وی نئیں سمجھے تو تہانوں سمجھاناں)

تیرے لونگ دا پیا لشکارا
تے ہالیاں نے حل ڈک لئے

اس خوش آوازی سے پڑھا کہ مجمع لوٹ پوٹ ہوگیا۔ ''رب نے کہا کہ میرا سوہناں آریا اے تے زمین و آسمان دی ایس گردش نو ڈک لوؤ۔ جیہڑے جتھے سن او تھے، دے اوتھے ای ڈک لئے'' جہاں زمیں و آسمان تھے وہاں رک گئے فرش سے عرش کا سفر طے ہوگیا۔

گالی سے انسان قائل نہیں ہوتا:

فرمایا جو کچھ چاہتے ہو مجھے سمجھا دو گالی سے انسان قائل نہیں ہوتا نہ الزام سے

مانتا ہے اور نہ جھوٹ ہی کو دلیل کہا جاتا ہے۔ مجھے قائل کرلو۔ میں کسی کا لیڈر نہیں میں امیر نہیں، مبلغ ہوں۔ یار لوگوں نے شریعت کو نہ ماننے کے لئے مجھے امیر شریعت بنا رکھا ہے لیکن میں امیر نہیں فقیر ہوں۔ میں صرف سپاہی ہوں۔ اللہ کا سپاہی، رسول کا سپاہی، اسلام کا سپاہی، آزادی کا سپاہی، تمہارا سپاہی اور جب تم مجھے سمجھادو گے پھر مجھے تنہا چھوڑ دو۔ تب میں جانوں اور میدان جنگ جانے، سپاہی میرے، خون میرا، رضا کار میرے، قید ہونا پڑے یا تختہ دار پر لٹکنا ہو تم مجھے ہراول دستہ میں پاؤ گے گالی نہ دو سمجھادو۔ (خوش آوازی کے ساتھ)

میری گھگری نوں گھنگھروں پوآدے
جے توں میری ٹور ویکھنی

بس لوگوں کا یہ حال تھا جیسے کسی نے لوٹ لیا ہو۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۰۱)

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا:

فرماتے۔ غالب ہر کوئی پڑھتا ہے میں بھی پڑھتا ہوں لیکن میں ذرا عام روش سے ہٹ کر پڑھتا ہوں۔ یار لوگوں نے اس کی بہت سی شرحیں لکھی ہیں۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است، سوچتا ہوں تو میرے سامنے ان کے مطالب کا رخ ہی دوسرا ہوتا ہے۔ میرا ذہن خو بخود اس کے اشعار کی گتھیاں کھولتا چلا جاتا ہے اور میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ غالب کا نصف دیوان سیاسی ہے۔ اس نے الفاظ کی ریشمی نقابوں میں نہ صرف اپنے عہد دار ورسن اور اپنے زمانہ ادبار وانحطاط کی تصویریں بنائی ہیں بلکہ اشارات اور کنایات میں حالات وواقعات کے دفاتر کو سمو دیا ہے۔

ایک دفعہ جانے کیا موضوع تھا کہنے لگے، بحمد اللہ نفس نے کبھی کوئی جنسی

خیانت نہیں کی۔ کبھی کسی کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ کسی کی عصمت کو تاکا نہیں۔ کسی کی عصمت کو گھورا نہیں۔ دوسروں کی طرف نگاہ غیر شعوری طور پر اٹھی بھی تو اپنی عزت یاد آگئی .... ے

ہم نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

عمر کے آخری برسوں میں عموماً غالب ہی کے اشعار پڑھتے اور سر دھنتے تھے۔ گو ان کے حافظہ پر بیسیوں اساتذہ سخن کے کلام کی راہیں کشادہ تھیں لیکن غالب کے ذکر پر فرماتے ظالم نے دل چیر دیا ہے۔ شیخ حسام الدین ملتان گئے تو بان کی چٹائی پر بیٹھے پان بنا رہے تھے کہنے لگے رات غالب نے کئی گھنٹے بے چین رکھا۔ ہائے کس دن کے لئے کہہ گیا تھا .... ے

بے کسی ہائے تمنا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے دلی ہائے تماشا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

گستاخ اکھیاں :

کتھے مہر علی کتھے تری ثنا
گستاخ اکھیاں کتھے جا اڑیاں

فرمایا! حضرت کا یہ شعر پڑھا تو دنوں تک تڑپتا پھڑکتا رہا۔ عمر بھر لوگوں کو اس سے تڑپایا اور پھڑکایا۔ کئی نعتیہ دیوانوں پر تنہا یہ شعر بھاری ہے۔ گستاخ اکھیاں یہاں اس طرح لگی ہیں کہ کائنات کی حیا کا بوجھ ان پر پڑا ہے۔ اس شعر پر سوچتے جایئے اور پڑھتے جایئے۔ معانی کا ایک بازار آراستہ ہوتا چلا جائے گا پھر یہ رونق کبھی اور کسی وقت

بھی کم نہ ہوگی۔ میں نے لوگوں کو اس پر ماہی بے آب کی طرح لوٹتے دیکھا ہے بلکہ سیرت کے جلسوں میں لوگوں کی ہیئتِ کذائی ہی بدل ڈالی ہے۔

(بخاری کی باتیں ص:۹۷)

میکدہ آباد است :

مولانا عبدالمجید انور فرماتے ہیں: شاہ جی کی عبادت کے لئے مولانا خیر محمد جالندھری چلے تو میں بھی ساتھ ہولیا، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر احباب بیٹھے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے مولانا کو بیٹھک میں قدم رکھتے دیکھا تو معاً اُٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ چہرہ پر خوشی کے آثار پیدا ہوگئے۔ فرمانے لگے حضرت! آج کئی دن کے بعد اُٹھ کر کھڑا ہوا ہوں۔ یہ آپ ہی برکت معلوم ہورہی ہے، ورنہ گھٹنے تو جواب دے چکے ہیں، پھر وجد کی کیفیت میں مولانا سے مخاطب ہوکر یہ اشعار جھوم جھوم کر پڑھنے لگے ....

صدرا ' بہ تو حاجت است چوں من صدرا
بدرا ' بہ تو رونق است نیک و بد را
از دیدن تو قامت من راست شد
چوں راست کنی بلند قدرا' قدرا

مولانا عبدالمجید انور صاحب نے ایک اور واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ خیر المدارس ملتان میں تشریف لائے۔ شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کو اچانک دیکھ کر طلباء کا ہجوم گرد ہوگیا، پھر مدرسہ کے احاطہ کی طرف نگاہ دوڑائی اور فرمایا

مدارسِ دینیہ دین کی حفاظت کے قلعے ہیں۔ان کی بقاء سے دین کی بقا ہے، پھر طلباء سے مخاطب ہوکر ایک کیفیت میں یہ اشعار پڑھے ......

از صد سخن پیرم یک نکتہ مرا یاد است
عالم نہ بود ویراں تامیکدہ آباد است
تادل کہ تواں برون تاجاں کے تواند داد
دل برون و جاں دادن ' ایں ہر دو خداداداست

(بخاری کی باتیں ص:۱۴)

گھی لے کر پہنچو جوتے تیار ہیں :

مولانا احمد الدین صاحب (موضع میاں علیؒ) ضلع شیخوپورہ نے بتایا ہم ایک دفعہ شاہ جیؒ کی خدمت میں ملتان حاضر ہوئے۔وہاں ایک شخص کا ملتانی جوتا بہت پسند آیا۔شاہ جی نے فرمایا: ایسے جوتے بنانے والا ہمارے قریب ہی رہتا ہے۔ ہماری خواہش پر شاہ جی نے اس بلوا بھیجا، ہم نے پاؤں کا ناپ دے دیا۔دوسرے دن جب واپس ہونے لگے تو ہم نے عرض کیا: شاہ جی! آج کل خالص گھی ملنا دشوار ہے۔ ہم آپ کے لئے جب آئے تو کچھ گھر کا گھی لیتے آئیں گے۔شاہ صاحب نے منظور کرلیا، کچھ دنوں کے بعد شاہ جیؒ کا خط ملا :

عزیزم مولوی احمد دین السلام علیکم ورحمۃ اللہ!
''گھی لے کر پہنچو جوتے تیار ہیں''۔
والسلام! عطاء اللہ بخاری

(بخاری کی باتیں ص:۱۵)

اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے :

ایک دفعہ تقریر میں فرمایا: دہلی میں ایک مجذوب تھا جو آہ بھر کر بڑے سوز و گداز سے ہمیشہ ایک ہی مصرع بلند آواز سے پڑھتا اور چل دیتا ......

ع اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

لوگ پوچھتے دوسرا مصرع کیا ہے؟ تو وہ کہتا جس دن میں نے دوسرا مصرع پڑھ دیا تڑپ کر جان دے دوں گا۔

ایک دفعہ چند نوجوانوں نے گھیر لیا اور کہا دوسرا مصرع سناؤ، اس مجذوب نے بہت لیت ولعل کی، مگر وہ باز نہ آئے، آخر اس مجذوب نے تنگ آ کر دوسرا مصرع پڑھ دیا اور تڑپ کر گرا اور جان دے دی ......

وسعتِ دل ہے بہت وسعت صحرا کم ہے
اس لئے مجھ کو تڑپنے کی تمنا کم ہے

فرمایا: اس مجذوب کی قبر شاہی مسجد کے قریب میدان میں چٹلی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ (بخاری کی باتیں ص: ۱۵۸)

تم نے مشاعرہ لوٹ لیا :

امین گیلانی رقم طراز ہیں :

تقسیم ہند سے قبل ریڈیو لاہور میں ایک مشاعرہ ہوا، جس کی صدارت ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے کی۔ مشاعرہ میں حفیظ جالندھری، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، احسان دانش، فیض احمد فیض کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔ صدرِ مشاعرہ تاثیر صاحب نے سب شعراء کے ناموں کا اعلان کرتے ہوئے میرے متعلق فرمایا :

''امین گیلانی اس مشاعرہ میں سب سے کم سن شاعر ہے''۔

میں نے جب غزل پڑھی تو شرکائے مشاعرہ نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی، خصوصاً جب مقطع کا یہ شعر پڑھا کہ ....

امین اہلِ جہاں کافر مجھے کہنے لگے جب سے
مرا اس بت پر ایماں اور محکم ہوتا جاتا ہے

تو بہت ہی داد ملی، اور مقطع بار بار پڑھوایا گیا۔ حضرت شاہ صاحب بھی امرتسر میں یہ مشاعرہ سن رہے تھے۔ لاہور سے واپس آ کر جب کچھ دن بعد شاہ صاحب سے ملنے کے لئے گیا تو مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، فرمایا: امین! میں نے ریڈیو پر تمہارا مشاعرہ سنا تھا، لطف آ گیا، تم نے مشاعرہ لوٹ لیا، کتنی عمدہ غزل تھی، کتنا پیارا ترنم تھا، اور مقطع تو واقعی غزل کی جان تھا۔ پھر وہ غزل مجھ سے روبرو سنی اور والہانہ داد دیتے رہے اور جھومتے رہے۔

کمالِ محبت کی ایک ادا :

تقسیم ہند کے کچھ برس بعد جب میں نے اپنا مجموعہ کلام ''دامانِ خیال'' کے نام سے چھپوایا تو ایک نسخہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھی بھیجا پھر کچھ عرصہ کے بعد شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا، علیک سلیک کے بعد فوراً مصنوعی ناراضی کا لہجہ اختیار کر کے کہا: امین! میں تم سے ناراض ہوں، میں نے عرض کیا شاہ جی! قصور بھی تو بتا دیں۔ فرمایا: ایک نہیں دو جرم تم سے سرزد ہوئے۔ تمہارا مجموعۂ کلام ''دامانِ خیال'' مل گیا، اس کا شکریہ مگر میں نے جب دیباچہ پڑھا تو اس میں تم نے تحریر کیا ہوا ہے کہ عطاء اللہ شاہ سے ہماری دور و نزدیک کی رشتہ داری ہے، پھر فرمایا: نزدیک کے ساتھ یہ دور کا

لفظ مجھے کانٹے کی طرح چبھا۔ کیا تمہاری تایازاد بہن میری بھاوج نہیں۔ افسوس کہ نزدیکیوں کے باوجود تم نے مجھے دور کا رشتہ دار لکھ دیا۔ اچھا جی لو ان رشتوں کو چھوڑو۔ رشتے تو دلوں کے ہوتے ہیں، کیا میں تم سے دور ہوں یا تم مجھ سے دور ہو، شاہ جی نے یہ باتیں اتنے پیار سے کہیں کہ میں آبدیدہ ہو گیا اور عرض کیا معافی چاہتا ہوں، فرمایا: یوں نہیں وعدہ کرو، آئندہ ایڈیشن میں دور نکال کر صرف نزدیک لکھ دو گے، میں نے اقرار کیا، تو فرمایا: ہاں! اب معاف کر دیا۔

کور ذوقوں کی پرواہ نہ کریں:

میں نے کہا: اچھا جی وہ دوسرا قصور کیا ہے؟ فرمایا: اس مجموعہ میں تمہاری وہ غزل بھی شامل ہے جو تم نے ریڈیو پر پڑھی تھی، مگر اس کے مقطع میں جو یہ مصرع تھا، مرا اس بت پر ایماں اور محکم ہوتا جاتا ہے'' وہاں سے بت کا لفظ حذف کر کے جاں کیوں گھسیڑ دیا۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے انگوٹھی میں سے خوب صورت چمکتا ہوا نگینہ نکال کر یونہی بے رنگ سے پتھر کا ٹکڑا لگا دیا ہو۔ میں نے کہا: شاہ جی! آپ جیسے علماء کا لحاظ آیا کہ وہ کہیں گے کہ میں نے کسی بت پر ایمان محکم کر لیا ہے۔ فرمایا: بھئی! افسوس ہے تم نے سب علماء کو ذوقِ لطیف اور سخن شناسی سے بے بہرہ سمجھ لیا، ہاں ناشناس سخن بھی ہوتے ہیں، لیکن ان کی پرواہ نہ کریں، کور ذوقوں کی خاطر صحیح اور پھبتے ہوئے لفظ کو خارج کر دیا، آئندہ اس مقطع کو بھی لفظ بت سے مزین کر دینا۔ کور ذوقوں کی پرواہ نہ کریں۔ بت فارسی کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں محبوب اور معشوق۔ سب اہلِ نظر اور صاحبِ دل یوں ہی سمجھتے ہیں اور استعمال کرتے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا آئندہ یہ بھی درست کر دوں گا، فرمایا: اب پوری پوری صلح ہو گئی۔ (بخاری کی باتیں ص: ۱۱۸)

نفس نفس میں رحمتیں :

تقسیم ہند سے قبل ہندو مسلم فسادات کا دور دورہ تھا۔ شاہ جی لاہور دلی دروازے مجلس احرار اسلام کے دفتر میں تھے۔ راقم الحروف (امین گیلانی) بھی دفتر گیا۔ شاہ جی سے ملا تو فرمایا: آؤ بھائی گیلانی! آج تمہارے استاد یعنی (حضرت احسان دانش) کی غزل نے بڑا مزا دیا۔ واہ واہ بھئی! واقعی استاد ہیں، پھر وہ روزنامہ سامنے پڑا تھا، جس کے سرِ ورق پر وہ غزل تھی۔ بڑے مزے سے پڑھ کر سنائی، ہر شعر پر سر دھنتے اور داد دیتے تھے .... ؎

وہ شاخِ گل پہ زمزموں کی دھن تراشتے رہے
نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا
جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا
نفس نفس میں رحمتیں قدم قدم پہ برکتیں
جدھر جدھر سے وہ شفیع عاصیاں گزر گیا

ان اشعار کو خصوصاً کئی بار پڑھا۔ باتیں ہو رہی تھیں کہ اچانک کسی ضروری کام کے لئے شاہ جی کو اُٹھ کر دوسرے کمرے میں جانا پڑا، میں موقعہ پا کر جلدی سے مکتبہ دانش سے احسان دانش صاحب کو ساتھ لے کر دفتر میں پہنچا تو دیکھا کہ شاہ صاحب اندر والے کمرے کے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے اوپر والی کھٹ کو تھامے بار بار یہ شعر پڑھ رہے ہیں ...... ؎

جہاں نظر نہیں پڑی وہاں ہے رات آج تک
وہیں وہیں سحر ہوئی جہاں جہاں گزر گیا

ہم ایک دو منٹ خاموشی سے کھڑے رہے، پھر احسان صاحب نے بلند آواز سے السلام علیکم کہا۔ شاہ جی! فوراً پلٹے اور وعلیکم السلام کہہ کر حضرت احسان سے لپٹ گئے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا: اچھا ستارہ سحر' سحر کو بھی لے ہی آیا۔ بھئ! تم احسان کو لے آئے مجھ پر احسان کیا، اب کچھ وقت خوب گزرے گا، پھر کافی دیر تک احسان صاحب سے کلام سنتے رہےاور والہانہ داد دیتے رہے۔

(بخاری کی باتیں:۱۸)

چمگادڑ کے مہمان :

شاہ جیؒ نے فرمایا : جنوری ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے۔ الیکشن ہی کا زمانہ تھا۔ میں پنجاب سے فارغ ہو کر سرحد پہنچا، شاید کچھ انتخابات ہو چکے تھے اور کچھ باقی تھے۔ مجھے پروگرام کے مطابق کئی جگہ تقریریں کرنی تھیں۔ اسی سلسلہ میں ہزارہ پہنچا۔ وہاں کانفرنس ختم ہوئی تو اکوڑہ خٹک پہنچے۔ بیت الخلاء کی ضرورت ہوئی تو میں نے پوچھا کہ بھائی! پیشاب پاخانے کے لئے کوئی جگہ ہے۔ تو مولانا غلام غوث ہزارویؒ کہنے لگے کہ جہاں ہم گئے تھے، وہیں کہیں آپ بھی بیٹھ جائیں۔ اب جو میں نے باہر نکل کر دیکھا تو کھلا میدان ہے۔ اس میں کوئی دائیں آرہا ہے، کوئی بائیں سے، کوئی آگے سے کوئی پیچھے سے، اب بیٹھوں تو کہاں؟ میں واپس آکر کمرے میں چپ چاپ لیٹ گیا، اور وہیں یہ نظم لکھ دی۔ مجھے ''چمگادڑ کے مہمان'' کی ضرب المثل یاد آ گئی کہ اس کے پاس کوئی مہمان آ گیا۔ میں نے کہا: بھائی! کہاں بیٹھیں اُٹھیں؟ دن کا وقت تھا،

اور دن کو چمگادڑ درختوں یا مکانوں میں اُلٹے لٹکے رہتے ہیں۔ اس نے وہیں سے جواب دیا کہ ''بھائی! جہاں ہم لٹکے ہوئے ہیں تم بھی وہیں لٹک جاؤ''۔ اور یہی قصہ مجھے اکوڑہ خٹک میں پیش آ گیا کہ جن کے مہمان تھے اُنہوں نے بھی ''جہاں ہم لٹکے ہوئے ہیں، تم بھی وہیں لٹک جاؤ''۔ کی قسم کا مشورہ دے دیا، یعنی جہاں وہ خود لٹکے تھے ہمیں بھی لٹکانا چاہا''۔

''مولانا نے مجھے مشغول دیکھا، تو باہر سے ہی بول اُٹھے کہ آپ کہیں نظم تو نہیں لکھ رہے ہیں؟ میں نے کہا: ہاں! لکھ تو رہا ہوں، کہنے لگے، سنایئے! میں نے پڑھی تو کہنے لگے، یہ لوگوں کو مت سنایئے گا۔ میں نے کہا: اچھا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ جب سب اکٹھے ہو گئے، تو میں نے چپکے سے کاغذ نکال کر نظم پڑھنی شروع کر دی، بس پھر جو حال ہوا، وہ بیان سے باہر ہے''۔

ہری پور ہزارہ کے جلسہ کے بعد یہ آرڈر ملا جیش احرار کو
کہ جانا ہے تم کو اکوڑہ خٹک
یہ فرمان سنتے ہی سب سُرخپوش بانداز خاص و بجوش و خروش
روانہ ہوئے سوئے رود اٹک
ہوئی شام اور سُرخپوش آ گئے اٹک پر برنگ شفق چھا گئے
دیئے سب نے بکس اور بستر پٹک
کسی کو جو فطری تقاضےٰ ہوا مؤدّب وہ اس طرح گویا ہوا
کہ دوں اپنی بوری کو کس جا جھٹک
یہ فرمایا اٹھ کر کے اِک خان نے وہ اِک محترم اور ذیشان نے
بشانِ خصوصی قومِ خٹک

خو! تم نے سُنا ہے وہ شپر کا بات جو اُس نے کہا اپنے حزمان سے
دِکھا کر کے اپنی لٹک اور مٹک
یہاں ٹٹی مٹی کا حاجت نہیں جہاں اُم لٹکتا ہے تو بھی لٹک

(سواطع الالہام ص: ۸۱ تا ۸۳)

ہزارہ کے حکیمِ حاذق :

شاہ جیؒ نے فرمایا : میں مجلس احرار اسلام پشاور کے دفتر میں بخار سے پڑا ہوا تھا کہ اتنے میں مولانا غلام غوث ہزارویؒ آئے، اور پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا: بخار ہے۔ کہنے لگے میرے پاس کرنجوا ہے، وہ کھا لیجئے۔ میں نے کہا کڑوا ہوگا، تو کہنے لگے بخار میں مفید ہوتا ہے۔ میں نے کہا دیجئے، میں نے ہتھیلی پر رکھ کر منہ میں ڈال لیا اور اوپر سے پانی پی لیا۔ جب میں دوا کھا کر پانی پی چکا تو نہایت متانت سے کہنے لگے: آپ کو معلوم ہے اسے فارسی میں کیا کہتے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگے: اس کا نام "خایۂ ابلیس" ہے اور اس پر ایک زور کا قہقہہ لگا۔ میں نے کہا: خدا کے بندے! یہی کرنا تھا تو کھانے سے پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔ تو فرماتے ہیں بتا دیتا تو آپ کھاتے ہی کہاں؟ خیر! کوئی حرج نہیں، چیز مفید ہے، میں نے دل میں کہا کہ لے بھائی! پٹھان چوٹ کر گیا۔ اگر اس کا جواب نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ خیر اس وقت تو میں نے بات ٹال دی اور چپ ہو کر لیٹ رہا، لیکن دھیان اسی طرف تھا کہ کچھ ہونا ضرور چاہئے۔ مولانا تو یہ کہہ کر ایک طرف ہٹ گئے اور باہر برآمدے والے کمرے میں جا کر لیٹ گئے اور میں نے کاپی پنسل جو میرے سرہانے رکھی تھی، اُٹھا کر یہ قطعہ لکھا :

حضرتِ غوث ہزارہ کے حکیم حاذق
جو کہ بیمار سے کم فیس لیا کرتے ہیں

اب یہ معلوم ہوا کہ بخاروں میں حضور
کشتہ خایۂ ابلیس دیا کرتے ہیں

اب مولانا کو فکر ہوئی، کیونکہ وہ مجھے لکھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ تو وہیں سے گھبرا کر پوچھنے لگے کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے کہا آپ کا قصیدہ لکھ رہا ہوں۔ مجھے کرنجوا کھلا کر آپ نے اُسے ''خایۂ ابلیس'' بنایا ہے۔ تو آپ کی تعریف لکھی ہے تا کہ بیماروں کو آپ کے علاج اور دواؤں کا پتہ چل جائے کہ آپ کیا کچھ کرتے اور کھلاتے ہیں۔ کہنے لگے: اچھا سنایئے! میں نے یہ قطعہ پڑھا، اب جو سنا تو لاحول و لاقوۃ پڑھتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے کہ کشتہ نہیں بلکہ سفوف تھا؟ میں نے کہا: اچھا، پہلے نہیں تھا تو اب ''کشتہ'' ہو گیا۔ اس پر بیچارے بہت پریشان ہوئے اور لوگوں کو سنانے سے روکتے رہے، اور مجلس میں ایک تماشا بنا رہا''۔

(سواطع الالہام ص: ۹۲، ۹۳)

<☆☆☆>

حاضر جوابیاں برجستہ جملے

ایک دفعہ شورش نے عرض کیا شاہ جیؒ! سانحہ کربلا پر تقریر فرمایئے۔ کہنے لگے۔ میں اس موضوع پر تقریر نہیں کر سکتا، میرے خاندان پر جو بیتی ہے۔ بیان کروں تو خود میرا جگر شق ہو جائے گا۔ جب کبھی کسی سیاسی مسئلہ میں شیعہ اکابر کو جھنجھوڑتے تو فرماتے:

''کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ حسینؓ کا نام لیتے ہو لیکن صدیوں سے تمہارا اشعار یہ ہو گیا ہے کہ یزید مردہ پر لعن کرتے ہو اور یزید زندہ کی

پوجا کرتے ہو"۔

• باادب بے ایمان :

کسی نے کہا شاہ جی وہابی اور غیر وہابی میں کیا فرق ہے۔فرمایا اس قسم کے سوال نہ کرو دین کی توقیر کم ہوتی ہے۔سائل کا اصرار بڑھا تو کہنے لگے :

"میاں جو تم کہلوانا چاہتے ہو وہ یہ ہے کہ وہابی بے ادب با ایمان ہوتا ہے اور غیر وہابی با ادب بے ایمان"۔

دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا :

ایک نوجوان نے شاہ جی سے کہا۔ہم نے آپ کی شخصیت سے جو تاثر اخذ کیا وہ یہ ہے کہ آپ سے دارورسن نام کی ایک پکچر کا ہیرو بننے کی خواہش کریں کیونکہ آپ کی صورت حضرت یسوع مسیح سے ملتی جلتی ہے۔شاہ جی کھلکھلا کر ہنس پڑے فرمایا۔

خوب ہے میاں۔خود قد و گیسو میں رہو اور ہمارے لئے وہاں بھی دارورسن۔ اب سمجھ میں آیا کہ غالب کے ہاں "جہاں ہم ہیں وہاں دارورسن کی آزمائش ہے" کے معنی کیا تھے۔اس نوجوان نے رخصت ہوتے وقت شاہ جی کا ہاتھ چومنا چاہا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا : ع دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا

حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؓ میں فرق :

کسی نے سوال کیا حضرت عائشہؓ اور حضرت خدیجہؓ میں کیا فرق ہے۔فرمایا! اس قسم کے سوال نہ کیا کرو۔سوالات میں چور ہو تو دل کافر ہوتا ہے۔خدیجہؓ محمد بن عبداللہ کی بیوی اور عائشہؓ محمد رسول ﷺ کی زوجہ تھیں۔اُمہات المومنین سے متعلق

دل کا چور نکال دو۔

یا علی مدد :

کسی قصبہ میں تقریر کرنے جا رہے تھے دیکھا کچھ لوگ چرس پی رہے ہیں اور چلم کا کش لگا کے یا علی مدد کا نعرہ لگاتے ہیں۔رک گئے، اور انہیں جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ میاں کیا حضرت علیؓ چرس پیا کرتے تھے؟ چرس پی کر میرے باپ (حضرت علیؓ) کا نام کیوں لیتے ہو۔اپنے باپ کا نام لو۔

حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ :

کسی نے سوال کیا شاہ جیؒ! حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ میں کیا فرق ہے؟ فرمایا بڑا فرق ہے۔ حضرت علیؓ حضور ﷺ کے مرید تھے اور حضرت عمرؓ مراد۔ سب خود حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے لیکن حضرت عمرؓ کو اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا۔

وہ نوری ہیں اور میں خاکی :

کسی نے سوال کیا حضرتؒ! آپ کو صاحبزادہ فیض الحسن نوریؒ نے کیوں چھوڑ دیا۔ ارشاد فرمایا، وہ نوری ہیں میں خاکی۔ان نوریوں سے امید کب تک؟ سب سے بڑے نوری حضرت جبرائیل علیہ السلام نے شب معراج میں میرے نانا کو سدرۃ المنتہیٰ پر ہی چھوڑ دیا تھا۔ (سوانح وافکار ص:۲۸۸)

مجھے بیعت کر لیجئے :

حضرت امیر شریعت کی بیٹی راویہ ہیں۔ فرماتی ہیں، اباجی اپنے ساتھیوں سمیت بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اور کہا مجھے بیعت کر لیجئے۔ اباجی نے فرمایا! بھائی جا

کسی نیک آدمی کی بیعت کر لے۔ وہ چلا گیا۔ دوسری بار پھر آیا، اباجی نے پھر کہا کسی اور بزرگ کی بیعت کر لیجئے۔ تیسری بار وہ پھر آیا۔ سب ساتھی صبح کی نماز سے فارغ ہو کر چارپائیوں پر اباجی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اباجی بھی پاؤں لٹکا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس شخص نے آ کر پھر بیعت کرنے کو کہا، اباجی نے زچ ہو کر کہا آ چڑھ میرے کندھوں پر تجھے بیعت کروں۔ وہ اتنا سادہ آدمی تھا فوراً اباجی کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ اباجی کے سب ساتھی ہنس ہنس کر دھرے ہو رہے تھے۔ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ تالیاں بجاتے اور کہتے اب بھی نہ کرو بیعت۔ اباجی نے کہا بھائی میں نے بیعت کر لیا میرے پیر نے تجھے بیعت کیا تو نیچے اتر۔ اس بے چارے نے سمجھا شاہ جی کا طریقہ بیعت ہی یہی ہے۔ خیر بعد میں اسے اباجی نے بیعت کر لیا۔ (امیر شریعت نمبر ص ۲۶۵)

فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرْ :

حضرت مولانا محمد یاسین جھنگوی راوی ہیں، حضرت شاہ جیؒ خود فرماتے:

ایک مرتبہ ایک آریہ سماجی نے مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ شاہ جی آپ جو کلمہ پڑھتے ہیں، لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ توحید تو نہیں ہے بلکہ یہ تو کلمہ شرک ہے (العیاذ باللہ) ہاں اگر صرف لا الہ الا اللہ ہوتا تو کلمہ توحید تھا۔ لیکن جب محمد رسول اللہ آ گیا تو یہ کلمہ توحید نہ رہا۔ میں نے برجستہ جواب دیا۔ یہ تو تمہارے لئے ہے تم لوگ بڑے لوگوں کی پوجاپاٹ شروع کر دیتے ہو کہ یہ بزرگ لوگ بھی الله ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے وضاحت کر دی کہ محمد رسول اللہ ﷺ الله نہیں بلکہ صرف رسول اللہ ہیں، کہیں تم بھی ان کی پوجا نہ شروع کر دو۔ فبھت الذی کفر کافر مبہوت ہو گیا۔ (امیر شریعت نمبر ص ۲۷۵)

منکرین بشریت سے :

ایک موقع پر منکرین بشریت کو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو اور بٹیروں کی بھی۔ لیکن ہم ایک سید ایسے ہیں کہ جن کی نسل نہیں۔ حضور ﷺ کو تم بشر نہیں مانتے تو ہم کس کی اولاد ہوئے۔

میرا دل چھین لیا ہے :

امین گیلانی راوی ہیں' ایک جگہ دعوت تھی، میں اور شاہ جی دستر خوان پر آمنے سامنے بیٹھے تھے، میزبان نے روسٹ کئے ہوئے سالم مرغ دو دو مہمانوں کے سامنے رکھ دیئے۔ مجھے شرارت سوجھی میں نے چھری سے مرغ کا دل الگ کر کے ہتھیلی پر رکھ کر شاہ جی کو دکھا کے کہا شاہ جی! یہ کیا ہے؟ دیکھتے ہی شاہ جی بھی میرے ساتھ بچوں ہی کی طرح شوخی پر تل گئے، زور زور سے شور مچانے لگے، اے لوگو! اے علماء حضرات! اس لڑکے کو دیکھو اس نے میرا دل چھین لیا ہے۔ مچل مچل کر بار بار یہ فقرہ دُہرایا تو سب بے اختیار ہنسنے لگے، یہ واقعہ لکھتے ہوئے مجھے داغ کا شعر یاد آ گیا، ضیافتِ طبع کے لئے درج ہے ...... ؎

نظر نکلی نہ دل کی چور زُلف عنبریں نکلی
ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول یہ چوری یہیں نکلی

ایک کرامت :

انہی دنوں کھلابٹ ہزارہ کے محمد زمان خان جو رشتے میں جنرل ایوب خان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ شاہ جی کو ''کھلابٹ'' کے لئے دعوت دی۔ شاہ جی دن تو

متعین نہ کرتے، کہتے ہاں کسی دن آؤں گا۔ زمان خاں نے اپنی والدہ سے کہہ کر کہ شاید آج شاہ جی تشریف لے آئیں۔ باغ سے ایک دوٹوکرے مالٹوں کے اور دو چار مرغیاں ذبح کر کے رکھ لیتے، شاہ جی نہ پہنچتے تو وہ شام کو خود ہی کھا پی لیتے۔ کئی دنوں کے بعد شاہ جی کہنے لگے چلو آج کھلابٹ ہو آئیں۔ میں تھا صاحبزادہ فیض الحسن تھے، کھلابٹ پہنچے تو معلوم ہوا زماں خاں روزانہ انتظار کے بعد مرغیاں بھون کر چٹ کر جاتے اور مالٹوں کا رس پی لیتے۔ تقریر کے دوران شاہ نے مذاق کیا، بھئی! ہم فقیر سہی مگر ہم پر خدا کا اتنا احسان ہے کہ لوگ ہمارے نام پر مرغیاں بھون بھون کر کھاتے ہیں اور ٹوکری ٹوکری مالٹوں کا رس پی لیتے ہیں۔ یہ سن کر زمان خان نے یکدم پکارا، شاہ جیؒ! خدا کے لئے مجھے بدنام نہ کریں۔ شاہ جی نے عوام سے ہنس کر کہا: لو بھئی! میں نے تو کسی کا نام نہیں لیا تھا۔ یہ بھی ہماری کرامت ہے کہ اس نے بھرے مجمع میں خود ہی اقرار کرلیا، سارا مجمع ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گیا۔ (بخاری کی باتیں ص:۱۲۱)

ظرف واستعداد کی بات:

غالباً امرتسر قلعہ بھنگیاں میں دورانِ تقریر جو کہ عوام الناس کی اکثریت خالصتاً پنجابیوں کی تھی اور ان میں اکثر ان پڑھ دکاندار مزدور تھے ایک موقع پر انہیں بات ذہن نشین کرانے کے لئے وارث مرحوم کا ایک شعر پڑھا ....

اک ناں شوق شراب دے ٹھٹ بھر لئے
رہ گئے اک ناں دے ٹھوٹھے خالڑی دے

یعنی بعض نے شراب معرفت کے خم کے خم بھر لئے، مگر بعض کے معمولی پیالے بھی خالی ہی رہے۔ بات استعداد اور ظرف کی سمجھا رہے تھے، پھر مزاحاً فرمایا:

ہیر نام میں کیا حرج ہے ؟

سید وارث شاہ نے ہیر لکھ کر ہیر کو کتنی شہرت دی، مگر اس کے باوجود کسی نے آج تک اپنی بیٹی کا نام ہیر نہیں رکھا۔ایک منچلا نوجوان اُٹھا اور بلند آواز سے کہا: شاہ جی! اگر ہیر نام رکھ لیا جائے تو ہرج بھی کیا ہے؟ شاہ جی نے اس کی طرف دیکھا، گیسوؤں کو جھٹکا دے کر مسکرائے اور فوراً فرمایا: اچھا پتر رکھ لیں جے ساری گلی رانجھیاں نال نہ بھر گئی تے میں جھوٹا۔ یعنی اچھا بیٹا! تم رکھ کر دیکھ لینا اگر ساری گلی میں رانجھوں کا ہجوم نہ ہو گیا تو میں جھوٹا ہوا۔تمام سامعین ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔

(بخاری کی باتیں ص:۱۲۳)

ہم تمہاری بصیرت کے قائل ہیں :

ایک دفعہ سالک صاحب اور جناب مجید لاہوری حضرت شاہ جی سے ملنے کے لئے آئے۔شاہ جی اس وقت نماز سے فارغ ہو کر مصروفِ تسبیح تھے۔سالک مرحوم نے کچھ توقف کے بعد از راہِ شوخی یہ مصرع پڑھا...... ع ''برزبانِ تسبیح در دل گاؤخر'' ...... شاہ جیؒ تسبیح سے فارغ ہوئے تو ہنس کر فرمایا: بھائی سالک! ہم تمہاری بصیرت کے قائل ہوئے۔ بتایئے تم دونوں میں گاؤ کون ہے اور خر کون؟ واقعی دورانِ تسبیح مجھے تم دونوں کا بار بار خیال آیا تھا کہ بیچارے گاؤ خر میرے منتظر بیٹھے ہیں۔اس جواب پر سالک مرحوم پھڑک اُٹھے اور محفل قہقہوں سے گونج اُٹھی۔

(بخاری کی باتیں ص:۱۳۵)

تیسرا حلال :

ایک دفعہ شاہ جی مولانا محمد علی جالندھریؒ اور دیگر احباب دسترخوان پر بیٹھے

ناشتہ کر رہے تھے۔ مولانا محمد علی صاحب نے سویاں چائے میں ڈال کر کھانا شروع کر دیں۔ شاہ جیؒ نے دیکھا تو مسکرا کر فرمایا : یہ آرائیں کچھ بھی بن جائیں مگر انہیں کھانے کا سلیقہ نہ آیا۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا: شاہ جی حلال میں حلال ملا کر کھا رہا ہوں، بھلا آپ کو کیوں کراہت آ رہی ہے۔ شاہ جی خاموش رہے۔ چند منٹ گزرے اور دیکھا کہ اب بقایا کچھ حصہ کھانے کا رہ گیا ہے تو چپکے سے ان کی چائے اور سویوں میں سادہ پانی انڈیل دیا اور ہنس کر فرمایا: لو میں نے تیسرا حلال بھی شامل کر دیا، اب اور مزے سے کھاؤ سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ (بخاری کی باتیں ص:۸۶)

سورۂ رحمٰن ساتھ لگا دو :

مولانا عبدالکریم صاحب خطیب جامع صدر شاہ پور فرماتے ہیں، ایک دفعہ شاہ جی ایک جلسہ میں شاہ پور تشریف لائے، میری گذارش پر میرے ہاں قیام منظور فرما لیا، مجھ سے پوچھا کتنے بچے ہیں۔ عرض کیا عرصہ ہو چکا شادی کو مگر ابھی تک اولاد سے محروم ہوں دُعا فرمائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا فرمائی، اللہ کے فضل سے ڈیڑھ سال بعد پہلا لڑکا مسعود الرحمٰن پیدا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد بھٹی سیداں سے واپسی پر پھر بندہ کے مکان پر تشریف لائے۔ میں نے ''مسعود الرحمٰن'' کو حاضر کیا۔ نام پوچھا تو میں نے مزاحیہ انداز میں عرض کیا مختصر نام ہے۔ ''مسعود الرحمٰن ولد فی شہر رمضان فی ملک پاکستان'' ہنس کر فرمایا: بھئی! اتنا مختصر نام نہ رکھو، سورۃ الرحمٰن ساری ہی ساتھ لگا لو۔

خدا کا خوف کرو :

ایک دفعہ مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ سندھ کے طویل تبلیغی دورہ سے

واپس آئے، تو سفر کی تھکان، طبیعت ناساز اور گلا خراب تھا۔ اسی حال میں شاہ جیؒ کے پاس آ پہنچے۔ شاہ جی خود بھی بیمار تھے، دونوں نے ایک دوسرے سے مزاج پرسی کی، شاہ جی نے پوچھا: بھائی! محمد علی کیا حال ہے؟

مولانا نے کہا: شاہ جی مسلسل سفر پھر روزانہ تقریریں بیمار ہو گیا ہوں، گلا بھی خراب ہو گیا ہے۔ شاہ جی لیٹے ہوئے تھے، اُٹھ بیٹھے اور فرمایا: محمد علی! خدا کا خوف کر تیرا گلا خراب ہو گیا۔ پہلے ہی کونسا لحنِ داؤدی تھا، جواب تیرا گلہ خراب ہو گیا ہے۔ یہ سن کر ہم سب اور خود مولانا کھلکھلا کر ہنس پڑے اور ساری طبیعت کی افسردگی جاتی رہی۔

یہ بھی کوئی نام ہوا ؟

ریل گاڑی میں سفر کر رہے تھے، ایک اسٹیشن پر ایک ادھیڑ عمر وضع دار شخص اسی ڈبے میں داخل ہوا، جس میں شاہ صاحب بیٹھے تھے، شاہ صاحب نے ذرا سمٹ کر کہا آیئے! یہاں تشریف رکھئے، وہ صاحب بیٹھ گئے۔ گاڑی چل پڑی، تعارف کیلئے شاہ صاحب نے کہا، کیا اسم گرامی ہے؟ اس نے کہا میرا نام کلب حسین (حسین کا کتا) اب اس نے پوچھا، جناب کا اسم گرامی؟ شاہ صاحب نے فوراً کہا ''خنزیر اللہ'' وہ صاحب بے ساختہ بولے حد ہو گئی یہ بھی کوئی نام ہوا۔ شاہ صاحب مسکرا کر جواب دیا اگر آپ حسین کے کتے ہو سکتے ہیں تو میں اللہ کا میاں سور نہیں ہو سکتا۔ اس میں تعجب کا کیا پہلو ہے؟ (بخاری کی باتیں ص۔ ۱۵۷)

حضرت امیر شریعتؒ ایک عہد، ایک انجمن اور ایک تاریخ تھے۔ بذلہ سنجی، شعر گوئی، سخن فہمی اور حاضر جوابی میں ان کا مثیل ملنا مشکل ہے۔ وہ ایک فقیر،

درویش خدا مست، ایک خطیب، ایک شاعر، ایک ادیب اور پیکر ظرافت تھے۔ جس تار کو بھی چھیڑا جاتا نغمے پھوٹتے۔ ان کی ذکاوت، ذہانت اور خوش طبعی کے تمام واقعات کو اگر مرتب کیا جائے تو ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے یہ تو صرف ایک نمونہ ہے اور بس۔



باب دہم

آخری ایام اور سفرِ آخرت

موت اس دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے جس کے سامنے ہر جاندار سر تسلیم خم کرتا ہے اور اس کے وارد ہونے پر احتجاج نہیں کرتا صرف فریاد کرتا ہے۔ فنا اس کائنات کی گھٹی میں ڈالی گئی ہے ہر چیز تیزی سے اپنی اس منزل کی طرف اپنے پاؤں پر چل کر خود جارہی ہے۔ جہاں پہنچ کر اسے نابود ہو جاتا ہے۔ انسان کی زندگی کا ہر قدم اپنے نشان فنا یعنی قبر کی طرف خود بخود بڑھتا رہتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں ......

یہ نکتہ میں نے سیکھا ہے بوالحسن سے
کہ جان مرتی نہیں مرگ بدن سے

انسان اپنے افکار وکردار کی روشنی میں زندہ رہتا ہے۔ حضرت امیر شریعتؒ کی زندگی کے آخری ایام اور سفر آخرت کے مرحلے نذر قارئین ہیں۔

صحت کا گلہ کس سے کروں:

حیاتِ امیر شریعتؒ کے مؤلف جانباز مرزا رقمطراز ہیں کہ امیر شریعتؒ خود

فرمایا کرتے تھے :

''انسان کے اندر ایک مستقل سلطنت آباد ہے، دل و دماغ اس کے بادشاہ اور وزیر ہیں، جب یہ دونوں اپنی رعایا کو تنگ کرتے ہیں تو آخر کو بغاوت کا احتمال تو ہوگا! یہی میں نے بھی کیا ہے، میں نے اپنے جسم پر کوئی رحم نہیں کھایا، رات دن کا سفر، مسلسل دس دس بیس بیس گھنٹے تقریریں، بے وقت کی خوراک، وہ بھی میزبان کی مرضی پر، یہاں سے فرصت ملی تو جیل خانہ، یہ کوئی سال دو سال کا عمل نہیں، بلکہ میری زندگی کے چالیس سال اس دشت کی سیاحی میں گزرے ہیں، ان حالات میں اپنی صحت کا گلہ میں کس سے کروں؟''

بیماری کا اثر زائل ہوگیا :

۱۶ نومبر ۱۹۵۸ء کو نمازِ عشاء کے لئے گھر میں وضو کر رہے تھے کہ دائیں جانب فالج کا ہلکا سا حملہ ہوا، ذیابیطس کی شکایت پیشتر سے چلی آرہی تھی۔ فالج کے اس حملے نے اس بیماری کو بھی توانائی دیدی۔ حضرت امیر شریعتؒ کا اپنا بیان ہے کہ :

''جب مجھ پر فالج کا حملہ ہوا تو تمام جسم بیکار معلوم ہونے لگا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے اب موت کا وقت قریب آگیا ہے، چنانچہ میں نے کلمہ پڑھنا شروع کردیا اور چارپائی پر جا کر لیٹ گیا، لیکن تھوڑی دیر بعد بیماری کا اثر زائل ہوگیا''۔

پھر بے اختیار آپ رونے لگ پڑے اور خوب روئے۔ اس دوران حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ذہن میں آئی اور یہ شعر بار بار پڑھتے رہے.......

اس وقت تیرا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے یہ مئے ساقی شیشے میں بھری ہوگی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت :

لاہور میں علاج سے مایوس ہوکر ملتان واپسی پر حکیم حنیف اللہ کے زیر علاج رہے۔ حکیم حنیف اللہ قرآن کریم اور دوسرے دینی علوم کے سند یافتہ ہیں۔ گھر کے قریب ہونے کی وجہ سے بھی ان سے قرابت زیادہ رہی۔ شب وروز انہی کے بیٹھک میں مجلس رہتی۔

حکیم حنیف اللہ کا کہنا ہے کہ شاہ جی کی بیماری اس قدر جڑ پکڑ چکی تھی کہ اس کے لئے قیمتی دواؤں کی ضرورت تھی، جس کا میں متحمل نہیں تھا۔ شاہ جی سے اس کے پیسے مانگتے ہوئے بھی عار محسوس ہوتی۔ اسی پریشانی میں تھا کہ ایک رات خواب میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جانب شاہ جیؒ اور دوسری طرف ایک برقعہ پوش عورت بیٹھی ہے۔ صبح کی نماز سے فارغ ہوکر اس خواب کی تعبیر تلاش کرنے لگا۔ مجھے اس فن پر ملکہ ہے۔

پریشانی اس پر تھی کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں عورت کون ہوسکتی ہے؟ آخر تعبیر سے پتہ چلا کہ برقع پوش عورت شاہ جیؒ کی بیوی تھی۔

اس پر میں نے اندازہ لگایا کہ ایک تو شاہ جیؒ کا خاندان (میاں بیوی) عالی نسب سیّد ہیں۔ دوسرا یہ مجھے علاج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں نے بلا جھجک شاہ جی کا علاج کیا اور قیمتی سے قیمتی دوائیاں استعمال کرائیں۔

میری محفلیں اجڑ گئی ہیں :

حضرت امیر شریعت اپنے پیچھے جن راہوں کو چھوڑ کر آئے تھے، اُن کے ایک ایک موڑ پر آرزوؤں کے ہزاروں ہجوم ان کے ساتھ تھے، لیکن جس موڑ پر وہ آج کھڑے ہیں وہاں تمناؤں کے جنازے اٹھتے نظر آرہے تھے۔ مایوسیوں اور نامُرادیوں نے انہیں اس بازار کی بیکار جنس بنا دیا تھا، جس کا اقرار وہ خود اپنے معالج کے سامنے کرتے ہیں۔

"حکیم صاحب! میں فالج اور زیابیطس کا مریض نہیں ہوں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ میری محفلیں اجڑ گئی ہیں۔ دیکھئے شاؔد عظیم آبادی کیا کہہ گئے ہیں.........؎

کانٹوں میں گھرا ہوا ہے چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کِھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

گھر میں خوب صورت تحریریں :

ملکی حالات، حکمران طبقہ سے مایوسی، دوستوں کی بے وفائی، بیماری اور بڑھاپا، ان تمام کے پیش نظر امیر شریعت نے اپنی انجمن اپنے گھر سجالی تھی، اور حسب ذیل تحریریں اس کی محفل میں نمایاں نظر آتی تھیں۔

(۱) حدیث رسول کریم ﷺ قال : قال رسول اللہ ﷺ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ۔ (رواہ البخاری)

(ترجمہ) جب حکومت نااہل لوگوں کے سپرد ہو تو قیامت کا انتظار کر۔

(۲) ہیر وارث شاہ کے چند اشعار (پنجابی)

(۱) بھوکے آدمی کو چینی اور کھیر کی رکھوالی دے دی، اور جس کی اپنی بیوی فوت ہو چکی تھی اس کو رشتہ ناطہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

(۲) جسے زہر کے علاج کے لئے لائے تھے وہ خود زہر ثابت ہوا، گویا یہ کام انہوں نے اپنے ہاتھ سے کیا۔

(۳) اپنے گھر کی بربادی کے لئے انتظام آپ کیا۔

(۴) کیڑے مکوڑوں کے پاس سرسوں کا ڈھیر رکھ دیا اور مرغیوں کے سامنے دانے خشک کرنے کے لئے ڈال دیے۔

(۵) گیدڑ کو خربوزوں پر نگہبان کر دیا اور اونٹ کو کہا کہ تو باغ لگانے جا۔

(۶) کاغذ کی بیڑی بنا کر بندر کو ملاح بنا دیا اور اندھے سے کہا کہ تم جاؤ اسے کنارے پر چھوڑ آؤ۔

(۷) خزانے کی نگہداری کے لئے چور کو مقرر کیا اور چور ہی سے کہا کہ تم چور کی تلاش کرو۔

(۸) دھان کے ڈھیر پر گدھے کو رکھوالا کر دیا اور نابینے کو خط لکھوانے بھیجا۔

وارث شاہ نے یہ بات خدا جانے اپنے دور کے حاکموں سے کہی ہو یا نہ، لیکن امیر شریعت نے وارث شاہ کے اشعار سے اپنے دور کے حاکموں پر ایسی پھبتی کسی کہ امیر شریعت کی ذہانت کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ انہوں نے وارث شاہ کے اشعار کو کیسے وقت پر استعمال کیا جب کہ پاکستان کے حکمران جوتیوں میں دال بانٹ رہے تھے اور اپنے اقتدار کی کرسیوں کے لئے وطن عزیز کو رسوا کر رہے تھے۔

جب کوئی دوست گھر آکر پاکستان کے موجودہ حالات پوچھتا تو

امیر شریعتؒ ان تحریروں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے۔ ''بھائی! یہ پڑھ لو.....بس یہی کچھ ہو رہا ہے''۔ (حیاتِ امیر شریعت ص:۴۲۴)

دعائے صحت کے لئے :

۱۹۶۰ء میں امیر شریعتؒ کے معالج حکیم حنیف اللہ نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا، اور اس کے لئے درخواست دی۔ امیر شریعت کو جب اس کا علم ہوا تو حکیم صاحب سے کہا :

''جب آپ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے روضۂ اطہر پر حاضر ہوں تو میرا سلام عرض کریں اور میری صحت کے لئے دعا کی درخواست کریں''۔

حکیم حنیف اللہ اس پر خاموش رہے، لیکن امیر شریعتؒ نے انہی دنوں ان کے والد حکیم عطاء اللہ خاں سے اس بات کا ذکر کیا، تو بڑے حکیم صاحب نے کہا :

''شاہ جی! گزشتہ دنوں میں نے آپ کی یہ درخواست خاتم الانبیاء ﷺ کی خدمت میں پیش کر دی ہے''۔

امیر شریعتؒ: (تعجب سے) ''وہ کیسے''۔

حکیم صاحب: ''مجھے پچھلے دنوں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ میں نے دیکھا کہ سرورِ کائنات ﷺ کے گرد ایک حلقہ بیٹھا ہے، میں بھی اس میں شامل ہوں۔ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ ''سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی صحت کے لئے دعا فرمائیں''۔ مگر حضور ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ نہیں اٹھائے، بلکہ ایک کاغذ کی طرف اشارہ کیا، جس پر لفظ ''صحت'' لکھا تھا''۔

امیر شریعت یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور حکیم حنیف اللہ سے آ کر کہا :

''آپ نے تو میری درخواست حضور ﷺ کی خدمت میں لے جانے کی حامی نہیں بھری تھی، مگر بڑے حکیم صاحب نے یہ کام کر بھی دیا''۔

یہ کہہ کر تمام واقعہ بیان کر دیا۔

والد صاحب کا خواب سن کر حکیم حنیف اللہ نے اس کا ذکر اپنے استاد حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب سے کیا، جس سے انہوں نے حدیث اور فقہ پڑھی تھی۔ انہوں نے فرمایا :

''اس خواب کی یہ تعبیر نہیں جو شاہ جی سمجھے ہیں، بلکہ یہ ہے کہ شاہ جی کو روحانی صحت ہو گی یعنی ان کے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے، لیکن مصلحتاً امیر شریعتؒ کو یہ تعبیر نہیں بتائی گئی تھی''۔

(حیاتِ امیر شریعت ص:۴۴۱)

زندگی کے آخری سانس گن رہا ہوں :

انہی دنوں روزنامہ ''امروز'' (ملتان) کے نامہ نگار نے امیر شریعت سے ملاقات کی، اس نے اپنے تاثرات یوں بیان کیے۔

''ڈیڑھ برس پہلے کی بات ہے، مجھ سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر ایک مصور فیچر تیار کرنے کو کہا گیا۔ میں فوٹو گرافر کو لے کر محلّہ تھی شیر خان پہنچا۔ شاہ جی کا پتہ معلوم کیا۔ مسجد کے عقب میں ایک کچا سا مکان جس کے باہر لیٹر بکس لگا ہوا تھا۔ گلی کی طرف کھلنے والے کمرہ میں شاہ جی موجود تھے، وہ ان دنوں بیمار تھے۔ خیر و عافیت پوچھ چکا تو اپنا مدعا بیان کیا۔ شاہ جی ٹال گئے، کہا کہ ''اب زندگی کے آخری سانس گن رہا ہوں، اب تو آرام کرنے دو۔ اخبار کے کالم بھرنے کے لئے میرے ماضی کے بخیے

ادھیڑتے ہو''۔ چند لمحے خاموش رہے، پھر کہا، ''ایک بات پوچھوں''؟ میں نے کہا ''ضرور ارشاد فرمائیے'' کہنے لگے، یہ جو چلی ہے اس کا بادشاہ شیخ چلی ہوگا۔ (ان دنوں چلی کی تباہی کے متعلق اخبارات میں خبریں آرہی تھیں) میں نے محسوس کیا کہ شاہ جی مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں ٹال رہے ہیں۔ اس پر میں نے انہیں پھر اپنے ڈھب کی بات کہہ دی، ''شاہ جی! آپ کب سے اس کرائے کے مکان میں رہ رہے ہیں''۔ فرمانے لگے ''۱۹۴۷ء میں یہاں آگیا تھا، اب تک یہیں پڑا ہوں''۔ ''آپ نے کوئی مکان الاٹ نہیں کرایا؟ آپ کا کلیم (CLAIM) تو ہے''۔ جواب میں فرمایا۔ ''آپ مکان کی الاٹمنٹ کی بات کرتے ہیں، جانے قبر کے لئے چند گز زمین ملے گی یا نہیں؟ ایک دفعہ ایک مرکزی وزیر صاحب مجھ سے ملنے ملتان تشریف لائے، انہوں نے بھی فرمایا اگر میں انہیں کہوں تو وہ مجھے مکان الاٹ کرادیں گے، اور ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرما گئے کہ فلاں تاریخ کو فلاں صاحب ملتان سے گزر رہے ہیں، ان سے مل لینا''۔ میں نے پوچھا ''پھر شاہ جی! آپ نے ان سے ملاقات کی؟'' کہا ''نہیں بابو میرے پاس کالی اچکن اور قراقلی ٹوپی نہیں تھی''۔

''شاہ جی! آپ کو ذیابیطس کی شکایت کب سے ہے''۔ جواب دیا۔ ''یہ مرض سکھر جیل میں میرے ساتھ آلگا تھا، ابھی تک سنگت نبھا رہا ہے''۔

تماشائے اہل وفا دیکھتے ہیں :

''ان دنوں جب کہ آپ اس قدر بیمار ہیں، اور پبلک لائف سے بھی ریٹائرڈ ہوچکے ہیں، کبھی دیرینہ رفقاء سے کوئی ملنے آیا''؟ جواب میں مسکرائے اور کہا''۔ بیٹا! جب تک یہ کتیا (زبان) بھونکتی تھی، سارا برصغیر ہندوپاک ارادت مند تھا۔ اس نے

بھونکنا چھوڑ دیا ہے تو کسی کو پتہ ہی نہیں رہا کہ میں کہاں ہوں۔ ہاں یارانِ دیرینہ میں سے ایک آدھ کو چھوڑ باقی میرے ہاں آہی جاتے ہیں''۔ پچھلے دنوں ایبٹ آباد سے ایک دوست ملنے آئے۔ انہوں نے ایبٹ آباد جانے پر اصرار کیا، میں نے انکار کر دیا۔ میں نے کہا۔ ''شاہ جی! آپ ان کے ہاں چلے جاتے، ایبٹ آباد صحت افزا مقام ہے۔ ملتان کی گرمی میں آپ کیوں تڑپ رہے ہیں''؟ جواب دیا۔ ''بیٹا! اب عمر کی اس سطح پر آ گیا ہوں کہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کتنے لوگ میرے ہاں آتے ہیں، ساری عمر لوگوں کی مہمانی میں گذاری۔ اب میزبان بن کر بھی دیکھنا چاہتا ہوں''۔

اخبار والوں سے شکایت :

میں نے دیکھا کہ شاہ جی اب کھلنے لگے ہیں۔ چنانچہ کاغذ پنسل سنبھال لی، تاکہ یادداشت کے لئے کچھ لکھ لوں۔ شاہ جی نے میری تیاری دیکھی تو انہوں نے بات روک لی۔ میں نے ایک اور سوال کر دیا۔ جواب میں کہا، ''اخبار والوں سے ڈر لگتا ہے۔ آپ لوگ اکثر واقعات مسخ کر دیتے ہیں۔ پھر غلط بیان دوسرے سے منسوب کر دیتے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا عبدالمجید سالکؔ مرحوم کا ایک واقعہ بھی سنایا۔ یعنی ایک دفعہ سالکؔ مرحوم نے یو۔ پی کے ایک جلسے کی تقریر میرے نام سے منسوب کر کے اپنے اخبار ''انقلاب'' میں چھاپ دی۔ حالانکہ میں نے یو۔ پی میں کوئی ایسی تقریر نہیں کی تھی۔ جب ان سے اس غلط تقریر کی شکایت کی تو انہوں نے خاطر خواہ جواب نہ دیا۔ اس پر میں نے ۲۵ سال تک سالکؔ صاحب سے بات نہیں کی۔

یارانِ کہن کی یادیں :

ایک دن صوفی تبسم مجھے پطرسؔ بخاری کے ہاں دعوت پر لے گئے۔ پطرسؔ

نے مجھے مدعو کیا تھا۔ اس دعوت میں سالکؔ بھی شریک تھے، وہاں ہم دونوں کی صلح کرائی گئی۔ سالکؔ نے میری پیٹھ پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”آپ نے میرے پچیس برس تباہ کر کے رکھ دیے ہیں“۔

یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے شاہ جی کے چہرے پر غم کی پرچھائیاں پھیل گئیں۔ ایک لمبی سانس لی پھر کہا:

”سب یارانِ کہن بچھڑتے جاتے ہیں، ایک دن میں بھی ان میں جاملوں گا“۔

پطرس بخاری کے مکان پر ہم چاروں ساتھی ماضی کے افسانے دہرا رہے تھے۔ نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے پطرسؔ سے کہا۔ ”آپ سید ہیں۔ قرآن پاک آپ کے گھر میں اترا، آپ بھی نماز نہ پڑھیں تو کتنی بری بات ہے“۔ پطرسؔ نے سن کر سالکؔ مرحوم کو آواز دی۔ ”سالکؔ! اٹھو! شاہ جی ہمیں زبردستی جنت میں لے جائیں گے“۔

شاہ جی بیٹھے بیٹھے تھک گئے۔ یوں بھی دن کے گیارہ بج چکے تھے، اٹھے اور یہ شعر پڑھا......

پرانی صحبتیں یاد آرہی ہیں
چراغوں کا دھواں دیکھا نہ جائے

اور پھر اندر چلے گئے۔ اس ملاقات کے بعد مجھے شاہ جی سے باتیں کرنے کا چسکا پڑ گیا۔ اب میں تقریباً ہفتہ میں ایک، آدھ بار ضرور شاہ جیؒ سے ملنے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ہر ملاقات میں شاہ جی سے میں نے اخبار کے رپورٹر کی حیثیت سے سوال پوچھے۔ دو چار ملاقاتوں کے بعد میں نے ایک مختصر فیچر لکھ مارا۔ جب وہ شائع ہوا، تو کچھ دنوں بعد ”...“ نے اسے مسخ کر کے اپنے اخبار میں نقل کیا۔ اس فیچر میں راقم نے اپنے ان

جذبات کا اظہار کیا تھا۔

جس مجاہد اور خطیب اعظم نے ملک کی آزادی کے لئے اتنی لمبی عمر انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی، اور ساتھ ساتھ دین کی خدمت بھی کی، وہ کرائے کے مکان میں رہ رہا ہے۔ حکومت اور سوسائٹی نے ان کی خدمات کی قدر نہیں کی۔ شاہ جی ناراض ہوگئے۔ بہر کیف ان کی ناراضگی عارضی تھی۔ ایک دن فرمانے لگے ''بیٹا! میں اپنوں سے ناراض ہوتا ہوں، تمہاری نیت پر شک نہیں کرتا، تم نے تو میرے حق میں اچھا نہیں کیا''۔ میں نے دیکھا کہ شاہ جی نے مجھے معاف کر دیا تو ملاقاتوں کا سلسلہ پھر شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک دن خود ہی فرمانے لگے۔

چائے کے رسیا :

ایک دفعہ دہلی جیل میں مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر آصف علی، ڈاکٹر انصاری اور میں اکٹھے ہوگئے۔ مولانا آزاد چائے کے بڑے رسیا تھے۔ ایک صبح بڑے اہتمام سے چائے تیار کر کے مجھے پلائی۔ میں چائے پی چکا، تو مولانا نے داد طلب نظروں سے پوچھا۔ ''شاہ جی چائے کیسے بنی''؟ میں نے کہا۔ ''حضرت ایک کمی رہ گئی''۔ مولانا ایسے بھنائے جیسے دماغ پر بجلی گری ہو۔ پوچھا ''وہ کیا میرے بھائی''؟ میں نے کہا۔ ''اس میں دو پتی زعفران کی بھی ہونی چاہیے تھی''۔ ''ہاں میرے بھائی! آپ [illegible] بات کرتے ہیں۔ اچھا میرے بھائی! کل آپ کو زعفران پلاؤں گا''۔ [illegible] روز مولانا نے جیل کے ایک ملازم کو پانچ روپے دے کر زعفران منگوائی [illegible] پلائی۔

عمر تھوڑی مگر قرینے کی ہو :

ایک دفعہ مولانا حبیب الرحمٰن کے ہمراہ مولانا آزاد سے ملنے گیا۔ استفادہ کے لئے چند آیات تفسیر کے لئے پیش کیں۔ مولانا نے اپنے انداز میں ان کی تفسیر بیان کی۔ ہم بہت متاثر ہوئے، تو میں نے کہا۔ ''مولانا! خدا آپ کو بہت عمر نصیب کرے''۔ مولانا نے کہا ''نہیں میرے بھائی! تھوڑی ہو مگر قرینے کی ہو''۔

شب وصال بہت کم ہے :

ایک دفعہ میں میرٹھ کے جلسے میں تقریر کر رہا تھا۔ پرشوتم داس ٹنڈن صدر کانگرس بھی جلسے میں موجود تھے۔ انہوں نے کہا۔ ''شاہ جی! تلاوت قرآن پاک کریں تا کہ آتما کو سکون ہو''۔ پھر میں نے اس جلسے میں ساڑھے آٹھ گھنٹے تقریر کی۔ صبح آگئی تو یہ شعر پڑھ کر سٹیج سے اتر آیا ......

شب وصال بہت کم ہے آسمان سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شب جدائی کا

استبداد کی چکّی :

ایک دفعہ میں نے لاہور موچی دروازہ کے باہر تقریر کرتے ہوئے کہا ''میں حکومت سے کہتا ہوں کہ وہ مفلسی اور بیکاری کے مسئلے کو حل کرے، جو حکومتیں اس مسئلہ کو حل نہیں کرتیں، یہ مسئلہ ان حکومتوں کو حل کر دیا کرتا ہے''۔ اس تقریر میں یہ بھی کہا کہ ''استبداد کی چکی کا دستہ گورے کے ہاتھ میں ہو یا کالے کے ہاتھ میں، چکی وہی رہتی ہے، اور میں اس چکی کو توڑ دینا چاہتا ہوں''۔

وراثت کا مسئلہ اور ہندوؤں میں کھلبلی :

۱۹۳۱ء میں، میں نے مسئلہ میراث پر ملک بھر میں تقریریں کیں، جن کا ردِ عمل یہ ہوا کہ آریہ سماج وچھووالی شاہ عالم لاہور میں ہندوؤں کے ایک اجتماع میں کماری ودیاوتی نے کھڑے ہوکر وراثت کا مطالبہ کردیا۔ ڈی۔ اے۔ وی کالج کے پرنسپل چھبیل داس جلسے کے صدر تھے۔ کماری ودیاوتی نے کہا ''اگر آپ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت میں حصہ نہیں دینگے تو ہم مسلمان ہوجائیں گی۔

اس پر صدرِ جلسہ نے کہا:

''ہمارے لئے یہ مشکل ہے کیونکہ ہم دور جا کر شادیاں کرتے ہیں۔ لہذا جائیداد منتقل نہیں ہوسکتی''۔ اس پر کماری ودیاوتی نے کہا۔ آپ جگر گوشہ کو بیاہ کر دور بھیج دیتے ہیں، لیکن زمین کے ٹکڑے نہیں منتقل کرسکتے''۔

میری ان تقریروں سے ہندوؤں میں کافی دیر کھلبلی رہی۔

(حیاتِ امیر شریعتؒ ص: ۴۳۲ تا ۴۳۷)

فالج کا دوسرا بڑا حملہ' معالج سے گفتگو اور چہرے کی سُرخی :

۲ جنوری ۱۹۶۱ء کو فالج کا دوسرا بڑا حملہ ہوا، تو اس سے رہی سہی صحت بھی برباد ہوگئی۔ پیشتر کبھی کبھار اگر معالج کے مطب تک چلے بھی جاتے تھے، تو اس حملے نے وہ ہمت بھی چھین لی۔ اب تو گھر چاردیواری کے سوا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، معالج خود مریض کے ہاں آتے۔ ان دنوں امیر شریعتؒ نے حکیم عطاء اللہ خاں سے کہا :

''آپ کے زیر علاج اس لئے نہیں ہوں کہ آپ بڑے قابل حکیم ہیں، بلکہ اس لئے ہوں کہ آپ بہت نیک آدمی ہیں شاید آپ کی نیکی

کی وجہ سے میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے''۔

ایسا لگتا ہے کہ امیر شریعت اس حملے کے بعد اپنی روحانیت سے محسوس کر چکے تھے کہ آخری وقت آ پہنچا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنے ہر تیماردار سے کچھ عجیب سی گفتگو کرتے۔ مولانا یٰسین نے ایک دفعہ کہا۔ ''شاہ جی کی بیماری کے دنوں میں بھی چہرے کی سرخی نہیں گئی، ہلکی سی مسکراہٹ سے فرمایا:

''یہ سرخی تو میرے مرنے کے بعد بھی رہے گی۔ یہ ہمارے خاندان کی ریت ہے کہ مرنے کے بعد بھی عارض کی سرخی نہیں جاتی''۔

فالج کا آخری حملہ' یہ زبان بھی تیری نہیں:

۶ / مارچ ۱۹۶۱ء کو فالج کا تیسرا شدید حملہ ہوا، جس کا اثر زبان اور گلے پر پڑا۔ اس حملے نے تمام احباب کو پریشان کر دیا۔ اکثر شہروں میں تو امیر شریعتؒ کی موت کی خبر بھی مشہور ہوگئی۔ اخبارات کے دفاتر سے ٹیلیفون اور برقی پیغامات کے ذریعے اس خبر کی تحقیق دریافت ہونے لگی۔ لیکن چند گھنٹوں کے بعد طبیعت نے فوراً سنبھالا لیا تو احباب کو خیریت کی اطلاع دی گئی۔ لیکن اس حملے سے امیر شریعتؒ کی زبان گفتگو سے عاری ہوگئی، گلا بند ہو چکا تھا، بڑی مشکل سے آواز سمجھ میں آتی تھی، وہ بھی کان منہ سے لگانے پر' انہی دنوں لاہور سے دوسرے احباب کے علاوہ شیخ حسام الدین بیمار پرسی کے لئے ملتان آئے تو امیر شریعت نے شیخ حسام الدین کے کان میں کہا:

''میری زندگی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا کہ عطاء اللہ یہ زبان بھی تیری نہیں ہے، میں جب چاہوں، اسے چھین سکتا ہوں''۔

(حیاتِ امیر شریعتؒ، ص: ۴۴۵)

شاہ جی غیر مسلموں کی نظر میں :

اس حوالہ سے آندھرا پردیش بھارت کے گورنر لالا بھیم سین سچر کا خط قابل مطالعہ ہے جو حیاتِ امیر شریعتؒ کے مؤلف مرزا جانباز کے نام لکھا گیا ہے۔

''جہاں تک سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا تعلق ہے، وہ ان چند بے خوف شخصیتوں میں سے ہیں، جن کے لئے میرا دل بے پناہ احترام کے جذبات سے معمور رہا ہے۔

میں جب ان سے پہلی بار متعارف ہوا تھا تو میرا تاثر یہی تھا کہ شاہ جی شمع حریت کے سرفروش پروانے اور جدوجہد آزادی کے جانباز سپاہی ہیں۔ جرأت ذہانت اور تبحرِ علمی کے ساتھ ساتھ خدا نے انہیں فصاحت و بلاغت کے نایاب جوہر سے بھی نوازا ہے۔

جب ہم ان کی تقاریر سنا کرتے تھے تو ہماری دلی آرزو ہوتی کہ شاہ صاحب موتی بکھیر رہے ہیں اور ہم قلب ونظر کو ان سے منور کرتے رہیں۔ وہ سامعین کو مسحور کرنا جانتے تھے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ان کی تقریر کب ختم ہو۔ کیونکہ نہ تو شاہ صاحب کے ہاں متنوع مضامین کی کمی ہوتی، اور نہ ان کی جسمانی تھکاوٹ ہی سلسلۂ تقریر میں حائل ہوتی۔ شاہ جی جیسے بہادر انسان جو انسانیت کی اعلیٰ اقدار کے حامل ہیں، ہمارے دلی احترام کے مستحق ہیں۔

نشتر ہسپتال میں علاج کے مراحل :

وسعت فطرت انسان کو جب عقل کامل سے نواز کر اس کو عالم میں چھوڑتا ہے تو آسمان سے زمین تک ہر شے اس کے قدموں میں ہوتی ہے، پھر بھی تو ... انسان

ناتوانوں کی بے بسی کا تماشا کرتا ہے اور کبھی خود اپنے زوال کی کہانی گلیوں کے موڑوں پر بیان کرتا پھرتا ہے۔ یہی قانون فطرت ہے۔ عروج و زوال کی اس داستان کا مصنف انسان خود ہی ہے۔

حضرت امیر شریعت توانا تھے، جوانی اور صحت ان کی بلائیں لیتی، گلے کی حلاوت زبان کا طرز تکلم ہمیشہ ان کے غلام رہے۔ جب وہ غیر ملکی سلطنت کے ظلم وجور کی دھجیاں بکھیرتے اور بغاوت کا علم لے کر پہاڑوں کو اپنے ساتھ آنے کی دعوت دیتے، تو وہ پانی پانی ہوکر ان کے ساتھ بہہ نکلتے۔ سمندروں کو آواز دیتے تو ان کی گہرائیاں ابھر کر سامنے آجاتیں۔ رات کی سیاہی اور دن کے اجالے انہیں اپنے جلو میں لے کر چلتے، جس کی ہیبت سے ایوان برطانیہ لرز جایا کرتے تھے، جب اس کا کام ختم ہوگیا اور اس کے عروج کی پرچھائیاں ڈھلنے لگیں تو فضائیں گنگنائیں.......

ڈوبتے سورج کو وقت شام دیکھ
حسن والے حسن کا انجام دیکھ

فالج کے آخری حملے نے ملک بھر میں تشویش پیدا کردی اور احباب نے فیصلہ کیا کہ امیر شریعتؒ کو نشتر ہسپتال میں داخل کرادیا جائے، لیکن امیر شریعت کو جب اس فیصلہ کا پتہ چلا تو فرمایا:

''آپ لوگ مجھے فاسق اور فاجروں کے ہاتھوں سونپ رہے ہیں''۔

فیلڈ مارشل صدر محمد ایوب خان کی ڈاکٹروں کو خصوصی ہدایت:

وہ اس کے لئے تیار نہیں تھے، مگر اس کے باوجود مارچ کے آخری دنوں انہیں نشتر ہسپتال (ملتان) میں داخل کرادیا گیا۔ ڈاکٹروں نے اپنی ذمہ داریوں کو پوری

طرح نبھایا۔ انہی دنوں صدرِ مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر عالمگیر کو ہدایت بھیجی کہ :

''حضرت شاہ صاحبؒ کی صحت کا خیال کریں، اور ان کے علاج پر پوری ذمہ داری سے توجہ دیں۔ اگر پاکستان کے باہر سے کسی معالج کی یا دوا کی ضرورت ہو تو فوراً درآمد کریں۔ نیز اس کا بل میرے نام گورنمنٹ ہاؤس بھیج دیں''۔

امیر شریعتؒ کے دوسرے بڑے لڑکے سید عطاء المحسن کے علاوہ مولانا زرّین احمد خان (یہ مولانا گل شیر کے قریبی عزیز ہیں) اور ایک رضا کار غلام محمد دیکھ بھال کے لئے ان دنوں ہسپتال میں رہے، یہاں ہر روز مغربی پاکستان سے آنے والے تیمارداروں کا ہجوم رہتا۔

توحید کا تصور :

بیماری کے دنوں امیر شریعت اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی ہمیشہ کھڑی رکھتے۔ بعض دوستوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا :

''میں نے تمام عمر توحید پر وعظ کیا ہے، اور عمر کے آخری حصے میں بھی اس تصور کو قائم رکھنا چاہتا ہوں''۔

کلمۂ شہادت اور لا نبی بعدی کی حدیث :

ہسپتال میں امیر شریعت کی دیکھ بھال کے انچارج ڈاکٹر بشیر احمد نے ایک دن ایسا ٹیکہ لگا دیا، جس کے باعث نبضیں ڈوبنے لگیں، دل بیٹھنے لگا، بڑھتے بڑھتے یہ تکلیف اس حد تک بڑھی کہ امیر شریعت کو اپنی موت کا گمان ہونے لگا، اور انہوں نے اپنے خادم مولانا زرین احمد خان سے فرمایا :

''اس ٹیکے سے میرا کام ہو چکا ہے، لہٰذا آپ گواہ رہیں۔ (یہ کہہ کر آپ نے تین دفعہ کلمہ شہادت، تین دفعہ لا نبی بعدی کی حدیث پڑھی، اور اس کا ترجمہ کیا) نیز فرمایا تمام دوستوں سے میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ دین کا کام بہر حال کرتے رہیں''۔

یہ تکلیف نماز عصر سے شروع ہو کر ساری رات رہی، لیکن ہسپتال کے انچارج کو اس واقعہ کی اطلاع رات ایک بجے دی گئی، جیسے ہی انہوں نے آ کر امیر شریعتؒ کی حالت دیکھی کہ چہرے کا رنگ بدل چکا ہے اور پاؤں پر ورم آ گیا ہے تو انہوں نے زور سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا، اور غصے میں کہا جب یہ حالت تھی تو مجھے کیوں اطلاع نہ دی، اس پر دونوں ڈاکٹروں کے درمیان انگریزی میں کافی دیر تلخ کلامی رہی، جس کا مفہوم یہ تھا کہ امیر شریعت کو یہ ٹیکہ کیوں لگایا گیا؟ آخر رات آڑھائی بجے دوسرا ٹیکہ لگایا تو صبح ہونے تک طبیعت سنبھلی۔

بخاریؒ ابھی زندہ ہے:

کچھ دنوں بعد ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ شاہ جی تھوڑی دیر کے لئے اپنے کمرے سے باہر تفریح کیا کریں، اس ہدایت پر بڑی مشکل سے آمادہ ہوئے، حالانکہ چل نہیں سکتے تھے، لیکن جیسے ہی صحن میں ٹہلنے لگے۔ گردن اونچی کر لی اور چھاتی تان کر فرمایا۔ ''عمر بھر دشمنوں کے سامنے سر اونچا کر کے چلتا رہا ہوں لیکن آج اگر دشمنوں کو پتہ چل گیا کہ میں بیماری کے باعث کمزور ہو گیا ہوں، تو وہ خوش ہوں گے، اس لئے نقاہت کے باوجود میں چھاتی تان کر رکھنا چاہتا ہوں تا کہ دشمن سمجھے کہ بخاری ابھی زندہ ہے''۔

''ہسپتال میں بعض اوقات کافی دیر تک بے ہوشی رہتی، لیکن تیمارداروں اور

خادموں کو تاکید کی تھی، کہ مجھے نماز کا وقت اور رخ بتادیا کریں"۔

ذیابیطس کی وجہ سے کثرت بول کا عارضہ تھا، مگر اس کے باوجود وضو کر کے نماز پڑھتے رہے یا پھر کبھی کبھار تیمم کر لیتے، مگر نماز نہیں چھوڑی۔ البتہ خادموں کو رکعتیں بتانی پڑتی تھیں۔

ایک صدمہ :

ہسپتال میں مولانا یٰسین صاحب نے سوال کیا۔ "شاہ جی! حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی عمر اس وقت اسی نوے سال کے قریب ہے اور حضرت لاہوریؒ کی عمر بھی آپ سے زیادہ ہے، لیکن آپ بہت جلد کمزور ہو گئے ہیں۔ جواب میں فرمایا: "بھائی! ان لوگوں کے گھر آباد ہیں اور میں اپنا گھر اجڑا ہوا دیکھ رہا ہوں، یہی صدمہ مجھے موت کے قریب کر رہا ہے"۔

اپریل کے آخری دن تھے کہ سید سبط حسن (سابق ایڈیٹر ہفت روزہ لیل ونہار لاہور) بمعہ چند احباب عیادت کے لئے ہسپتال آئے۔ تعارف کے بعد ایک نوجوان نے کہا۔ "شاہ جیؒ! میرا نام ذوالفقار علی ہے اور میں پطرس بخاری کا بھائی ہوں۔ امیر شریعتؒ یہ نام سنتے ہی بے اختیار رونے لگے، اور اس قدر روئے کہ تمام محفل ان کے ساتھ رونے لگ پڑی۔ سید سبط حسن کی بیوی نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بھی امیر شریعتؒ کے کسی دوست کی لڑکی نکلی، اس پر وہ بچی بے اختیار امیر شریعت سے لپٹ گئی۔ آخر یہ محفل شعروشاعری میں منتقل ہوگئی۔

مارچ کے کچھ دن سے مئی کا ابتدائی حصہ گذار کر امیر شریعتؒ نشتر ہسپتال سے واپس گھر آ گئے، لیکن بیماری سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ (حیاتِ امیر شریعت ص: ۴۴۶ تا ۴۵۱)

دُعائے صحت کا اہتمام :

نشتر ہسپتال سے واپسی کے بعد ملک بھر میں مایوسی پھیل گئی۔ دلوں میں کئی قسم کے وسوسے ابھرے، برصغیر کا عظیم خطیب کروڑوں انسانوں کے دلوں کا حکمران زندگی کے اس موڑ پر آن پہنچا، جہاں زندگی مستعار ملتی ہے، لیکن موت سے کوئی سودا نہیں کیا جاسکتا۔ اس مقام پر پاکستان کے اخبارات نے امیر شریعت کی صحت پر عوام اور حکومت دونوں کو متوجہ کیا۔ مساجد میں دعائیں مانگی گئیں۔ بھارت کے مسلمانوں نے بھی امیر شریعت کی صحت کے لئے دعائیں مانگیں۔ ان دنوں کے دو تین اخبارات کے اقتباس حسبِ ذیل ہیں۔

ہفت روزہ المنبر فیصل آباد :

''بہر نو استخلاصِ وطن کے عظیم کارنامے کی انجام دہی سے عہدہ برآ ہونے والوں میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایک ممتاز مقام کے حامل خطیب ہیں۔ ان کی سیاست اور ان کے کام میں غلطیوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہیں۔ اور پھر انبیاء کے سوا کون ہے جو غلطیوں سے مبرا ہو؟ لیکن شاہ جی کی جرأت، قربانی، ایثار اور اسلام دوستی سے انکار ممکن نہیں اور ان کی ساحرانہ خطابت نے باطل کے خلاف لڑنے کا جو ولولہ ملت اسلامیہ میں پیدا کیا، اس کی قدر افزائی شرطِ نجات کے مترادف ہے۔

برصغیر کے یہ خطیب ایک عرصے سے علیل ہیں۔ مرض بھی ایسا ہے جو اعضاء ہی کو شل نہیں کرتا، اعصاب، ذہن اور دل کو بھی ماؤف کرسکتا ہے۔ پچھلے دنوں سے مرض میں شدید اضافہ ہوا ہے، ہم سب کو اپنے خالقِ حقیقی سے اس عظیم انسان کی زندگی

کی بھیک مانگنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ انہیں عمر خضر عطا فرمائے"۔ (ہفت روزہ "المنبر" لائل پور)

روزنامہ امروز لاہور :

یہ خبر کئی ماہ سے عوامی حلقوں کی پریشانی کا موجب بنی ہوئی ہے کہ امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب سخت بیمار ہیں ان کی زبان میں جس کی سحر طرازی کی کبھی زمانے میں دھوم مچی تھی، لکنت پیدا ہو چکی ہے، اور ایسا لگتا ہے جیسے خدانخواستہ یہ چراغ آخر شب میں چند لحوں کا مہمان ہو۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے سیاسی نظریات سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، لیکن اتنی بات تو ان کے دشمن بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ ان کی ذات جدوجہد آزادی کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے، انہوں نے اپنے طرز فکر کے مطابق ملک کو آزاد کرانے کے لئے ایک عمر قید و بند میں بسر کی، اور اس راستے میں ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ قادیانیت کے خلاف ان کا جہاد باللسان تو بالخصوص امت پر ایک عظیم احسان ہے، ایسے لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ پاکستانی قوم کا فرض ہے کہ وہ بیماری کے زمانے میں اس بطل جلیل کے علاج معالجے کے لئے ہر طرح کے ذرائع اور وسائل فراہم کرے، بعد میں کف افسوس ملنے سے کیا فائدہ؟ اب وقت ہے کہ حکومت اور شاہ جی کے معتقدین اور ملک کے عوامی حلقے اپنا فرض ادا کریں......

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے

(روزنامہ "امروز" لاہور)

روزنامہ ''انجام'' کراچی :

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی علالت کے تازہ حالات نے جذبات کی دنیا میں ایک تلاطم برپا کر دیا ہے، ان پر فالج کا ایسا حملہ ہوا کہ ان کی قوت گویائی متاثر ہو چکی ہے۔ معاً یہ خیال ہوتا ہے کہ اس بلبل ہزار داستان کی یہ قوت تو سیاسی کشمکش نے پہلے ہی چھین لی تھی، یا دوسرے الفاظ میں مفلوج کر دی تھی۔

ہندوستان و پاکستان کے وہ بہترین خطیب ہیں۔ کاش زندگی میں پھر ان کی تقریر ہو اور اس میں کبھی زار و قطار روئیں اور کبھی بے اختیار ہنسیں۔

قرآن حکیم میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے۔ اے اللہ! میری زبان کھول دے، تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

معلوم نہیں حضرت شاہ صاحب نے کبھی یہ دعا مانگی تھی یا نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں یہ طاقت ضرور عطا فرمائی تھی کہ دشمنوں کا مجمع بھی تقریر سن کر رام ہو جاتا تھا۔ پاک و ہند کی آزادی کے لئے ان کے طوفانی دورے اور ان کے خطیبانہ فتوحات تاریخ کے صفحات میں زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

کلام میں عجیب سحر تھا۔ جہاں چاہتے رلا دیتے، جہاں چاہتے ہنسا دیتے، بسا اوقات ان کی تقریر کا سلسلہ مؤذن کے نعرۂ تکبیر پر ہی ختم ہوتا تھا۔ لیکن مجال ہے کہ ہزار ہا حاضرین میں سے کوئی اٹھ جائے یا اونگھ جائے۔

ایسا عدیم المثال خطیب پاکستان میں خاموش زندگی گزار رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہم جیسے عقیدت مندوں اور رفیقوں کے لئے یہی حقیقت کافی دردناک ہے کہ ان کے مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہوا، اور وہ ہسپتال سے مایوس واپس

آئے ہیں۔

آؤ! ہم دل کی گہرائیوں سے دعا مانگیں کہ اے پروردگار! اپنے حبیب کے صدقے میں حضرت شاہ صاحب کو صحت عطا فرما، اور ہماری یہ حسرت پوری کردے کہ ایک بار پھر ان کی خطابت سے ملت میں نئی زندگی آئے۔ (روزنامہ "انجام" کراچی)

پھر لاہور میں :

حالات سے پریشان ہو کر جون کے ابتدائی ہفتہ میں امیر شریعت کو پھر لاہور میں لایا گیا۔ اب کے وہ مالکان سلطان فونڈری کے ہاں، ماڈل ٹاؤن بلاک۔ بی کوٹھی نمبر ۷۶ میں ٹھہرائے گئے۔ لاہور میں ان کے علاج کے لئے دو الگ الگ بورڈ تجویز ہوئے۔ میڈیکل بورڈ ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ اور ڈاکٹر محمد یوسف پر مشتمل تھا، جب کہ اطباء کے بورڈ میں حسب ذیل لوگ شامل تھے، حکیم محمد حسن قرشی، حکیم نیر واسطی، حکیم نبی احمد سویدا، (پوتا حکیم اجمل خان) حکیم شیدائی اور حکیم محمد اسماعیل جگرانواں والے۔

یہ سب معالج مشورے سے علاج کرتے رہے، ان دنوں امیر شریعت کی تیمارداری کے لئے ان کا لڑکا سید عطاء المحسن پاس رہا، کبھی کبھار امیر شریعت کی حرم محترم اور دوسرے بچے بھی آتے رہے۔

امیر شریعت ۱۹۲۱ء میں پہلی دفعہ لاہور انجانے عالم دین کی حیثیت سے آئے تھے اور ۱۹۶۱ء میں جب آخری بار لاہور لائے گئے تو سارا لاہور ان کو دیکھنے اُمڈ آیا، اور کیوں نہ آتا جبکہ امیر شریعت نے لاہور کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ جوانی کی بہاروں سے موت کی پرچھائیں تک وہ انہی کے لئے سارا کچھ کہتے سنتے رہے۔ اہل

لاہور نے بھی امیر شریعت سے محبت، رفاقت اور عداوت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ بنابریں امیر شریعت اہل لاہور کو کوفہ کہا کرتے تھے۔

ان دنوں ماڈل ٹاؤن کی اس کوٹھی میں عوام کے علاوہ سیاسی رہنماؤں، صحافیوں ادیبوں، شاعروں اور کاروباری لوگوں کی آمد آمد سے شب وروز ایک بھیڑ لگی رہتی۔ امیر شریعت سب کو جانتے تھے، لیکن بات نہیں کر سکتے تھے، لوگ آتے، دومنٹ چارپائی کے نزدیک کھڑے ہوکر زیارت کرتے اور چلے جاتے۔ فارسی کے مشہور شاعر علامہ محمد حسین عرشی امرتسری بھی انہی دنوں امیر شریعت کو ملنے آئے مگر حالات دیکھ کر بے اختیار کہہ اٹھے .....

برق و رعد آسودۂ بستر شدہ
شعلۂ جوالہ خاکستر شدہ

شدید علالت میں نماز کا اہتمام :

ان حالات میں بھی نماز سے غافل نہ رہتے۔ یہ ذات باری تعالیٰ کی ان پر خاص نوازش تھی۔ حالانکہ بول نہیں سکتے تھے، لیکن عین نماز کے وقت اگر کوئی آس پاس نہ بھی ہوتا تو کسی چیز سے زمین پر کھڑکا کردیتے تھے۔ اس آواز سے اہل خانہ فوراً حاضر ہوتے تو امیر شریعتؒ ہاتھ کے اشارے سے انہیں نماز کے لئے کہتے، اور نماز باجماعت ہوتی۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ نماز کے دوران ان پر بے ہوشی طاری ہوجاتی اور ان کے صاحبزادے عطاء المحسن انہیں دوبارہ نماز لوٹانے کو کہتے۔

بے ہوشی کی نمازیں :

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ سرگودھا کے مولانا مفتی محمد شفیع، امیر شریعتؒ سے

ملنے آئے، تو کوٹھی کے مالک مولانا محمد اکرم (مالک سلطان فونڈری نے مفتی صاحب سے) گزارش کی:

"حضرت! یہ فرمایئے کہ شاہ جی اس حالت میں نماز پڑھتے ہیں، اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ یہ نماز میں بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ عزیزم عطاء المحسن شاہ جی پر زور دیتے ہیں کہ وہ اپنی نماز لوٹائیں۔"

اس پر مفتی صاحب نے فرمایا:

"نہ میرے عزیز! شاہ جی کی بے ہوشی کی نمازیں ہماری ہوش مندی کی نمازوں سے ہزار درجہ بہتر ہیں۔"

اس کے بعد پھر کبھی انہیں نماز لوٹانے کو نہیں کہا گیا۔

یہ میرے اُستاذ تھے:

مولانا خیر محمد جالندھری ملنے آئے تو دوران گفتگو ان کے منہ سے مولانا مفتی محمد حسن کی موت کی خبر نکل گئی، اور یہ بات امیر شریعت نے بھی سن لی! حالانکہ وہ کافی فاصلے پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے، ان کو اشارے سے بلایا، اور کاغذ پنسل مانگی، اس پر لکھا۔ "یہ میرے استاد تھے"۔ اور پھر بے اختیار رونے لگ پڑے اور کافی دیر روتے رہے۔

اس طرح کے لیل ونہار میں قریباً ڈیڑھ ماہ لاہور میں گزار کر امیر شریعت کے حرم محترم کے ارشاد پر امیر شریعت کو جولائی کے آخری دنوں میں ملتان واپس لایا گیا، اور ڈاکٹر کرنل ضیاء اللہ کی تجویز کردہ ادویات کا استعمال ہوتا رہا، لیکن مرض مریض پر اس قدر غالب آچکا تھا کہ ڈاکٹروں اور حکماء کے تمام نسخے بیکار ہو گئے۔ اس طرح سے عقل

انسانی جب اپنی رائے پر مات کھا چکی تو قدرت کے فیصلے کا انتظار ہونے لگا۔

ماضی کی پچاس سالہ تاریخ کا معمار، افواج آزادی وطن کا سپہ سالار، جس کی گھن گرج میں شیروں کا سا وقار، گفتار میں بجلی کا سا کردار، ارادوں میں پہاڑوں کی سی پختگی، مقدروں میں سیاروں کا جلو اور جذبات میں سمندروں کے طوفان لے کر سلطنتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جانے والا آج چارپائی پر بے حس و حرکت پڑا اپنے خالق کے فیصلے کا منتظر ہے۔ (حیات امیر شریعت ص: ۴۵۰ تا ۴۵۷)

انتقال :

لاہور سے ملتان پہنچنے کے پچیس (۲۵) روز بعد رات اڑہائی بجے اچانک طبیعت خراب ہوگئی اور سانس اکھڑنے لگی ہچکی شروع ہوگئی، گھر میں پریشانی بڑھی اور موت کے سائے ناچنے لگے، یہی منحوس خبر صبح گاہی ملتان میں بھر میں لے اڑی کہ امیر شریعت انتقال کر گئے۔ تمام شہر آخری دیدار کو ان کے گھر آن پہنچا، لیکن ہنوز گل و بلبل کا رشتہ قائم تھا، اور امیر شریعت آخری سانس گن رہے تھے۔ حکیم عطاء اللہ خان اور ان کے بیٹے بھی اپنی آخری پونجی آزمانے آموجود ہوئے، لیکن وہ بھی اپنے آنسوؤں میں الجھ کر رہ گئے۔ امیر شریعت اس وقت بے ہوشی کے عالم میں تھے اور سانس رک رک کر آرہی تھی، سورج غم آلود چہرے سے تمام دن اس ماتم میں شریک رہا، وہ اپنے ڈھلتے سائے کو کل کے ماتم میں شرکت کے لئے چھوڑ کر مغرب کی چادر میں جا چھپا۔ شفق نے لالہ و گل کا سا لباس پہن لیا۔ ۱۳۸۱ سنِ ہجری تھا، اگست ۱۹۶۱ء کی شدید گرمی برس رہی تھی۔ مؤذن مغرب کی اذان کے لئے اٹھا ہی تھا کہ چھ بج کر پچپن منٹ پر برصغیر کا عظیم خطیب زندگی کے قریباً بہتر (۷۲) سال گزار کر اس جہان

فانی سے رخصت ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون .... ۔

ادا کر کے قرض اپنی خدمت کا
سحر دم وہ جاگا ہوا رات کا
ابد کے نگر کو روانہ ہوا
مکمل سفر کا فسانہ ہوا

موت کی خبر :

ریڈیو پاکستان نے یہ خبر رات پونے آٹھ بجے نشر کی۔ لیکن جہاں دل کی تاریں پیوست تھیں، وہاں صبح سے اضطراب تھا، لاسلکی کی تصدیق نے دل کی دھڑکنوں کی رفتار مزید تیز کر دی۔ عشاق ہجوم در ہجوم محبوب کے آخری دیدار کو آنسوؤں کا نذرانہ لے کر گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ کراچی سے پشاور تک کے لوگ، قصبات سے دیہات کے عوام جنازے میں شرکت کے لئے آن پہنچے۔

جنازہ :

۲۲ راگست نماز ظہر کے بعد امیر شریعت کا جنازہ اٹھانے کا اعلان تھا، اس دن آفتاب اپنے ساتھ تاریخ کا ایسا المیہ لے کر طلوع ہوا، کہ نہ صرف سلطنتیں ہی اس کے غم میں ڈوب گئیں، بلکہ جرأت انسانی اور قوت ایمانی کا چراغ بھی ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

اقلیم خطابت کا فرمانروا اپنی تمام رعنائیاں سمیٹ کر جہان بے مروت سے رخ موڑ چکا تھا۔ وقت کے نشیب و فراز جس کے قدموں کی چاپ کے منتظر رہتے، آج اس کی روح قریب کھڑی اپنے مہمانوں کی منتظر تھی۔ دھوپ کے سائے مکانوں کی

دیواروں سے اتر کر گلی اور بازاروں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

کراچی سے پشاور تک کے لوگ ریل گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے جنازے میں شرکت کے لئے تیز رفتاری سے ملتان پہنچ رہے تھے۔ دیہاتیوں کی ٹولیاں اپنے مرشد کے جنازے کے لئے پہنچ رہی تھیں۔ تانگے، لاریاں، سائیکل بھی مصروف تھے، کہ ان پر انسانوں کا گلہ نہ رہ جائے کہ وہ وقت کے عظیم انسان کی آخری رسم میں شامل نہ ہو سکے۔

نماز ظہر کے بعد جب اس مرد درویش کا جنازہ محلہ ٹبی شیر خاں سے اٹھایا گیا، تو دو لاکھ انسانوں کا سمندر اس کے گرد ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ جنازے کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیے گئے، تاکہ کوئی ہاتھ اس سعادت سے محروم نہ رہ جائے، تاہم ہزاروں سوگواروں کو یہ شکایت رہی۔

جنازہ جیسے جیسے اپنی منزل کی طرف بڑھتا گیا، ہجوم در ہجوم لوگ اس میں شامل ہوتے گئے۔ کچہری روڈ سے گزرتا ہوا یہ ماتمی جلوس چار بجے کے قریب ایمرسن کالج کی گراؤنڈ میں پہنچا اور جنازہ کی صفیں درست ہونے لگیں۔ تاریخ ماضی اپنی شہادت لے کر آں پہنچی۔

حضرت امام ابو حنیفہ کی نماز جنازہ کے بعد اس کے دامن میں امیر شریعت کی نماز جنازہ کا دوسرا واقعہ تھا۔ ورنہ اس سے پیشتر اس قدر ہجوم کسی درویش کے جنازہ میں نہیں دیکھا گیا۔

نماز عصر سے ذرا پہلے حضرت امیر شریعتؒ کی نماز جنازہ ان کے فرزند اکبر سید عطاء المنعم شاہ بخاری نے پڑھائی۔

آخری آرام گاہ :

ملتان کو اس کے بڑھاپے نے اسے اپنی تاریخ کی یادداشتوں سے بھی محروم کر دیا ہے، ہاں اس قدر یاد پڑتا ہے کہ اس شہر کا تاریخی قلعہ جسے آج قاسم باغ کا نام دیا جا رہا ہے، صدیوں پیشتر راجہ داہر نے تعمیر کیا تھا، اور آج یہ قلعہ اہل ملتان کی عظیم تفریح گاہ ہے۔ دن کے اجالے اور رات کے اندھیرے ہی جانتے ہیں کہ تاریخ کے اس بوسیدہ دامن پر کیا گزری اور کیا بیتی.... کاش! گرتی ہوئی دیواروں کے منہ میں زبان ہوتی اور وہ چیخ چیخ کر اپنی بے بسی کا ماتم کرتیں، لیکن بے آسرا اور لاوارث عمارات اپنی غیرت اپنے معماروں کے ساتھ رخصت کر چکی ہیں، گو اس کے سینے پر حضرت پیر بہاول حق اور حضرت شاہ رکن عالم کے مزارات مرجع خلائق ہیں، مگر اس اندھیر نگری میں نیکی اپنا منہ چھپائے ایک طرف بیٹھ گئی تاکہ غارت گری کے اسباب مہیا کرنے میں زمانہ حجاب محسوس نہ کرے۔

اہلِ خانہ نے مزار کے لئے سرکاری پیشکش ٹھکرادی :

حضرت امیر شریعتؒ کی آخری آرام گاہ کا سوال جب احباب کے سامنے آیا تو کمشنر ملتان بی، اے، قریشی نے اطلاع دی کہ رات گورنر مغربی پاکستان نواب امیر محمد خان نے مجھے ہدایت کی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی تدفین کے لئے جو جگہ طلب کی جائے، اس سے انکار نہ کریں، اس پر احباب کی رائے ٹھہری کہ حضرت امیر شریعتؒ کی آخری آرام گاہ کے لئے قلعہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں اور اپنے اس فیصلے سے کمشنر ملتان کو آگاہ کر دیا، انہوں نے ایک گھنٹہ کے اندر اندر متعلقہ کاغذات مکمل کر کے ڈسٹرکٹ

مجسٹریٹ کے ہاتھ بھیج دیئے۔ البتہ ایک شرط عائد کردی کہ حضرت شاہ صاحب کے علاوہ دوسری کوئی قبر نہیں بنے گی۔ مگر جیسے ہی حضرت امیر شریعت کے حرم محترم کو اس کی اطلاع ہوئی انہوں نے اس شرط کے علاوہ بھی امیر شریعت کو قلعہ میں دفن کرنے کی مخالفت کی نیز فرمایا:

''جو شخص عمر بھر حکومت کے کسی اعزاز کا احسان مند نہیں ہوا، اسے حکومت کی اجازت سے حاصل کردہ جگہ پر دفن کر کے اس کی روح کو صدمہ پہنچانا بہتر نہیں''۔

اس بنا پر نماز جنازہ سے فراغت کے بعد حضرت امیر شریعت کا جسد خاکی دو لاکھ سے زائد انسانوں کے کندھوں پر اپنی آخری آرام گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے بھاکری قبرستان کے ابتدائی کونے پر (میونسپل کمیٹی کے دیے ہوئے وسیع خطہ اراضی کو امیر شریعت کا خاندانی قبرستان قرار دے کر) سورج کی آخری کرنوں کے دیکھتے دیکھتے لاکھوں انسانوں کے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی سینکڑوں من مٹی تلے لحد میں اتار دیا گیا۔

محمدؐ کی سیرت کا پیغامبر
خدا کے سندیسے سناتا ہوا
بڑی منزلیں طے کر لیے علم کی
بڑی دیر چلتا چلاتا ہوا
نہایت اہم سوچ میں کھو گیا
گھڑی دو گھڑی کے لئے سو گیا
(عدم)

مغل فرمان رواؤں کے زوال کے ساتھ ۱۶۰۸ء کو جب ہندوستان کے تخت پر فرنگی عروج انگڑائیاں لینے لگا، اور آہستہ آہستہ یہ سورج وقت کے تمام ستاروں کو مات دے کر اپنی چمک کے سنگھاسن پر آبیٹھا تو شیخ و برہمن کی تسبیح کے تمام دانے ٹوٹ کر اس کے قدموں مین آن گرے۔ ہندوستان کا تخت طاؤس اور کوہ نور ہیرے کی چمک دونوں غلامی کی زنجیر میں جکڑے گئے۔ یونین جیک کی اڑانیں لال قلعے کی چھت پر چڑھ کر گنگا و جمنا کے پوتر پانیوں میں زہر گھولنے لگیں، مسجد کی اذانیں کلیساؤں کی آواز میں دب کر رہ گئیں۔ ایوان فرنگی کا ایک ایک قانون حجازی قافلے کے نقش پا پر اپنی نئی عمارات استوار کرنے لگا تو ایمان کی ایک نگاہ اٹھی، جس نے خون جگر کی آمیزش سے اس قدر آنسو بہائے کہ سارا ہندوستان رو پڑا، یہ آنسو حضرت شاہ ولی اللہ کے آنسو تھے۔ انہی آنسوؤں سے پھر ۱۸۵۷ء کے بعد کبھی شیخ الہند محمود حسنؒ نے جنم لیا، اور کبھی قاسم نانوتویؒ کی پیدائش ہوئی۔ عبید اللہ سندھیؒ اور حسین احمد مدنیؒ بھی اسی کوکھ کے لعل تھے۔ محمد علی جوہرؒ، ابوالکلام آزادؒ، ظفر علی خانؒ، مفتی کفایت اللہؒ اور احمد سعیدؒ بھی اس قافلے میں شامل ہوتے ہوگئے، تا آنکہ اس زنجیر کی آخری کڑی حضرت امیر شریعت (سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ) تھے۔ یہ زنجیر ایک ایک کڑی سمیت ۲۱ اگست ۱۹۶۱ء شام چھ بج کر پچپن منٹ کو اپنی تاریخ مکمل کر گئی.......... ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(حیاتِ امیر شریعت ص: ۴۵۰ تا ۴۶۰)

مجذوب کی دعا :

مقدمہ گورداسپور کی مصروفیت کے باوجود امیر شریعت اپنے مشن کے لئے

رواں دواں رہے۔۱۹۳۴ء کا سال آخری دموں پر تھا کہ معراج النبی ﷺ کے موقع پر امیر شریعت کو ملتان جانا پڑا۔ جلسے کی حاضری تا حد نظر تھی اور اس پر خاموشی کا یہ عالم، جیسے انسانی سروں پر پرندے بیٹھ رہے ہوں۔ رات کے اس سکوت کو صرف امیر شریعتؒ کی آواز توڑ رہی تھی۔ واقعہ معراج النبی کا ذکر کرتے ہوئے اسے تمثیلی انداز میں پیش کیا۔ اور حاضرین کی محویت کا یہ عالم تھا کہ وہ محسوس کرنے لگے جیسے حضور نبی ﷺ کی سواری ان کے سامنے سے گزر رہی ہے۔ عین ایسے وقت پر مجمع سے ایک مجذوب اٹھا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اس نے ملتانی زبان میں کہا۔

''سیدا! شالا اتھائیں دفن تھیویں'' (اے سید! خدا کرے آپ یہیں (ملتان میں) دفن ہوں)

شاید یہ قبولیت کا وقت تھا کہ دل سے نکلی ہوئی بات حقیقت بن کر رہی۔



باب یازدہم

خوانِ زعفران

علی گڑھ میں خطاب، مسئلہ ختم نبوت کی دلچسپ تمثیل :

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، خوبرو، خوش گلو، خطابت کی ہر رمز کے شناسا، سٹیج پر آتے تو آنکھوں کو بھلے لگتے، بولتے تو فردوسِ گوش اور تقریر جیسے جیسے بڑھتی دماغ دل کے حق میں دست بردار ہو جاتا اور دل شاہ صاحبؒ کی اُنگلیوں میں ہوتا۔ شاہ صاحبؒ نے یونین ہال میں ایک معرکہ آراء تقریر میں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کی تفسیر بیان کی۔ یونین کے صدر کو گمان گزرا کہ تقریر شائد فرقہ وارانہ ہو جائے گی۔

چنانچہ اُنہوں نے شاہ صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ فرقہ وارانہ تقریر یونین کے قواعد کی رُو سے ممنوع ہے، شاہ صاحبؒ نے اطمینان دلایا کہ یونین کی ہر روایت کی پاسداری کی جائے گی۔

تقریر شروع ہوئی اس حال میں کہ اسٹیج پر دیگر حضرات کے علاوہ رشید احمد صدیقی جیسے بذلہ سنج اور شستہ مذاق اور ہادی حسن جیسے سحر بیان بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ

صاحبؒ جب ظرافت پر آتے تو رشید احمد ہنسی ضبط نہ کر سکتے اور جب خطابت کی بلندیوں کی چھوتے تو ہادی حسن جھوم جھوم جاتے، اُن کی تقریر کا نقطۂ عروج وہ سین تھا جب اُنہوں نے اپنے رومال کی جھولی بنا کے آگے بیٹھے ہوئے بچوں سے کہا کہ آؤ بچو مٹھائی لیتے جاؤ، ایک ایک بچہ آگے بڑھتا، شاہ صاحبؒ اُس کی جھولی میں کچھ نہ کچھ ڈال دیتے۔ جب آخری بچہ آیا تو اُس کی جھولی میں سب کچھ اُلٹ دیا اور جب اس کے بعد بھی ایک بچہ اچانک اُٹھ بیٹھا تو شاہ صاحبؒ نے اپنا خالی رومال ہوا میں لہرا کے وجد آفرین قرأت میں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا اِعلان کر دیا۔ یہ آیت اس سوز اور حتمیت سے پڑھی کہ پورا ہال تحسین کے نعروں سے گونج اُٹھا۔ اقبالؒ کے مصرعہ ''داد مارا آخریں جامے کہ داشت'' کو یوں حقیقت کے سانچے میں ڈھلتے ہوئے آنکھوں نے اُس روز دیکھا۔ شاہ صاحب کو زبان پر جو عبور حاصل تھا اس پر اُنہوں نے اپنے فخر کا دلی اور لکھنؤ والوں کو خطاب کر کے اظہار یہ کہہ کر کر ''برس دن کے بعد اردو میں تقریر کر رہا ہوں کہیں زبان کی غلطی کر جاؤں تو ٹوک دینا''۔

میں تقریر سُن رہا تھا اور میرے ذہن میں شاہ صاحب کی ایک اور ہی تصویر اُبھر رہی تھی، چونڈے کا دیہاتی اسٹیج ہے، اَن پڑھ لوگوں کا ہجوم ہے، شاہ صاحب پنجابی میں تقریر کر رہے ہیں اور ان سادہ ورق لوگوں کے دلوں کو گرماتے جا رہے ہیں، یا پھر گلو شاہ کے میلے میں منبر بچھا ہوا ہے اور وہ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں اور لوگ سر دُھن رہے ہیں، اسٹیج علی گڑھ کا ہو یا موچی دروازے کا منبر جامع مسجد دہلی کا ہو یا گلو شاہ کا شاہ صاحبؒ کا جادو یکساں ایمان افروز ہوتا۔

(آہنگ بازگشت ص:۱۱۸)

توضیح السنن

شرح

آثار السنن للامام النیموی

(دو جلد مکمل)

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

آثار السنن سے متعلق مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی تدریسی، تحقیقی، درسی افادات اور نادر تحقیقات کا عظیم الشان علمی سرمایہ، علم حدیث اور فقہ سے متعلق مباحث کا شاہکار، مسلک احناف کے قطعی دلائل اور دلنشین تشریح، معرکۃ الآراء مباحث پر مدلل اور مفصل مقدمہ اور تحقیق تعلیقات اس پر مستزاد۔

کاغذ، کتابت، طباعت، جلد بندی اور اب نئے کمپیوٹرائزڈ چار رنگہ ٹائٹل، ہر لحاظ سے معیاری اور شاندار، اساتذہ اور طلباءِ مدارس کے لئے خاص رعایت۔

القاسم اکیڈمی ' جامعہ ابوہریرہ
برانچ پوسٹ آفس، خالق آباد، ضلع نوشہرہ، سرحد، پاکستان

مولانا
عبدالقیوم حقانی کی تصنیفات













